ماہر معاشیات
امام احمد رضا
کے
افکار و نظریات
پر عظیم شاہکار

خصوصی اشاعت بر موقع صد سالہ عرس امام احمد رضا
1921-2021

# امام احمد رضا
## کے معاشی افکار و نظریات


مرتب

مولانا محمد شاہد القادری
جنرل سیکرٹری مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال

اشاعت خاص صد سالہ عرس امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۹۲۱/ ۲۰۲۱

# امام احمد رضا کے
# معاشی افکار ونظریات

مرتب

مولانا محمد شاہد القادری

اہتمام

محمد شرافت علی قادری رضوی

مہتمم: جامعہ حنفیہ کرول سمندری (پاکستان)

ناشر
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سمندری فیصل آباد (پاکستان)

کتاب : امام احمد رضا کے معاشی افکار و نظریات

مصنف : مولانا محمد شاہد القادری

زیر سرپستی: صاحبزادہ سید ریاست رسول شاہ قادری رضوی صاحب
حضرت مولانا صاحبزادہ پیر ابوالحسن محمد غوث رضوی صاحب
سجادہ نشین آستانہ عالیہ سمندری شریف (پاکستان)

اشاعت : اکتوبر ۲۰۲۱ء

تعداد : ۱۰۰۰

طابع : ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سمندری پاکستان

قیمت :

پرنٹرز : سبحان کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز فیصل آباد

ملنے کا پتہ

جامعہ حنفیہ رضا اسلامک ریسرچ سنٹر سمندری پاکستان

0344-8672550

# الاھداء

شیخ الاسلام مجدد اعظم اعلیٰ
حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

امام المدرسین سلطان المحدثین
حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ محدث اعظم پاکستان

شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ الحاج پیر ابو محمد محمد عبدالرشید قادری رحمۃ اللہ علیہ رضوی نائب محدث اعظم پاکستان

آسمانِ تحقیق کے نیر اعظم فیض ملت
حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

عالمی ناشر رضویات
حضرت پیر طریقت صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ الحکماء
حضرت علامہ مولانا حکیم جمال الدین شائق قادری رحمۃ اللہ علیہ

# تقدیم

(پروفیسر ڈاکٹر دلاور خان)
پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ایجوکیشن سٹی، ملیر کراچی

مغرب کا مسلمانوں کے ساتھ ٹاکرا ہمیشہ رہا جس کی نوعیت اور نام تاریخ میں مختلف رہے ہیں۔ مستشرقین کے اسلامی مطالعات کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کی مسلمانوں کو روایتی جنگ سے شکست دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔اس لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے دیگر طریقے بروئے کار لائے جائیں۔ مثلا عدالت مسلمانوں کی ہو، مگر قانون ان کا ہو، تعلیمی ادارے مسلمانوں کے ،ہوں مگر نصاب ان کا ہو۔زمین مسلمانوں کی ہو ،مگر کلچر ان کا ہو۔ مقننہ مسلمانوں کی مگر پالیسی ان کی ہو، بنک مسلمانوں کے ہو سودی نظام ان کا ہو اور مسلم عوام کی بجائے مسلم حکمرانوں پر اپنا تسلط قائم کیا جائے، الغرض علمی، فکری، ثقافتی، سیاسی، عمرانی، تعلیمی ،سائنسی اور ادبی اعتبار سے دماغ ان کا ہو مگر ذہنی اعتبار سے وہ ہمارے غلام ہوں۔ اس حربے سے ناقابل تسخیر مسلمان کو اپنے فکری ،نظری اور عملی نظاموں میں جکڑ کر انہیں اپنا اسیر اور غلام بنایا جاسکتا ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے مسلم دنیا کی آبادی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ۔ان میں سے تین طبقات سیکولر، لبرلز اور مذہبی، مغرب کے مدو معاون ہیں ان طبقات کے ساتھ تعاون جاری رکھا جائے گا۔ مسلمانوں کے مذہبی طبقے سے ان کی مراد یہ ہے ان کا تصور اسلام عبادات اور چند رسومات تک محدود ہے۔ اور اسی پر عمل پیرا ہو کر وہ فلاح دارین کا متمنی ہے وہ نہ ان کے کسی نظام کو چیلنج کرتا ہے اور نہ مغرب کے نظام کے متبادل اسلامی نظام دینے کی جرء ات کرتا ہے۔ مغرب ، سیکولر اور لبرل طبقے کی طرح ان خصوصیات کے حامل مذہبی طبقے کو بھی اپنا دوست اور معاون سمجھتا ہے اور اس طبقے کی مذہبی عبادات اور رسومات کی ادائی میں مکمل تعاون کرتا ہے اور انہیں اس حال میں دیکھ کر مسرت محسوس کرتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے ان کا وجود ان کے کسی سیاسی ،سماجی ،ملکی ،معاشی اور فکری نظام کے لیے کوئی

خطرہ نہیں اور مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی مغرب کے کے لیے خطرہ نہیں جو مغربی نظریات کی اسلامی ملمہ کاری روپ میں پیش کرتا ہے مغرب کو مسلمانوں کے اس چوتھے طبقے سے خطرہ ہے جو ان کے مقابلے میں اسلام کے مربوط و منظم سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی، سائنسی نظام ہائے زندگی تشکیل دینے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کا یہ طبقہ دنیا کو مغرب کے متبادل نظام دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو مسلمانوں پر ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی اور مغرب میں بھی ان کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں گی۔ جس سے پورا مغربی نظام قومے کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کا یہ طبقہ ہمیشہ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے ان سے خوف ذدہ ہے ۔محسوس اور غیر محسوس طریقے ان کی راہیں مسدود کرنے میں مصروف عمل رہتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اسلامی تاریخ کے وہ عظیم مفکر اور محقق ہیں جنہوں نے مغربی نظام کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اسلام کی روشنی میں سیاسی۔ سماجی، تعلیمی، اقتصادی، معاشی اور سائنسی وغیرہ نظام ہائے زندگی کی تشکیل اور فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ غرض مغربی دنیا کا کوئی ایسا نظام جس کا متبادل دینے کی آپ نے جرات نہ کی ہو اور مسلم مفکرین کو مغرب کی ذہنی غلامی سے آزادی دلانے میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے مغرب کے معاشی استحسالی نظام کے متبادل اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی پالیسی تشکیل دی جس کی بنیاد اسلامی اصول ”لاضرر ولاضرار“ پر رکھی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے کئی معاشی رسائل قلم بند کیے جس میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) خیر الآمال فی حکم الکسب و السوال

(۲) تدبیر فلاح ونجات و اصلاح

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم

(۴) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر

(۵) افصح البیان فی حکم مزارع ھندوستان

(۶) احکام فی التناول من ید مالہ حرام۔

اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ میں معاشیات، اقتصادیات ، تجارت زراعت سے

متعلق وہ کون سا پہلو ہے جس پر مولانا احمد رضا خاں نے بحث نہ کی ہو۔حال ہی میں جی۔سی یونیورسٹی فیصل آباد سے ڈاکٹر صبا نور نے آپ کے معاشی نظریات پر پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے ان کا یہ مقالہ شایع بھی ہوگیا ہے۔

علامہ شاہد القادری ہمہ جہت شخصیت کے حامل ہیں آپ کا شمار ثقہ قلم کاروں میں ہو تا ہے کئی کتب کے مصنف ہیں جس میں آپ کا تحقیقی پہلو نمایاں ہے خاص طور پر رضویات آپ کا علمی و تحقیقی میدان ہے۔آپ ہمیشہ رضویات کو عصری تقاضوں کے مطابق اشاعت کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔مسلم معاشرے کے سلگتے سیاسی،سماجی،معاشی،تعلیمی، سائنسی، مسائل کو رضویات کی روشنی میں حل کرنے کے لیے کوشاں ہیں

اسی فکر و فلسفے کی ایک کڑی ''امام احمد رضا کے معاشی افکار و نظریات'' ہے۔جس میں موصوف نے مولانا احمد رضا خان کے معاشی افکار پر لکھے گیے مقالا جات کو کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔جس میں معاشیات، اقتصادیات،تجارت اور بنک سے متعلق نہایت وقیع تحقیقات مقالہ نگاران نے پیش کی ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان ایک بین الاقوامی مسلم ماہر معاشیات ہیں اور مسلمانوں کی مغربی معاشی غلامی سے آزادی، مولانا احمد رضا خان کے معاشی و اقتصادی افکار میں مضمر ہے۔ضروت اس امر کی ہے اس مجموعے کو جامعات کے ماہرین معاشیات و اقتصادیات، بنک کاروں اور تاجروں کو مطالعہ اور تجزیے کے لیے پیش کیا جائے اوران پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے۔جو مولانا کی معاشی پالیسی کی روشنی میں ایک مربوط اور منظم معاشی ایکشن پلان تیار کریں۔اس مجموعے میں اتنا مواد موجود ہے جس سے مغربی ماہرین معاشیات اور مولانا کے معاشی نظریات کا تقابل آسانی سے کیا جا سکتا ہے اور بہتر ہوگا یہ تقابل انگریزی زبان میں ہو۔

بلاشبہ ''امام احمد رضا کے معاشی افکار و نظریات'' جہاں رضا میں ایک وقیع اضافہ ہے اس پیش کش پر علامہ شاہد القادری اور ہمارے برادر حضرت قاری شرافت علی قادری رِضوی صاحب و ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سمندری کے جملہ اراکین اور معاونین دِلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ ان احباب گرامی کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور یہ مجموعہ مسلم امہ کے معاشی و اقتصادی مسائل کے حل کا سبب بنے۔آمین

# کلمات دعائیہ

شہزادۂ رسول، حضرت علامہ سید الشاہ گلزار اسماعیل واسطی بلگرامی مدظلہ العالی
سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ رزاقیہ اسماعیلیہ۔مسولی شریف، بارہ بنکی (یو پی)

عاشق رسول، نازش فکر وفن ،آیت من آیات اللہ،معجزۃ من معجزات رسول، سیدی و آقائی ومولائی الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس العزیز عالم اسلام کے لئے رحمت بن کر دنیا میں تشریف لائے اور علمی،سماجی، معاشی،تعلیمی،سائنسی،ملکی،ملی اور عالمی لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی فرما کر منصب مجددیت کا حق ادا کردیا،یہی سبب ہے کہ دنیا اس کی بارگاہ عالی میں قلب وجگر کا نذرانہ پیش کرنا اپنی سعادت مندی سمجھتا۔

عزیز القدر مولانا محمد شاہد القادری سلمہ المولیٰ نے معاشیات کے حوالے سے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیقات انیقہ پر مشتمل اصحاب قرطاس وقلم کے گرانقدر مضامین جا مجموعہ بنام ''امام احمد رضا کے معاشی افکار ونظریات'' زیور طباعت سے آراستہ کرنے جارہے ہیں، معاشیات کے قدیم وجدید مسائل کا حل اہل محبت کی آنکھیں کھیرہ ہوتی نظر آئیں گی۔

عزیزی موصوف کو عزیز رکھتا ہوں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے علمبردار اور سیدی تاج الشریعہ کے مشن کے سچے مبلغ ہیں۔مولیٰ تعالیٰ شرف قبولت عطا فرمائے،مرتب کی محنت شاقہ کو قبول فرمائے۔ناشر کو اپنے فضل سے نوازے ،ارباب قرطاس وقلم دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔(آمین)

محمد گلزار اسماعیل واسطی عفی عنہ
آستانہ فلک خانقاہ عالیہ قادریہ رزاقیہ اسماعیلہ ۔مسولی شریف

# کلمات تحسین

خلیفہ تاج الشریعہ، تاج الاصفیا حضرت علامہ صوفی فاروق احمد رضوی مدظلہ العالی
{خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ فاروقیہ، گوھردھن پور، ضلع سیتامڑھی، بہار}

اللہ تعالیٰ کا ملک عزیز ہندوستان پر بے انتہا کرم ہے، امت مسلمہ کی رہنمائی اور مشکل کشائی کے لئے ایسے ایسے مصلحین اور محبوب بارگاہان کو بھیجا ہے جن کے قدوم ناز کی برکتوں سے ہند کا خطہ اراضی سرسبز وشاداب نظر آرہا ہے۔

ان ذوات عالیہ میں ایک عبقری شخصیت چودہویں صدی کے مجدد حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا نام نامی اسم گرامی نمایاں اور ممتاز ہے، آپ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم سے جہاں ایک طرف دشمنان اللہ و رسول کو زیرنگیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف امت مسلمہ کے درپیش مسائل کو تمام آلودگیوں سے پاک کر کے شفاف آئینہ کی طرح پیش کرتے ہوئے بھی نظر آرہے ہیں، انہیں مسائل میں ایک اہم مسئلہ معاشیات واقتصادیات ہے۔اس باب کا تعلق بیع وشراء، حلال وحرام، جائز و ناجائز سے ہے، ان ابواب کو شریعت بہت باریک بینی سے دیکھتی ہے، اس لئے سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ اور تحریری مرقع میں معاشیات کے درپیش مسائل کو ستھرے انداز میں پیش کرنے کا اہم اہتمام فرمایا ہے اور اس کا فیصلہ زیر ترتیب مجموعہ مضامین کو پڑھ کر بآسانی کسی بہتر نتیجے پر پہنچا جاسکتا ہے۔

اس مجموعہ میں بعض قدیم مسائل معاشیات اور بعض جدید مسائل معاشیات پر اہل قلم نے گفتگو کی ہے اور یہ باور کرانے کی سعی پیہم کی گئی ہے کہ موجودہ معاشیات کے مسائل کے حل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں جزئیات کے انبار ہیں، احناف کو اپنے مسائل کے حل کے لئے کاسئہ گدائی لے کر در در چکر لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

فقیر رضوی کے تلمیذ ارشد مولانا محمد شاہد القادری سلمہ نے ''امام احمد رضا کے معاشی

افکار ونظریات‘‘میں معاشیات سے متعلق اکثر گوشوں کو جمع کرنے میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے،جن کا تعلق پڑھنے سے ہے۔

مولانا موصوف خوب لکھتے ہیں،اچھا لکھتے ہیں،ان کی تحریرات پر ہمارے اسلاف کی تقریظات اور دعائیں ہیں،طرز تحریر لائق ستائش اورفکری جولانیت لئے ہوئے ہے۔بالغ النظر اور وسیع الذہن ہیں،فقیر رضوی کی دعائیں ہر وقت شامل حال رہا کرتی ہیں۔دعائے ہے کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں اخروی سعادتوں سے نوازیں،سیال قلم عطا فرمائے،تحریر میں حسن و جمال اورعمدہ اسلوب کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمائے۔

(آمین)

اسیر مفتی اعظم ہند!

فقیر محمد فاروق احمد قادری نوری رضوی

یکم شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کلمات عالیہ

ماہر رضویات حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری رضوی علیہ الرحمہ
(صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان)

عزیز القدر مولانا محمد شاہد القادری زید مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جماعت اہلسنت کی ایک متحرک اور فعال تنظیم ''مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال'' کی کارکردگیوں سے گاہ بگاہ شوسل میڈیا کے توسل سے واقفیت ہوتی رہتی ہے، اسی تنظیم کے بینر تلے'''روہنگیا مسلمانوں'' کی امداد ایک بڑی رقم سے بنگلہ دیش جا کر کی گئی ،اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

احقر کو یہ جان کر بے حد مسرت ہورہی ہے کہ اسی تنظیم کے زیر اہتمام ۱۰۱ رواں عرس رضوی کے پر بہار موقع پر چودہویں صدی کے مجدد برحق سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ کے معاشی افکار ونظریات پر مشتمل ایک تاریخی، تحقیقی اور علمی دستاویز بنام ''امام احمد رضا کے معاشی افکار و نظریات'' (مرتب: مولانا محمد شاہد القادری) ۴۰۰ر صفحات پر زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی جہد مسلسل کی جارہی ہے، اس کاوش پر مجلس کے تمام ارباب حل وعقد لائق صد مبارک باد ہیں۔

بلاشبہ فی زمانہ اس امر کی ضرورت ہے کہ شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا قادری حنفی ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف علمی موضوعاتی حوالے سے پیش کیا جائے، تاکہ اہل علم و بصیرت حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت شخصیت سے زیادہ سے زیادہ متعارف ہوسکے اور معاندین ومخالفین کی دسیسہ کاریوں کا طلسم ٹوٹتا ہوا نظر آئے۔

راقم کو یقین ہے کہ آپ کی اس کاوش کو ارباب علم و بصیرت ستائش کی نظر سے

دیکھیں گے اور نوجوان علما و محققین کے لئے آپ کا یہ احسن عمل، ترغیب وتشویق کا باعث بھی بنے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس علمی ونظریاتی کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دوام ملک وعمر او بخواہ از لطف حق حافظ

کہ چرخ ایں سکتہ دولت بنام شہسواراں زد

والسلام مع الخیر!

سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

نوٹ: یہ تحقیقی مرقع مجلس کی جانب سے ۱۴۴۰ھ عرس رضوی صدی تقریبات کے موقع پر شائع کرنے کا پلان تھا، نامساعد حالات کے سبب ہونے سے یہ نسخہ اشاعتی مراحل نہیں گزر سکا۔حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ نے اسی موقع کے لئے ''کلمات عالیہ'' سپرد قرطاس کیا تھا(مرتب)

# اسلامی نظام معیشت کا انقلابی امام

{ علامہ قمرالحسن قمر رضوی مدظلہ، (امریکہ) }

عربی شاعر ابو محمد اسید البطیوسی نے حقیقت نگاری کا اظہار کیا ہے:

اخو العلم حی خالد بعد موته..... واوصاله تحت التراب رهیم

وذو الجهل میت، وهو ماش علی الثریٰ یظن من الاحیاء وهو عدیم

ترجمہ: ''صاحب علم اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے حالانکہ زیر زمین اسکے جوڑ جوڑ بوسیدہ ہوئے ہوتے ہیں۔اور جاہل زمین پر چلتے رہنے کے باوجود مردہ ہے وہ خود کو زندہ گمان کرتا ہے حالانکہ مردہ ہے۔''

علم مردہ نہیں ہوتا وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے تو جس کا یہ وصف بنے گا اسکو بھی زندہ کر دیتا ہے۔اب علم کی فراوانی جس قدر ہوگی زندگی کے آثار اسی قدر قومی ہوں گے۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل علم کو پردہ فرمائے صدیاں بیت گئیں مگران کی زندگیاں ابھی بھی اسی طرح متحقق محسوس ہوتی ہے۔ یہ دراصل اس علم کی برکات ہیں جو رب واہب کی طرف سے بندے کو عطا کی گئی ہیں۔

امام اہلسنت سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا انہیں بافیض اہالیان علم میں ہیں جنکی حیات کی شدت برسوں گزرنے کے بعد بھی آج تک محسوس کی جارہی ہے۔اور عملی جولانیت نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔کیونکہ علم کے ساتھ ساتھ عالم بھی نہیں مرتا۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہٰ پر اِدھر دو عشرے میں کام کی نوعیت بدلی ہے۔اس وقت پوری دنیا میں اُن پر جس تیزی اور تحقیق سے کام ہو رہا ہے گزشتہ برسوں میں ایسا نہیں تھا۔نو جوان علماء کی ایسی ٹیم تیار ہو چکی ہے جو بڑی عرق ریزی اور تحقیق و تفحص سے کام کو آگے بڑھا رہی ہے۔بہت سارے گوشوں پر ضخیم نمبرات، اور مجلّات و کتابیں رقم ہو ہو کر منظر عام پر آرہی ہیں۔

امام اہلسنت نے عقلیات کی اصطلاحوں کو بھی استعمال کیا جو بخشیں کیں اسکو فن

بحیثیت فن نہیں استعمال کیا بلکہ فن عقیدت دین اسلام کیا۔اور دینی مسائل میں ان کو پروکر خوبصورت لڑی کی مشکل میں اس فن کو دین کا حصہ قرار دیا جس سے موضوع بحیثیت موضوع اسلامی اقدار کا حامل ہو گیا۔ورنہ یہ بات ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ کسی بھی موضوع کو دوسرے علوم میں پرھنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔جبکہ یہاں دینی تناظر میں رہ کرموضوع کوئی اسلامی عنصر یاتی موضوع محسوس ہونے لگتا ہے۔

ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ ہر فن مشق اور جہد مسلسل سے ترقی کرتا ہے۔ اوروقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تنوع ہوتا رہتا ہے اورنئ بحثیں جنم لینے لگتی ہیں۔امام احمد رضا کے عہد میں عقلیات کے جتنے علوم تھے وہ اُس وقت اپنے دور کے اعتبار سے ترقی یافتہ تھیں مگر آج انھیں قدیم کہہ کرنظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اب یہ بحثیں خارج از بحث ہیں کیونکہ علوم بہت ترقی کر گئے ہیں۔تو بعض لوگ یہ کہہ کرکو امام احمد رضا کی باتیں اب اساطیر ہو گئی ہیں لہذا لائق توجہ نہیں رہیں ہیں۔

اس کے جواب میں بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ بیشک آج فنون میں اتنا تنوع ہو چکا ہے۔ اور تحقیق و تفحص نے ایسے مخفی گوشوں کو ظاہر کر دیا ہے جو پہلے نابید تھے مگر ہم زمانیاتی طور پر جب ہم اس کی تحقیق کریں گےتو امام احمد رضا کا نظریہ اپنے عہد کا جدید اور مانوس نظر یہ ملے گا۔اور انہوں نے جو بھی بحثیں کی ہیں وہ اُن کے عہد تک جدید نظریہ کے ارتقا کے جن مراحل تک پہنچ چکی تھیں آپ نے سب کو ملا حظہ کیا تھا اس وقت تک کے پائے جانے والے ترقی یافتہ اُن تمام گوشوں کا اُسی تناظر اور عقلیت سے جواب دیا ہے۔تو یہ بات صد فیصد سچ ہے۔لہذا آپ کے اقوال کو عصری تناظر میں دیکھنا ہی مناسب ہے۔

اگر امام اہلسنت کے عقلی دلائل کو اسی فن کی روشنی میں موازنہ کر کے کوئی ادارہ ان مباحث کو منظر عام پر لائے تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔مگر اس کے لئے ضروری ہو گا کہ جو بھی اس موضوع پر کام کرے اسکو دونوں علوم پر گہری دشعور ہوتا کہ حقائق سامنے آسکیں ورنہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔

دنیا میں جدید معاشیات (POLITICAL ECONOMY) اور سرمایہ کاری

(CAPITALISM) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آج دنیا کا تجارتی سلسلہ انہیں سے جڑا ہوا ہے اور کسی بھی ملک کا اقتصادی ڈھانچہ اسی پر کھڑا ہوتا ہے۔ معاشیات کا بانی آدم اسمتھ (ADAM SMITH) اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا (۱۷۲۳ تا ۱۷۹۰)۔ اس نے غیر اداری طور پر اس میں ہاتھ ڈالا پھر آگے چل کر یورپ کا اقتصادی نظام اس سے جڑ گیا اور پھر بینکنگ (BANKING) نظام رواج پایا۔ امام احمد رضا نے اس دور میں جبکہ ابھی بینکنگ نظام یورپ سے آگے نہیں بڑھا تھا مسلمان کو اسکی طرف متوجہ فرمایا تھا۔ ایک فتویٰ جو کلکتہ کے ایک سوال کے جواب میں رقم ہوا ہے اس میں سرمایہ کاری کے جن اصولوں پر بحث فرمایا وہ اُس دور میں اقتصادی لحاظ سے کتنی معنٰی خیز ہیں اسکو صاحب نظر جانتا ہے۔ انہوں نے سرمایہ کاری کی بنیادی اصول کو فتویٰ کی زبان دے کر م سائل کا جواب دیا ہے۔ مگر وہ عیاں را چہ بیاں اس فن کے ماہرین اسکی گہرائیوں میں چھپے ہوئے آبدار موتیوں کو سمجھتے ہیں۔ یہ فتویٰ'' فتاوٰی رضویہ کی جدید ترتیب میں جلد ۱۵ کے صفحہ ۱۴۲ سے ۱۴۷ تک پھیلا ہوا ہے جس کا تاریخی نام تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' ہے۔ جس میں ترتیب جواب کے لحاظ سے نمبر ۳ پر فرماتے ہیں:

> ''بمبئ، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تو انگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کیلیئے بینک کھولے۔ سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں۔ جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے۔ امدانی کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب **كفل الفقيه الفاهم** میں چھپ چکا ہے۔

ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمان کی جائدادیں نبیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں۔ ان سے محفوظ رہتے۔ اگر مدیون کی جائداد لے لی جاتی مسلمان کے پاس رہتی۔ تو یہ نہ ہوگا کہ مسلمان ننگے اور بنیئے چنگے''

اس پورے اقتباس کا ایک معروف جدید معاشی فکر کا غماز ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۱ء

میں منصۂ شہور پر آئی۔ گویا بیسویں صدی کا آغاز تھا کوئی ۸۰ ہو یا ۱۱ سال پہلے امام اہلسنت نے ان معنی خیز اصولوں کو پیش کر کے معاشی استحکام اور بینک کے نظریہ کا تعارف کر دیا تھا۔ جبکہ ایشیا ابھی اس سے نا واقف تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے علم دینی کے ذریعہ ان کی رہنمائی فرمائی۔ علاوہ ازیں اس میں مسلمانوں کی نصیحت ہے اور اعلیٰ حضرت کا ذکر جس پُر سوز انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک الگ بحث ہے۔

مولانا محمد شاہد القادری (جنرل سکریٹری مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال) جوان علماء میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، متحرک مزاج ہیں اور سوچنے کا انداز بھی کچھ ارتقائی ہے۔ اس لئے انہوں نے اس سے ہٹ کر جو ہمارے درمیان رسماً چلی آ رہی تھی ایک نئ فکر سے اِس طرف قدم رکھا۔ امام اہلسنت کے تعلق عصر حاضر میں پائے جانے والے مختلف موضوعات پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ان کی کتابوں سے اُن علوم کو چن کر اُن پر صاحبان بصیرت سے مقالات لکھوائے جائیں۔ ایک بات یہ بھی کہ صرف اردو میں نہیں بلکہ مختلف زبانوں میں شائع کئے جائیں۔ وطن مالوف کی رائج الوقت زبان ہندی ہے ان مقالات کی ہندی میں بھی پیش کی جائے۔ انگریزی چونکہ انٹرنیشنل رابطے کی زبان ہے لہٰذا اس میں بھی کام کیا جائے اور اس طرح کے تحقیقی رسائل کو انگلش میں منتقل کر کے یونیورسیٹی، کالج کی لائبریریوں میں رکھوائے جائیں تاکہ دانشور طبقہ اسکو دیکھے اور اس سے فیض حاصل کرے۔

امام احمد رضا کے علم معاشیات پر چار سو صفحات پر تفصیلی یہ مجلہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجلس کو مبارکباد پیش کیا ہے کہ ایک ایسا کام ان کے ذریعہ ہو رہا ہے جس کی فی زماننا اشد ضرورت تھی۔ اگر ماہرین فنون سے رابطہ کر کے ان سے مقالات لکھوائے جائیں اور پھر سمینار کر کے اکاڈمیکل طریقے پر متعارف کروایا جائے تو میری دانست میں یہ سیکڑوں تقریروں پر بھاری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال کو کامیاب بنائے اور ترقی عطا فرمائے اور نکر رضا کا عظیم ناشر ادارہ بنوائے۔ (آمین)

☆☆☆

# عاشق رسول امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد شاہد القادری رضوی (کلکتہ)

سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ دنیائے اسلام کے وہ عظیم سپوت تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ کو کفر وشرک اور بدعات شنیعہ کی قعر مذلت سے نکال کر اسلام کے صاف وشفاف اورسنت نبویہ کے پاکیزہ ماحول کی دولت سے سرفراز فرمایا،اپنی ذات کورفعت ناموسِ رسالت اور اسلام کی سربلندی کے لئے قربان کرکے دین وسنیت کی خدمات انجام دیں، آپ کے ان کارہائے نمایاں پر ایشیا و یورپ اورعرب و افریقہ کے ارباب علم ودانش نے داد تحسین پیش کی اور عالم اسلام میں اعلیحضرت، مجدد اعظم اور محدث بریلوی سے مشہورومعروف ہوئے۔

## خاندانی حالات:

آپ کے آباء و اجدادملک افغانستان کے علاقہ قندھار سے ہندوستان تشریف لائے، لاہور کا شیش محل جاگیر میں ملا، آپ کے خاندان میں آپ کے دادامحترم امام الاولیاء حضرت علامہ شاہ مفتی رضاعلی خاں بریلوی بن حضرت حافظ کاظم علی خاں بریلوی بڑے جلیل القدر عالم اور فقیہ اہلسنت تھے، آپ کی ولادت مبارکہ ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں روہیل کھنڈ میں ہوئی، ۲۳/سال کی عمر میں علوم مروجہ سے فارغ ہوئے، عابدو زاہد ،صاحب کرامت و صاحب خلق وکرم تھے۔آپ نے ہندوستان کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا، ۱۰/سال تک روہیل کھنڈ کے جیل میں محبوس رہے، ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں بریلی شریف میں انتقال ہوا، سٹی قبرستان میں آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے امام الھند ،سند الفقہا حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ اور عظیم محدث تھے، آپ کی ولادت باسعات ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء بریلی شریف میں ہوئی،حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ سے اکتساب علوم اسلامیہ کیا، اللہ تعالیٰ نے جو وسعت نظر اور وحدت فکر آپ کو عطا فرمائی تھی معاصرین میں نظیر نہیں ملتی، سند المحدثین حضرت علامہ سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ

(م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے، مکہ مکرمہ میں امام المحدثین حضرت علامہ سید احمد دحلان مکی علیہ الرحمہ (م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) سے سند حدیث حاصل کی، ۳۰/ ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء بعمر ۵۱/ سال وصال ہوا۔

## ولادت باسعادت:

فقیہ اسلام مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی ولادت مبارکہ ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء بریلی شریف میں ہوئی، ،والد گرامی امام العلما علامہ نقی علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے محمد نام رکھا اور جد امجد نے احمد رضا تجویز کیا، اور اسی نام سے مشہور ہوئے، تاریخی نام ''المختار'' (۱۲۷۲ھ) تخریج فرمایا۔

## تعلیم وتربیت:

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے علم وفن کے جن تاجداروں سے علوم اسلامیہ حاصل کیا، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆ امام المحدثین علامہ سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء)

☆ سید الواصلین علامہ سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی (م ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء)

☆ سند المحققین علامہ سید احمد دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء)

☆ امام الہند علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی (م ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء)

☆ شیخ معقولات علامہ عبد العلی رامپوری (م ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء)

☆ محب رضا مرزا غلام عبد القادر بیگ بریلوی (م ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء)

ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ جیسا کہ عوام میں یہ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ امام احمد رضا نے دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے ہم سبق تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب مولانا تھانوی دیوبند میں زیر تعلیم تھے اس وقت حضرت امام احمد رضا کا علم کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بج رہا تھا۔

نوٹ: تفصیلی جانکاری کے لئے حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب قبلہ کی تحقیقی تصنیف ''کہی ان کہی'' کا مطالعہ کریں۔

## تعلیمی لیاقت:

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے جن علوم وفنون کی تحصیل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے کی، حضرت پروفیسر مسعود صاحب کی تحقیق انیق کے مطابق اس کی تعداد ۷۵؍تک پہنچتی ہے، حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''۲۱؍علوم میں نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی، ۱۰؍علوم میں نے اپنے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا بلکہ نقاد علما سے مجھے اس کی اجازت ہے اور بقیہ علوم ایسے ہیں جن کی تعلیم صرف آسمانی فیض سے مجھے حاصل ہوئی''

امام موصوف نے ۷۵؍علوم وفنون پر بکثرت کتابیں امت مسلمہ کو عطا فرمائی ہیں، اور یہ اہل علم سے مخفی نہیں، بالخصوص تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، سائنس، توقیت، فلکیات، ریاضی وغیرہ پہ بکثرت کتابیں ہیں، ان کے مطالعہ سے حضرت محدث بریلوی کی علمی لیاقت کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

## تصانیف:

حضرت محدث بریلوی کا شبانہ روز تصنیف وتالیف میں گزرتا تھا، آپ کے مطالعہ کتب کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مہینے تک، تسلسل سے دن و رات مطالعہ میں صرف فرمادیتے تھے، یہاں تک کہ آنکھوں کی بینائی متاثر ہوگئی، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ٹھیک ہوگئی، حضرت محدث بریلوی کی نگارشات کے تعلق سے حضرت ملک العلما بہاری علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۲ھ) نے ایک فہرست بنام ''المجمل المعد دلتالیفات المجدد'' تیار کی، اس میں ۵۰؍علوم وفنون کی تفصیلات ہیں، یہ تحقیق ۱۳۲۷ھ کی ہے، حضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضاخاں بریلوی (م ۱۳۶۲ھ) نے فرمایا ۱۳۴۰ھ تک تصانیف کی تعداد ۴۰۰؍تک لگ بھگ ہو جاتی ہے، پروفیسر مختار الدین آرزو مرحوم (سابق پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی) حیات اعلیٰ

حضرت جلد دوم میں تصانیف کی تعدا ۶۰۰ ر تک درج کی ہے، جب کہ مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی، پاکستان (م ۱۴۰۲ھ) کی تحقیق کے مطابق تصانیف کی تعداد ہزار سے بھی زائد ہیں، ان میں مشہور و معروف تصنیف لطیف فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا "فتاویٰ رضویہ" بارہ ضخیم جلدوں اور مترجم ۳۰ ر جلدوں میں اور تخریج شدہ ۲۵ ر جلدوں میں ہیں۔

## خدمت خلق:

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی خدمت دین متین اور خدمت خلق کے لئے وقف کردی تھی، ہر لمحہ امت مصطفویہ کے لئے فکرمند رہا کرتے تھے، کوئی بھی شخص کسی ضرورت کے لئے آتا، خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، ایک ضرورت مند کو آپ نے اللہ و رسول کے نام پر ہزاروں روپئے دے دیئے یہ کہتے ہوئے کہ اس کا اظہار کسی سے نہ کرنا اور اہل وعیال کی پرورش میرے رسول کریم ﷺ کے قانون کے مطابق کرنا، آپ نے مرکز علم وعقیدت بریلی شریف میں مدرسہ منظر اسلام کی بنیاد رکھی، ہمیشہ کھڑے ہو کر درس حدیث دیا، مدرسہ کے طلبا کا خاص خیال رکھتے تھے، جو طالب علم جس ملک کا رہتا، اسی اعتبار سے اس کے لئے کھانا تیار کرواتے، تاکہ طلبا طعام کے معاملے میں بے فکر ہوکر پورے انہماک کے ساتھ طلب علم دین میں لگے رہے، اس مدرسہ کے پہلے طالب علم حضرت ملک العلما علامہ مفتی ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ "چین، روس، بخارا، ترکی، بغداد، حجاز مقدس تک کہ طلبا دار العلوم منظر اسلام میں تعلیم حاصل کرتے تھے"

آپ کے زمانے میں بہت سی تنظیموں نے سر ابھارا، اور اپنے فاسد عقائد ونظریات کے ذریعہ امت مسلمہ کے درمیان انتشار پیدا کرنے کی ناکام کوششیں کیں، آپ نے ہر باطل تحریک کا دندان شکن جواب دیا، تحریک جماعت رضائے مصطفیٰ اور تحریک انصار الاسلام کی بنیاد رکھی، ان تحریکوں کے ذریعہ ترکی حکومت اور بلقان کے مظلوم مسلمانوں کی آپ نے اور آپ کے خلفاء نے بہت حد تک مدد کی، اور ہندوستانی مسلمانوں کی توجہ اس طرف کرائی۔

## عشق رسول:

حضرت محدث بریلوی امام الانبیاء ﷺ سے بے حد محبت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ”اگر میرا سینہ چاک کیا جائے تو ایک طرف لا الہ الا اللّٰہ اور دوسری طرف محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا پائیں گے، علماء بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محدث بریلوی کا ایک ایک لمحہ سنت مصطفویہ کے عین مطابق گزرتا تھا، یہاں تک کہ جب آپ آرام فرماتے تھے تو جسم اقدس بشکل اسم محمد نظر آتا“ پوری زندگی آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف پیر نہیں پھیلایا اور ہمیشہ سونے کے وقت سر پر ٹوپی رہا کرتی تھی کہ کب قسمت کا ستارا جگمگائے اور پیارے آقا ﷺ کا جلوہ جمال جہاں آراء نظر آجائے، مدینہ طیبہ میں ہمیشہ ننگے پیر چلا کرتے تھے، آپ کی زبان مبارک ہمیشہ درود وسلام سے سرشار رہا کرتی تھی، فرمان نبوی ﷺ پر اس قدر ایقان تھا کہ ایک مرتبہ بریلی شریف کی سرزمین پر طاعون کی بیماری پھیلی، اسی موقع پر آپ کے حلق میں سخت تکلیف ہونے لگی اور قوت گویائی بہت زیادہ متاثر ہوگئی، ڈاکٹر نے کہا حضور آپ کو وہی بیماری ہے، چونکہ بولنا دشوار تھا اس لئے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: مجھے یہ بیماری نہیں ہوئی ہے۔ پھر رات میں خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں مولانا! مسواک اور کالی سفوف لیجئے، بعد الفجر آپ نے ایسا ہی کیا، خون نکلا اور تمام تکلیفیں کافور ہوگئیں، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ آپ کو طاعون کی بیماری نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ فرمان رسالت مآب ﷺ کے مطابق میں نے طاعون زدہ مریض کو دیکھ کر دعاء پڑھ لیتھی، تو اب یہ بیماری مجھے کیسے ہوسکتی ہے، یہ تھا فرمان رسالت ﷺ پر ایمان ویقین۔

## رد بدعات ومنکرات:

مخالفین اسلام کا کہنا ہے کہ چودہویں صدی میں مولانا احمد رضا نے بدعات ومنکرات کو فروغ دیا اور بدعات کو مستحکم کرنے کے لئے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں، ، جب ایک منصف مزاج قاری حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرتا ہے تو آئینہ کی

طرح ذہن صاف وشفاف ہوجاتا ہے کہ آپ نے بدعات کوفروغ نہیں دیا بلکہ بدعات کا قلع قمع کیا اور امت مسلمہ کو اس دلدل سے بچانے کے لئے قرآن و احادیث کی روشنی میں سینکڑوں کتابیں لکھیں اور فتاویٰ جاری کئے ،تفصیلات کے لئے فتاویٰ رضویہ اور آپ کی دوسری تصانیف دیکھی جاسکتی ہیں۔آپ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ،ڈھول باجا، مزارات پر عورتوں کا جانا، شیعوں کے ماتمی جلوس میں شرکت، محرم کے مہینے میں امام کے نام پر بھیک منگوانا، غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی، فرضی مزارات پر حاضری، غیر شرعی قوالی کا اہتمام، وغیرہ کا ردبلیغ فرمایا۔

## سیاست:

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کواللہ تعالی نے علم وحکمت اور فکر و تدبر کی بادشاہت عطا فرمائی تھی، آپ ملکی حالات پر گہری نگاہ رکھتے تھے،آپ کا سیاسی مسلک بہت ہی صاف و شفاف تھا ،روز اول ہی سے دوقومی نظریہ کے علمبردار تھے، آپ کے زمانے میں گاؤکشی کا معاملہ بہت شباب پر تھا، آپ نے جس حکمت وتدبر سے اس لاینحل مسئلہ کی گتھی سلجھائی ہے ،رہتی دنیا تک ہندوستانی مسلمان کبھی بھلانہیں پائیں گے،اسی دوران پورے ہندوستان میں ہندوستان کے دارالحرب یا دار الاسلام ہونے کا مسئلہ چھڑ گیا، حضرت محدث بریلوی نے اس مسئلہ میں کسی کی پرواہ کئے بغیر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا، اور فرمایا'' جب معاشی مصالح کی بناپر سود لینے کو جی چاہا تو ہندوستان کو دارالحرب بنادیا، اور جب سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کوترک وطن کے لئے مجبور کرنا چاہا تو پھر دارالحرب بنادیا''

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت چلی، اس تحریک میں عملاً شامل نہیں تھے، اس لئے کہ یہ تحریک سلطنت ترکیہ کو فائدہ پہنچانے کے لئے وجود میں نہیں آئی تھی ، بلکہ خلافتی علمانے اپنے سیاسی پلیٹ فارم کو چمکانے کے لئے اس کی بنیاد رکھی تھی، اور ۱۹۲۰ء میں یہ راز قوم کے سامنے فاش ہوگیا کہ اور تمام خلافتی علما منہ چھپاتے ہوئے نظر آنے لگے، ۔۱۹۲۰ء میں جب تحریک ترک موالات شروع ہوئی اور اس کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد شباب پر پہنچا ،تو بقائے

وحدت ملت اسلامیہ اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف حضرت محدث بریلوی نے سخت جدوجہد کی،اس موضوع پر آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا عنوان ''المحجنة المؤمنة فی آیتہ الممتحنة(۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء)''تھا ،یہ رسالہ شدید علالت کے زمانے میں لکھا گیا،اسکے مطالعہ سے حضرت محدث بریلوی کے اخلاص ومحبت اور دل سوزی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسی طرح ۱۹۱۲ء میں مسلمانان عالم بالعموم اور مسلمانان ہند بالخصوص معاشی حالات سے دوچار تھے،آپ نے معاشی استحکام کے لئے ایک رسالہ مرتب فرمایا جس کا عنوان تھا'' تدبیر و فلاح ونجات'' اس میں بہت سی مفید تدابیر ہیں،جس پر عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی حالات مستحکم ہوتے ہوئے نظر آتے۔

## بیعت وخلافت:

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ اپنے والد بزرگوار امام الھند علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی، اپنے ابتدائی درجہ کے استاذ مکرم مولانا مرزا غلام عبد القادر بیگ بریلوی اور صدیق محترم تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں سلطنت روحانیت کے تاجدار عارف باللہ محدث جلیل حضرت علامہ سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ کے دربار عالی میں حاضر ہوکر داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ہوکر نسبت غوثیت مآب سے بہرہ مند ہوئے اور مرشد برحق نے اپنے بزرگوں کے عطا کردہ تمام سلاسل اور اوراد و وظائف کی اجازت سے سرفراز فرما کر روحانیت کی منزل طے کرائی۔

## حج وزیارت:

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ پوری زندگی میں صرف دومرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۃ النبی ﷺ سے مشرف ہوئے۔آپ نے پہلا حج ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۸ء میں اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں کیا، ان دونوں تقدس مآب سفر میں علماء حرمین نے عزت وتوقیر بجالائی،مسائل شرعیہ بالخصوص نوٹ کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی اور آپ ہی کے دلائل و براہین پر علما وفقہا نے نوٹ کو مال قرار دیا۔آپ سے علماء حرمین،شام، ترکی،عراق،

فلسطین، مصر، مراکش، ممالک افریقہ نے اسناد حدیث وفقہ حاصل کی۔

## اولادوامجاد:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو نرینہ اولاد کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا یہ دونوں شہزادے علم وعرفان اورفکر وفن کے تاجور بن کے افق عالم پر چھا گئے،جنہیں دنیا حجۃ الاسلام علامہ حامد رضاخاں محدث بریلوی( ولادت: ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء ۔۔۔وصال:۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مفتی اعظم ہندعلامہ مصطفی رضا خاں بریلوی (ولادت: ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء ۔۔۔وصال: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)نام سے جانتی پہچانتی ہے۔جن کی علمی، فقہی،تصنیفی، ملی، قومی، مسلکی ، تحریکی،روحانی اور تعلیمی خدمات سے عالم اسلام اچھی طرح واقف ہے۔

نوٹ:تفصیلی جانکاری کے لئے ’’تجلیات حجۃ الاسلام‘‘مرتب :ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اور’’جہان مفتی اعظم ہند‘‘ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ کامطالعہ کریں۔

## وصال مبارک:

دنیائے عشق ومحبت کا یہ چمکتا دمکتاہوا نیر تاباں جس نے فریضہ تجدید احیاء دین و ملت کی تکمیل کے بعد ۲۵/صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۰/اکتوبر۱۹۲۱ء یوم الجمعۃ المبارکہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔آپ کی نماز جنازہ شہزادہ اکبرحضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی شاہ حامد رضاخاں قادری برکاتی رضوی بریلوی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔

## اظہارخیال:

☆مولانا اشرف علی تھانوی: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کےبھی برا کہنے والے کے جواب میں دیر تک حمایت فرمایا کرتے تھے اور شد و مد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ان کی مخالفت کا سبب واقعی حب رسول ہی ہوا۔( اشرف السوانح : ج:اول،ص؛۱۲۹)

☆ مولانا الیاس کاندھلوی: بانی تبلیغ جماعت مولانا الیاس کاندھلوی صاحب اکثر اپنی محفلوں میں مولانا احمد رضا صاحب کا تذکرہ کیا کرتے تھے’’ اگرکسی کو عشق رسول سیکھنا ہوتومولانا احمد رضا سے سیکھے‘‘(المیزان ممبئ ۱۹۷۲ء)

☆ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: مولانا مودودی کہا کرتے تھے کہ ”مولانا احمد رضا خاں کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے، ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے تھے“(اختلافی مسائل میں مولانا مودودی کا موقف، ص:۶۲)

☆ مولانا ابوالحسن ندوی: فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی ،علوم ریاضی ،نجوم، ہیئت، توقیت، رمل، جفر، میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، وہ اکثر علوم کے ماہر تھے۔ (نزہۃ الخواطر ،ج:۸ ص:۴۱، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء)

☆ علامہ اقبال: وہ( مولانا احمد رضا) بے حد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ہندوستان کے اس دور متاثرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا (مقالات رضا ،ج:۱۰)

☆ مولانا محمد علی جوہر: اقبال کا کمال یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے ذہن وفکر کو قرآن کی طرف موڑ دیا اور مولانا احمد رضا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے قلوب کو صاحب قرآن کی طرف موڑ دیا (مسلم ٹائمز ممبئی، ص:۵، ۱۰/اگست ۱۹۹۴ء)

☆ مولانا ابوالکلام :مولانا احمد رضا ایک سچے عاشق رسول گزرے ہیں، میں یہ سوچ نہیں سکتا ان سے توہین نبوت ہوسکتی ہے۔(تحقیقات،ص:۱۳۴،)

☆☆☆

# مرتب ماضی اور حال کے آئینے میں

اسم گرامی: محمد شاہد حسین بن محمد عابد حسین بن مرحوم محمد عباس علی بن مرحوم قربان علی بلیاوی

قلمی نام: محمد شاہد القادری

تعلیم وتربیت: ساتویں درجے تک۔ بنگالی بازار ہائی اسکول مٹیابرج (کلکتہ)

عالمیت: دار العلوم ندوۃ العلما (لکھنؤ) بی،اے۔ایم،اے: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدرآباد)

اساتذہ کرام: خلیفہ تاج الشریعہ حضرت علامہ الحاج فاروق احمد قادری رضوی مدظلہ العالی (سیتامڑھی) و دیگر حضرات

شرف بیعت: حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں قادری رضوی ازہری مدظلہ العالی (قاضی القضاۃ فی الھند، بریلی شریف) ۲۹ر صفر المظفر ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۴ء بمقام مسجد رحمانیہ بنگلہ بستی، مٹیابرج، کلکتہ۔

طالب بیعت: حضور احسن العلما علامہ مفتی سید شاہ مصطفی حیدر حسن قادری برکاتی علیہ الرحمہ (مارہرہ شریف) ۱۴ر جمادی الاول ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء۔ بمقام مارہرہ شریف۔

سند حدیث: حضور محدث کبیر علامہ مفتی الشاہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی (نائب قاضی القضاۃ فی الھند، گھوسی) ۸ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء۔ بمقام قادری منزل، گھوسی۔

اجازت دلائل الخیرات شریف: خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت صوفی الشاہ لعل محمد قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ (صفدر گنج، بارہ بنکی) ۱۸ ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء۔ بمقام صفدر گنج (بارہ بنکی، یوپی)۔

اجازت حزب البحر شریف: خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد ایوب رضوی نعیمی مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ، مرادآباد) ۱۸ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء۔ بمقام بنگلہ بستی، مٹیابرج کلکتہ۔

## خلافت واجازت:

☆حضور تاج الشریعہ علامہ الشاہ مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری مدظلہ العالی ۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ/ ۱۵؍مئی ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ بوقت ۱۱؍بجے دن، مقام کاشانۂ اقدس بریلی شریف، بموجودگی شہزادۂ تاج الشریعہ مخدوم گرامی حضرت علامہ الشاہ عسجد رضا خاں قادری رضوی مدظلہ العالی۔

☆حضور گلزار ملت حضرت علامہ سید الشاہ گلزار اسماعیل واسطی قادری مدظلہ العالی (مسولی شریف )۸؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ ۹؍نومبر ۲۰۱۶ء بموقع عرس اسماعیلی قادری مسولی شریف، بارہ بنکی (یو، پی)

☆نواسۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا جمال رضا خاں قادری رضوی نوری مدظلہ العالی ( بریلی شریف ) ۱۴؍جمادی لآخر ۱۴۳۶ھ/ ۴؍اپریل ۲۰۱۵ء۔ بموقع آل بنگال حنفی سمّیلن، آمتہ ضلع ۲۴؍ پرگنہ (مغربی بنگال)

☆خلیفہ نواسہ اعلیٰحضرت علامہ تقدس علی خاں بریلوی حضرت سید شاہ وجاہت رسول قادری رضوی علیہ الرحمہ ( کراچی )۲؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ۔ ۳؍نومبر ۲۰۱۶ء بموقع ترتیب ''تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت''

☆ داماد تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا قادری رضوی نعیمی علیہ الرحمہ (بریلی شریف ) ۲۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء۔ بموقع جلسہ دستار بندی مدرسہ حسینیہ غوثیہ، دھان کھیتی، مٹیا برج، کلکتہ۔

☆ نبیرۂ حضور صدر الافاضل حضرت مولانا سید عظیم الدین نعیمی مرادآبادی مدظلہ العالی (بیر بھوم بنگال ) بموقع عرس فدائے ملت،

☆ نبیرۂ استاذ زمن، شہزادۂ امین شریعت حضرت مفتی محمد سلمان رضا خاں قادری رضوی مدظلہ العالی (بریلی شریف )۲۵؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۸۱ء بموقع صد سالہ عرس رضوی۔

☆تلمیذ وخلیفہ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد حسن علی رضوی میلسی مدظلہ العالی ( پاکستان )۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۰ء

## تصانیف وتالیفات:

مطبوعات:۔☆تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت ،صفحات :۶۷۲☆تجلیات تاج الشریعہ،صفحات:۲۰۷ ☆مفتی اعظم مغربی بنگال علامہ ثناء المصطفیٰ امجدی۔۔۔۔۔۔حیات وخدمات،صفحات:۳۱۲ ☆افکارمجاہدملت،صفحات:۸۴ ☆سوانح مجاہد ملت،صفحات:۹۶ ☆ امام احمد رضا اور اردو ادب،صفحات:۵۳ ☆ تذکرہ تاجدار دیویٰ،صفحات: ۸۶ ☆ تذکرہ علامہ فضل حق خیر آبادی،صفحات: ۴۸ ☆ علامہ خیر الدین کلکتوی۔۔۔۔۔شخصیت و کارنامے،صفحات:۳۲۔☆علامہ محمد قاسم علوی کلکتوی ۔۔۔۔شخص وعکس،صفحات:۱۷۶

غیر مطبوعات:☆تلامذۂ صدر الشریعہ☆تلامذہ محدث سورتی☆تذکرہ علامہ محمد لعل خاں مدراسی کلکتوی☆تاج الشریعہ کی نعتیہ شاعری☆ محدث بریلوی کے تابندہ نقوش☆دبستان اولیاء☆نگارشات رضا☆امام احمد رضا کے ممتاز معاصرین۔

زیر ترتیب کتابیں: ☆فتاویٰ بنگالہ من فتاویٰ رضویہ☆ مغربی بنگال میں اسلام کی آمد ایک تاریخی جائزہ ☆سوانح مبلغ اول بنگال شاہ جلال الدین تبریزی ☆غیر مقلدین کی حقیقت☆امام احمد رضا اور شہر کلکتہ☆ تذکرہ مخدوم بنگال شاہ علاء الحق پنڈوی☆صوفیاء بنگالہ،خاندان رضا،اماماحمد رضا کے ممتاز مریدین،

حج وزیارت:۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء ۔۔۔۔

عمرہ وزیارت:(۱)۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء (۲)۱۴۴۱ھ/۲۰۹۱ء

غیر ملکی اسفار: مکہ شریف، مدینہ شریف،اردن، نیپال،بنگلہ دیش۔بغداد شریف،نجف اشرف،کربلامعلیٰ۔کوفہ،سامرہ،طائف۔

قائم کردہ ادارے:مدرسہ حسینیہ غوثیہ(کلکتہ)امام احمد رضا سوسائٹی(کلکتہ)امام احمد رضا بیت المال(کلکتہ)ماہنامہ گلستان رضا (کلکتہ )تاج الشریعہ یجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ(کلکتہ)کلیۃ السیدۃ آمنۃ للبنات (کلکتہ) تاج الشریعہ ایجوکیشنل اکیڈمی (کلکتہ)

مناصب جلیلہ:☆بانی وناظم اعلیٰ مدرسہ حسینیہ غوثیہ کلکتہ☆جنرل سکریٹری مجلس علما اسلام مغربی بنگال ☆ممبر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی ناخدا مسجد کلکتہ☆چیئرمین امام احمد رضا سوسائٹی کلکتہ☆خطیب وامام دھان کھیتی مسجد کلکتہ☆ایڈیٹر ماہنامہ گلستان رضا کلکتہ۔سربراہ اعلیٰ وشیخ

الحدیث کلیۃ السیدۃ آمنۃ للبنات ( کلکتہ ) چیئرمین تاج الشریعہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ ( کلکتہ ) بانی تاج الشریعہ ایجوکیشنل اکیڈمی ( کلکتہ )

اعزازات: ☆غوث الاعظم ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۰۹ء) تجلیات تاج الشریعہ کی حسن ترتیب پر، بدست حضرت علامہ سید غیاث الدین قادری مدظلہ العالی، کالپی شریف۔ ☆تجلیات رضا ایوارڈ ''مسولی شریف'' (۲۰۱۶ء) تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت کی حسن ترتیب پر، بدست حضرت علامہ سید گزار میاں اسماعیلی مدظلہ العالی، مسولی شریف ☆ سلطان الہند ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۱۱ء) ☆ نازش مٹیابرج ایوارڈ '' کلکتہ'' (۲۰۱۴ء) ☆ برکات مصطفی ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۱۶ء ) بموقع شب نور عید میلاد النبی ﷺ ☆ کلک رضا ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۱۶ء) بموقع شب نور عید میلاد النبی ﷺ بدست سید السادات حضرت علامہ سید محمد حسینی اشرفی مدظلہ العالی (ناگپور) ☆صد سالہ عرس رضا ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۱۸ء) بدست نواسئہ حضور مجاہد ملت محدث اڑیسہ ☆ تاج الشریعہ ایوارڈ ''کلکتہ'' (۲۰۱۸ء) بدست حضور گلزار ملت مدظلہ العالی، مسولی شریف بموقع عرس صد سالہ اعلیٰ حضرت۔ ☆ ۲۵/سالہ جشن امامت ایوارڈ ''کلکتہ'' بدست حضور غیاث ملت مدظلہ العالی ''سجادہ نشیں کالپی شریف''۔

{مرتب: حافظ غضنفر محمود رضوی۔۔۔۔۔۔مدرس کلیۃ السیدۃ آمنۃ للبنات، کلکتہ}

☆☆☆

# گفتنی

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین،والعاقبۃ للمتقین،والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم،وعلیٰ آلہ و اصحابہ و الامام الاعظم ابی حنیفۃ محبہ والمحدث الامام احمد رضا عبدہ وبارك وسلم۔

## اسلامی اکنامکس کا ایکسپرٹ

مولانا محمد شاہد القادری ( کلکتہ )

مذہب اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے،اسلام نے اپنے ماننے والے کو تمام شعبہ جات میں ایک ضابطۂ حیات اور قانون زندگی دیا ہے تاکہ متبعین اسلام انہیں خطوط پر چل کر بارگاہ الٰہی سے مژدہ فیض پائے اور دینی و دنیوی زندگی پاکباز اور بامراد رہے۔اسلامی قوانین کا دائرہ قرآن حکیم اور فرامین مصطفی جان رحمت ﷺ پر محیط ہے۔انہی نصوص کو اعتقادات،عبادات اور معاملات کے ابواب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔اورتینوں ابواب پر قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے اعتقادی، عبودی، معاشرتی، تعلیمی، عائلی،اقتصادی، فقہی،سماجی، سائنسی،ریاضی، صنعتی، زراعتی، وراثتی، اراضی، ملی، تمدنی،سیاسی،فوج داری، حکومتی،اخلاقی مسائل پر مشتمل ہیں۔ان میں اقتصادی و معاشی مسائل زیر بحث ہے۔اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بدحالی، تنگدستی، مفلسی، قلاشی ،فقر و فاقہ اور گداگری جیسے نامساعد حالات سے محفوظ رکھنے کے لئے رہنما اصول دیا ہے تاکہ بندگان خدا، دردر کاسۂ گدائی لے کر چکر نہ کاٹے بلکہ مختصر ہی سہی، پر قناعت کرکے شکر گزار بندہ بنے۔

نظام معیشت کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے ، ہر دور میں فقہائے اسلام نے اس باب پر گہری نظر رکھی ہے اور باب معیشت میں مرور زمانہ کے اعتبار سے نت نئے مسائل کا حل پیش کرکے امت مسلمہ کو آزمائشوں سے محفوظ رکھا ہے۔ان فقہائے مدبرین میں ایک نمایاں اسم گرامی چودہویں صدی کے مجدد برحق فقیہ اسلام سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کا ہے،جنہیں اپنے معاصرین میں تفقہ فی الدین میں یدطولیٰ حاصل

تھا، آپ نے فقاہت کے کٹھن سے کٹھن لا ینحل مسائل کی عقدہ کشائی فرما کر علمائے ذیشان اور فقہائے نیک نام کے بوجھل کندھوں کو راحت بخشی ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیلیں فتاویٰ رضویہ قدیم ۱۲ ر مجلدات شاہد ہیں، ان دقیق مسائل میں سے مکہ مکرمہ میں علمائے دین کے درمیان درپیش مسائل زیر بحث ''کرنسی نوٹ کے مسائل'' ہیں، آپ نے اس نازک مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرما کر عالم اسلام کے جید علمائے ربانین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور ایک مستقل رسالہ ''الکفل الفقیہ الفاھیم فی قرطاس علی الدراھم'' عربی زبان میں تحریر فرما کر علمائے کرام کی جھکی ہوئی گردن کو ارفع و اعلیٰ کر دیا اور امام حرم نے فرمایا: مولانا احمد رضا نے علماء کے کندھوں سے ایک بوجھ ہلکا کر دیا۔

حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے جہاں اور موضوعات پر قلم سیال کو اٹھایا ہے اور ان موضوعات کا ساتھ علمی انصاف کیا ہے ٹھیک اسی طرح باب معیشت میں داخل بیع و شراء کے جتنے بھی ضمنی عنوانات آسکتے ہیں سب پر سیر حاصل گفتگو کر کے تشنگی کو دور فرمایا ہے، زیر نظر مقالات میں بآسانی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، نیز یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ فتاویٰ رضویہ کا جب گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ایک محقق یہ نتیجہ ضرور اخذ کرتا ہوا نظر آئے گا کہ باب معیشت میں جزئیات کا عظیم خزانہ ہے، حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو اس دنیا سے خیر باد کئے ہوئے ہجری اور عیسوی اعتبار سے مکمل ایک صدی بت چکی ہے، پر ان جزئیات سے آج بھی جدید فقہی مسائل کا حل فقہائے اسلام پیش کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

## معشیت کا لغوی معنیٰ:

معاش، معیشت کے الفاظ عاش یعیش سے مشتق ہے جس کا معنیٰ زندگی گزارنا ہے، ابن منظور افریقی ''العیش'' کا معنیٰ یوں بیان کرتے ہیں:

العیش کا معنی ہے زندگی، یہ عاش یعیش عیشاً عیشۃً سے بنا ہے، اور معیشت سے مراد زندگی بسر کرنے کے ذرائع ہیں۔

اقتصادیات اردو میں اور اکنامکس (Economics) انگریزی میں معاشیات کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اقتصاد کا لفظ عربی میں میانہ روی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام، ص:٦)

## اصطلاحی معنی:

معیشت کا تعلق انسانی بود و باش کے لئے درکار وسائل کی فراہمی سے ہے۔ اس طرح اقتصاد کا لفظ اصطلاحی طور پر روزی کمانے اور مالی امور کے لئے استعمال ہوتا ہے(ایضاً،ص:٦)

## معاشیات کی تعریف:

علامہ عبدالرحمان بن خلدون معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''معاش رزق کو ڈھونڈنے اور اسے تلاش کرنے کی جد جہد کا نام ہے''

اسلامی مفکر ابوالحسن ماوردی مال کو اقتصادیات کی بنیاد قرار دیتے ہوئے، یوں رقم طراز ہیں:

''مال کی دو قسم ہیں ،ظاہری اور خفیہ،ظاہری اموال وہ ہیں جن کو چھپانا ممکن نہ ہو مثلاً کھیت کھلیان، پھل، مویشی، وغیرہ،دوسری طرف خفیہ مال وہ ہے جس کو چھپانا ممکن ہو، اس میں سونا چاندی اور سامان تجارت بھی آجاتے ہیں۔''

اموال سے بحث کرنا کیوں ضروری ہے ،اس کے بارے میں جامع الفاظ میں لکھتے ہیں:

''مال کی بحث اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال کو بدن کو قائم رکھنے والا بنایا ہے، انہیں کے ذریعہ جسم و جان کی بقا ممکن ہو پاتی ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی کے اصول کا ذریعہ، جائز خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ، دنیا کی زندگی کی زینت اور آخرت میں نجات کا راستہ انہیں اموال کو بنایا ہے''(ایضاً،ص:٧)

## علم معاشیات کے اقسام:

بنیادی طور پر معاشیات کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے(١) نظریاتی معاشیات (٢) اطلاقی معاشیات

(١) نظریاتی معاشیات[Theoretical Economics]مال و دولت کے

حصول کے لئے محنت و کوشش کے طریقہ کار اور طرز عمل کا مشاہدہ کر کے جو اصول اخذ کئے جاتے ہیں، ان کو نظریاتی معاشیات کا نام دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر طلب و رسد کے قوانین اور نظریہ، تقابلی مطالعہ مصارف وغیرہ۔

(۲) اطلاقی معاشیات [Applied Economics] نظریاتی معاشیات کے اصولوں کو جب عملی شکل میں لایا جاتا ہے اور ان کی مختلف جہات کو واضح کیا جاتا ہے تو یہ اطلاقی معاشیات کہلاتے ہیں، مثلاً اگر کسی ملک میں افراط زر بڑھ رہا ہے تو نظریاتی معاشیات کی رو سے اس کے اسباب معلوم کرنا اور اس کی روک تھام کے لئے قوانین وضع کرنا اطلاقی معاشیات کہلائے گا۔ (ایضاً، ص: ۱۶)

## اسلامی معاشیات:

اسلام ایک دین ہے، اور کوئی بھی دین زندگی کے تمام شعبوں کے محیط ہوا کرتا ہے، اسلام کے تصور جہاں میں دنیا سے گریز اور دنیا کی پرستش دونوں سے انکار شامل ہیں، اسلام نے زندگی کو مکمل طور پر برتنے کا سلیقہ سکھایا، لیکن اس سلیقے کو دین کے تابع رکھنا اور اس کو آخرت کے لئے سیڑھی بنانے کا تصور دیا (ایضاً، ص: ۱۶)

اسلام میں معیشت کی اہمیت، ضرورت، افادیت کیا ہے، قرآن مقدس اور احادیث طیبہ میں مختلف مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے، چند آیات و احادیث طیبہ اور حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی اس باب میں چند تحقیق انیق کو بھی ملاحظہ کیا جائے۔

## قرآنی آیات:

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اگر اپنے بندوں کے لئے رزق فراخ دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے، لیکن وہ جتنا چاہتا ہے مناسب اندازہ سے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں سے باخبر اور انہیں دیکھتا ہے" (شوریٰ)

☆ اور تمہارے لئے اور ان کے لئے جنہیں تم روزی نہیں دیتے، ہم نے زمین میں معیشت کے سامان بنا رکھے ہیں (حجر)

☆ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کی روزیاں چاردن کے اندر مقرر فرمائی، سب حاجت مندوں کے لئے برابر ہے (حٰم سجدہ)

☆اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے پر درجوں بلند کیا تا کہ جو کچھ اس نے دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے (انعام)

اس آیت کریمہ کے تحت خلیفہ سیدی اعلیٰ حضرت ،حضور صدر الافاضل مفسر قرآن علامہ سید نعیم الدین رضوی مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ نے رزق میں مختلف درجے اس لئے رکھے کہ تمہیں آزمائش میں ڈالے کہ تم نعمت و جاہ وجلال پا کر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو (خزائن العرفان)

☆اور ہم نے لوگوں کے درمیان دنیا کی زندگی میں ان کو معاش بانٹا اور ہم نے انہیں درجات رزق میں ایک دوسرے پر اونچا کیا تا کہ وہ ایک دوسرے سے خدمات لے سکیں (زخرف)

☆افلاس اور تنگی کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو، ہم تمہیں اور انہیں روزی دیتے ہیں (انعام)

## احادیث مبارکہ:

☆تم اس کی طرف دیکھو جو معاشی حالت میں تم سے کمتر ہو، اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہو (مسلم شریف)

☆جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز کو مزید مہنگائی اور کمیابی کی نیت سے چالیس رات روکھا، وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے (جوھرہ شریف)

☆رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے فریضہ ہے (طبرانی شریف)

☆ہر مسلمان پر طلب رزق حلال واجب ہے (دیلمی شریف)

☆ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش میں جد جہد اور فکر کرنا ہی ہے (احیاء العلوم، ج: ۲)

☆اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں (کھیتی باڑی) میں تلاش کرو۔

(بیہقی شریف)

## تعلیمات فقہائے کرام:

☆اپنے اور اپنے کنبہ کے لئے حلال کمائی کی تلاش کرنا، ایمان اور نماز یا جمیع فرائض

الٰہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے، لہذا! اپنے اور کنبے کی ضرورت کی حد تک تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد فرض کفایہ اور اس کا ثواب جہاد کے برابر ہے(اورد الثلاثہ فی الجامع الصغیر، ج:ص: ۵۳)

☆اور جس کے پاس ایک دن کا خرچ ہو، اسے بھیک مانگنا حرام ہے اور اس کے باوجود مانگ کر جمع کرتے ہیں تو وہ حرام ہے(فتاویٰ عالمگیری، ج: ۵،ص: ۵۴۹)

☆اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں (کھیتی باڑی) میں تلاش کرو(بیہقی شریف)

☆تم رزق بونے میں تلاش کرو، کھیتی کر کے اور درخت لگا کر کہ زمین اپنے اندر کی چیزیں باہر نکالتی ہے یعنی نبات کہ جس سے جانوروں کی خوراک ہے، حدیث شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رزق حلال کی تلاش جائز ہے، بلکہ بسا اوقات رزق حلال تلاش کرنا فرض میں داخل ہے، اور رزق کی تلاش توکل کے خلاف نہیں، کیوں کہ رزق تو اللہ کی طرف سے ہے، لیکن تلاش طلب رزق کا سبب عادی ہے(سراج منیر، ج:۱،ص:۲۳۱)

باب معیشت میں جتنے ضمنی سرخیاں آسکتی ہیں ان میں بعض پر سرسری نظر ڈالی جارہی ہے:۔

## تلاش رزق:

۱۔تلاش رزق کا ذریعہ کھیتی باڑی کرنا، اور آمدنی پیدا کرنے والے پودے لگانا ہے۔

۲۔زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

۳۔رزق کی جستجو جائز، بلکہ بسا اوقات فرض ہوجاتی ہے، جب کہ اپنے کنبے کی ذمہ داری عائد ہوجائے۔

۴۔تلاش رزق توکل کے خلاف نہیں۔

۵۔تلاش رزق طلب رزق کا سبب عادی ہے اور یہ جہان اسباب کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔(معاشیات نظام مصطفی،ص:۶۰)

## مالیاتی نظام:

بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں:

## ☆ذرائع آمد:

ا،زکاۃ ۲۔عشر ۳۔خراج ۴۔جزیہ ۵۔وقف ۶۔کرارالارض (سرکاری زمین پر لگان) ۷۔عشو(کسٹم ڈیوٹی) ۸۔ضرائب (ہنگامی ٹیکس) ۹۔فیے (بغیر جنگ کے بھاگ جانے والے کا سامان) ۱۰۔خمس ۱۱۔صدقات ۱۲۔ اموال فاضلہ(متفرق آمدنیاں) ۱۳۔ کانیں ۱۴۔ دفینے ۱۵۔ سواری ٹیکس ۱۶۔ ذرائع موصلات ۱۷۔ برقیات ۱۸۔سیاحت وزیارت ۱۹۔تجارت ۲۰۔صنعت وحرفت(ایضا!ص:۶۷)

## ☆مصارف:

ا۔مصارف ثمانیہ(آٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکرقرآن شریف میں بیان ہے) ۲۔تنخواہیں ۳۔وظائف ۴۔ رفاہ عامہ ۵۔شعبہ ہائے حکومت یعنی ہسپتال، اسکول و مدارس،سڑکیں، پل، اور مسافر خانے وغیرہا کے متفرق مصارف اسلامی نظام یا نظام مصطفی کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی، کیوں کہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں، نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کردیا جائے جیسا کہ اسلام کے نظام معیشت و آسودگی کا تقاضا ہے تو بہتر ہوگا ،اسلامی نظام کو خدا کا فضل کافی ہے(ایضاً،ص:۶۷)

## اصول نظام معیشت کی اہمیت:

اسلام کے معاشی نظام کی برتری کے وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے اصول خدائے تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں، اور زکاۃ دینے والے اور لینے والے اپنی مرضی وامر پر چلنے کے پابند ہیں، اس لئے اسلام زکاۃ دینے والوں کی نگرانی کا بھی حق دیتا ہے، کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے اموال صحیح مصرف پر صرف ہورہے ہیں یا نہیں،اگر ضرورت پڑے تو ذمہ دار افسر کے خلاف عدالت میں دعویٰ کرسکتا ہے(ایضاً،ص: ۸۳)

## ٹیکس:

نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں، جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہے، یہ سراسر عدل وانصاف کے خلاف اور خالص جبر وظلم ہے، اور

یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض دنیاوی مقتدر ہستیوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستوں سے باز آکر اسلامی زندگی اختیار کریں،تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لانا پڑے(ایضاً،ص: ۱۳۵)

## بیت المال سے آمدنی:

اسلامی نظام نے فقراء،مساکین اور بے روزگاروں کے ماہانہ وظائف مقرر کئے ہیں،اس میں نادار، بے روزگار، مریض، بوڑھے،معذور و یتیم اور بیوگان سب شامل ہیں، حکومت اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضروریات زندگی کا حد ضرورت تک کفیل ہوتا ہے۔(ایضا،ص: ۱۴۷)

حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ممبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: ہم نے تمہارے ماہانہ وظائف مقرر کردیئے ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط و پیمانے ہاتھ میں لے کر انہیں نمایاں کرتے ہوئے ہلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے۔خدائے تعالیٰ ایسا کرے اور ایسا کرے،یعنی کم دینے والے کو بد عا دی (ایضاً،ص: ۱۶۷)

بیت المال کی اراضی کی آمدنی کا مصرف وہی لوگ ہیں جن کے حقوق کا بیت المال کفیل ہے، مثلاً یتیم ،نادار، بیوائیں، مسافر، مریض، معذور، فوج، پولیس، علماء، عدلیہ و انتظامیہ و رفاہ عامہ،مثلاً دریاؤں ،نہروں کے پل،مساجد و مدارس، شفاخانوں اور خانقاہوں کی تعمیرات وغیرہ (ایضاً،ص: ۱۷۲)

رشوت:۔رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت مند شخص اس شرط پر حکم کردے تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کرادے گا (ایضاً،ص: ۱۵۳)

فقہائے اسلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ ظالم و جابر آدمی سے اپنی جان و عزت بچانے یا اپنا حق وصول کرنے کے لئے بے بس و مجبور انسان رشوت دینے پر گنہ گار نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بجائے رشوت لینے والا ظالم ہی دوسرے گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا (ایضاً،ص: ۱۵۴)

رشوت کے تعلق سے آقا کریم ﷺ کا فرمان بھی سماعت کرلیں ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے کہ جولوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان نے چھوکر باؤلا کردیا، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے'' (ایضاً، ص: ۲۳۹)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سود کو انسان روپیہ اور دولت کے نشہ میں ایسا بدمست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق و مروت اور ہمدردی سے خالی ہوتا ہے، دوسروں کو برباد کرکے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کے نصب العین بن جاتے ہیں، وہ ہر وقت اسی تگ و دو میں پاگل بن کر پھرتا رہتا ہے، ضرورت مندوں اور محتاجوں اور بے کسوں کی حالت زار دیکھنے سے اندھا اور اس کی آہ سرد کو سننے سے بہرہ بن جاتا ہے، اس کا دل پتھر سا سخت ہوجاتا ہے اور یہ چیز اس جذبہ ایثار کے لئے زہر قاتل ہے جس پر انسانی معاشرہ کی عمارت قائم ہے، اس لئے اسلام میں سود کو حرام قرار دیا ہے (ایضاً، ص: ۲۴۵)

## سرمایہ کاری:

اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصول تجارت کے مطابق تجارت میں ترقی کرکے سرمایہ حاصل کرسکتا ہے، مگر اس اندیشے سے کہیں لامحدود سرمایہ کسی شخص واحد کے ہاتھوں میں مرتکز ہوکر عوام الناس کے مفاد عامہ کو متاثر نہ کرے، اس پر زکاۃ اور صدقات ایسے عوامی حقوق عائد کردیئے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں میں لامحدود سرمایہ و دولت جمع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی نوبت آتی ہے۔ (ایضاً، ص: ۱۷۶)

## مزارعت:

مزارعت کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، جس کے دو پہلو غور طلب ہیں، ایک مزارعت کا جواز یعنی کیا مزارعت (زمین کی بٹائی پر دینا) جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرا حق شفعہ ہے یعنی مزارع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں، مزارعت خلاف اسلام ہے، اور دوسرا پہلو یعنی مزارع کو حق شفعہ ملنا چاہیئے یا نہیں؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مزارعت جائز ہے اور یہی مذہب کسی شک و شبہ کے بغیر ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کے تمام تلامذہ کا مذہب

ہے اور امام ابن قدامہ فرماتے ہیں: بٹائی پر زمین دینا جائز ہے بہت سے اہل علم کی ہی رائے ہے۔اس کے بعد امام ابن قدامہ امام بخاری کے حوالے سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: مدینہ میں کوئی ایسا گھر نہیں جس کی طرف زمین کو چوتھائی یا تہائی حصہ کے حساب سے بٹائی پر نہ دیا جاتا ہو (ایضاً ص: ۱۹۰، ۱۹۳)

## زراعت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھیتی کے اگانے کی نسبت اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیشہ کو نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیشت میں بڑی اہمیت بخشی ہے، وہاں ضمنی طور پر کاشت کار کی عزت افزائی بھی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے ''تم جو بوتے ہو کیا اسے تم نے دیکھا کیا، تم اس کی کھیتی بناتے یا ہم بناتے ہیں'' [سورۃ الواقعۃ]

زراعت ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اگر یہ کمزور ہے اور متبادل وسائل کی فروانی بھی نہیں کہ ان سے تلافی و تدارک ہو سکے تو وہاں کے لوگ ترقی کے بجائے روبہ انحطاط و زوال ہوں گے، اور ان کی حالت نہیں سدھر سکے گی اگر ملک کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہوں اور زراعی سہولتوں سے مالا مال ہو کہ محنت شاقہ سے کام لیں، تو زمین سے وہ برکتیں ظاہر ہوں کہ ہمارے زراعت پیشہ بھائی ان کا تصور نہیں کر سکتے ہیں (معاشیت نظام مصطفی۔ص: ۲۰۷)

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں 'حضرت آدم علیہ السلام کا کا پیشہ کاشت کاری ،حضرت نوح علیہ السلام کا بڑھئی، حضرت ادریس علیہ السلام کا درزی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریا چرانا تھا (فتح الباری ج: ۴،ص: ۲۵۹)

## کمائی کے اصول:

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں'' کمائی کے تین اصول ہیں ا، زراعت ۲۔ تجارت ۳۔صنعت۔اور فرماتے ہیں: امام المارسی علیہ الرحمہ نے ان تینوں میں ''زارعت'' کو اولیت سے اسے سرے فہرست رکھا ہے (فتح الباری، ج: ۴،ص: ۲۵۷)

## مزدوروں کے ساتھ ہمدردی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: محنت کشوں کی اس کی اجرت اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (الجامع الصغیر، ج:اول، ص:۴۵)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: روز قیامت میں اس شخص کا دشمن ہوں گا جس نے مزدوروں سے کام لیا اور اس کی اجرت نہ دی (صحیح بخاری، ج: اول، ص: ۳۰۲، کتاب الاجارہ)

## صنعت وحرفت:

اللہ تعالیٰ نے معاشی خوشحالی کے لئے جو اسباب بنائے ہیں ان میں صنعت کاری ایک اہم سبب ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، صنعت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جسے ہم معاشی خوشحالی کے لئے عمل میں لاتے ہیں، جیسے فیکٹریاں اور کارخانے سے پیدا شدہ ہمارے سامان وغیرہ، دوسری صنعت وہ ہے جو ملک وملت کی دفاعی اور جنگی ضروریات میں ہمیں مدد دیتی ہے۔ اسلحہ سازی کی صنعت کی اہمیت بھی اس بات سے واضح ہوجاتی ہے کہ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بذات خود اپنے دست اقدس سے شرف بخشا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو ادریس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمانی صحیفوں کا بہت درس دیا کرتے تھے، آپ نے سب سے پہلے قلم سازی، کپڑا سینے، کفار سے لڑنے کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت اور علم حساب وعلم ستارگان کا فن بھی ایجاد کیا، آپ سے پہلے لوگ بطور لباس چمڑے استعمال کرتے تھے (معاشیات نظام مصطفی، ص: ۲۳۴)

## قرض:

نفع کی شرط سے قرض لینا دینا حرام ہے اور سود قرار پاتا ہے، سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس قرض میں قرض دہندہ کے لئے نفع کی شرط ہو، وہ سود ہی کی ایک قسم ہے۔

(بیہقی شریف، ج: ۵، ص: ۳۵)

آقا کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض واپس کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیا،حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ فقصانی و زادنی کہ حضور ﷺ نے میرا قرض مجھے ادا کیا اور زائد بھی دیا(بخاری شریف، ج:۱،ص: ۶۳)

حاجت مندوں کو بلاقرض سود دینا اسلام کے نزدیک بہترین عبادت ہے،حدیث شریف میں قرض دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر راہ خدا میں؛ خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک کہ مقروض قرضہ واپس نہ کردے(معاشیات نظام مصطفی،ص: ۲۴۳)

## نظام مصطفی کا اقتصادی نقشہ:

اسلام کا اپنا ایک اقتصادی نقشہ ہے،جس میں خرابیاں نام کونہیں ہیں، جو بینکوں اور کوآپرٹی سوسائیٹیوں میں موجود ہیں،اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جائے ،تو بینکوں کے موجودہ سسٹم کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی اور بینک سسٹم کی ضرورت بھی تسلیم کرلی جائے، ان کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جوسود کے بغیر اس مقصد کو پورا کرسکیں ،جس کے لئے اس اجتماعی ادارہ کی ضرورت پیش آئی، یعنی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے لئے حصول زر یا امانت کے طور پر زر کا تحفظ ہو۔(ایضاً،ص: ۱۵۶)

بلاسودی بینکاری کا مقصد یہ ہے کہ سودی نظام کو یکسر ختم کر کے انہیں امدادی باہمی کے تجارتی اور کاروباری اداروں کی جائز اغراض و مقاصد کا حامل کردیا جائے اور یہ قطعاً ممکن ہے، ہر نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے،لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔بینکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھے جاسکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں ،مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا، امانتوں کا رکھنا اور لاکر زمہیا کرنا، زیورات، دستاویزات ،کاغذات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا،سفری چیک، بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید وفروخت، صنعتی کاروبار، اور دیگر امور میں ماہرانہ مشورے دینا جوسود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری رہیں گے، بہرحال بلاسودی بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں جسے ارباب علم وفن صفحات قرطاس پر مزین کرسکتے ہیں(ایضاً،ص:

(۲۵۶

## انشورنس:

انشورنس کے تعلق سے بارگاہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ میں عریضہ پیش کیا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صراحت نہیں، تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔ مگر شرط یہ کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔ (احکام شریع، ح: دوم، ص:۱۸۱)

باب معیشت میں جتنے گوشے آسکتے تھے ان میں سے چند کی نشاندہی اور اس حوالے سے اسلامی افکار ونظریات کو پیش کرنے کی ایک ناقص سعی کی گئی ہے۔ مقصد یہ جب ایک محقق معاشیات اسلام کا مطالعہ کرے تو ان کے ذہن نشیں رہے کہ معاشیات واقصادیات کے حوالے سے کن کن موضوعات پر اسلام نے بحث کی ہے، ان سرخیوں کے پر فقیہ اسلام مجدد برحق سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا قلم سیال کس قدر رواں دواں نظر آتا ہے۔

حضرت فقیہ اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی تصنیف لطیف ''فتاویٰ رضویہ ۱۲ر مجلدات'' اپنے سینہ میں علم کا سمندر لئے ہوئے ہے، جن میں ماضی اور حال کے تمام علوم، اسلامی ہو یا عصری موجزن ہیں، آپ کی فقاہت کے لئے علامہ محمد اقبال لاہوری کا یہ جملہ کافی ہے کہ ''اگر مولانا احمد رضا حضرت امام اعظم کے زمانہ میں ہوتے تو ضرور انہیں اپنے تلامذہ میں شامل فرمالیتے'' آپ نے چودہویں صدی میں فقہ میں چار چاند لگادیا ایک غیر مقلد کا قول ہے کہ اگر فتاویٰ رضویہ معرض وجود میں نہ آتا تو ہم فقہ حنفی پر غیر ثقہ ہونے کا دبیز چادر تان دیتے۔ آپ کی شان فقاہت کا اندازہ فقہ کے امہات الکتب پر حواشی سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے، جیسے فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامی، فتاویٰ بحر الرائق و دیگر کتب فقہ وغیرھا۔

باب بیع وشراء معاملات میں فقہ کا اہم باب ہے، اس باب میں جتنی فصلیں سب کے سب اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، کیوں کہ ان سب کا تعلق جائز و ناجائز اور حلال وحرام

سے ہے۔ جیسے بیع سلم، بیع مضاربت، خیار رؤیت، خیار شرط، زراعت ومزارعت، ربا، صنعت وحرفت، بیع مکروہ، بیع فاسد اور موجودہ حالات کے پیش نظر بیع وشراء اور بینکنگ نظام کے تحت رونما ہونے والے جدید مسائل خرید وفروخت شامل ہیں۔

زیر نظر مقالات میں اصحاب قرطاس وقلم نے انہیں موضوعات پر اپنے تحقیقی مضامین کو قلم بند فرمایا ہے، اور یہ اجاگر کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے معاشیات واقتصادیات کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ طلب نہیں چھوڑا ہے بلکہ ان تمام مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور تمام عنوانات کے ساتھ حق انصاف فرمایا ہے۔ اگر قارئین نے بالاستیعاب اس تحقیقی اور علمی دستاویز کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے ،چودہویں صدی کے مجدد برحق حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز نے حق مجددیت ادا کرتے ہوئے معاشیات کے تمام پیچیدہ مسائل کا شافی وکافی حل پیش کر کے کئی صدیوں پر محیط مسلمانوں کو آزمائشوں اور پیچیدگیوں سے محفوظ فرمایا ہے اور اپنی ذات میں ایسے انجمن تھے کہ جنہیں ''اسلامی اکانومکس کا ایکسپرٹ'' کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔

فقیر رضوی نے صد سالہ عرس رضوی ہجری صدی تقریبات (۱۴۴۰ھ) کے پرنور موقع پر یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معاشی تحقیقات پر مختلف عناوین کے تحت تحقیقی مضامین سے بھرپور ایک دستاویز تیار کیا جائے،اس پر مرشد اجازت ماہر رضویات ،ہمارے مخلص اور مربی حضرت علامہ سید شاہ وجاہت رسول قادری رضوی لکھنوی ثم کراچوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ اقدس میں حال دل پیش کیا،حضرت نے دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا: مولانا شاہد القادری اس کام کو آگے بڑھائیں اور کسی بھی حال میں سرد خانے میں نہ ڈالیں، فقیر قادری کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور آپ علیہ الرحمہ نے اس دستاویز کا یہ نام تجویز فرمایا ''امام احمد رضا کے معاشی افکار ونظریات'' آج آپ کی مقبول دعا کا یہ بہتر نتیجہ ہے کہ الحمد للہ !اس کی پہلی اشاعت آپ کے ملک عزیز پاکستان ہونے جارہی ہے۔

عاشق اعلیٰ حضرت ،سرمایہ افتخار،فخر سنیت حضرت علامہ مولانا محمد شرافت علی رضوی مدظلہ العالی (سمندری شریف فیصل آباد) نے کرم فرماتے ہوئے یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ محترم

المقام جناب ڈاکٹر دلاور خان صاحب کا مشورہ آیا ہے کہ مولانا محمد شاہد القادری سے کہئے کہ وہ ''امام احمد رضا کے معاشی افکار نظریات'' ہمارے سپرد کردیں تاکہ عرس رضوی عیسوی تقریبات کے پر بہار موقع پر زیور طباعت آراستہ کردیا جائے، لائق صد احترام جناب پروفیسر دلاور خان صاحب سے رابطہ حضرت مرشد اجازت علیہ الرحمہ کے توسل سے ہوا، یہ رابطہ اتنا مستحکم ہوا کہ جب بھی پروفیسر صاحب ٹیلی فونی گفتگو فرماتے ہیں یہ پتہ ہی نہیں چلتا دیار غیر سے گفتگو ہورہی ہے، ایک لمبا سلسلہ چل پڑتا ہے، رضویات اور سیرت مصطفی جان رحمت ﷺ ہی موضوع گفتگو رہا کرتی ہے۔ ہمارے حق میں مخلص اور سچے علمی معاون ہے یہ ہمارے نصیبے کی بات ہے۔اور محترم ڈاکٹر صاحب نے ہی لائق صد افتخا رحضرت علامہ شرافت علی رضوی صاحب قبلہ سے رابطہ کرایا اور علامہ رضوی صاحب نے پہلا یہ کرم فرمایا کہ ضیغم اہلسنت تلمیذ و خلیفہ حضور محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد حسن رضوی مدظلہ العالی (میلسی) سے سند خلافت رضوی عطا کرادیا اور دوسرا یہ کرم کہ اس دستاویز کو طباعتی مراحل سے گزار کر مجھ فقیر پر رحم وکرم کی بارش برسا رہے ہیں۔

راقم تمام مقالات نگار کو ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے اور حضرت علامہ شرافت علی رضوی مدظلہ العالی،محترم جناب پروفیسر دلاور خان صاحب اور اشاعتی مراحل سے گزار والی اہل سنت کی معروف تنظیم ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا،سمندری شریف'' کا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں،مولیٰ تمام احباب کے دینی خدمات کوشرف قبولیت عطافرمائے اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلاۃ والسلام علیک یارسول ﷺ

نجات، اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہتر تدبیریں

# تدبیر فلاح ونجات واصلاح

(۱۳۳۱ھ)

فقیہ اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ

[ولادت: ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۶۵ء۔۔۔۔۔۔۔۔وصال: ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء]

سائل: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ منشی محمد لعل خاں قادری رضوی مدراسی کلکتوی علیہ الرحمہ

(م ۱۴۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسول الکریم

مسئلہ: از: کلکتہ کولوٹولہ، اسٹریٹ نمبر ۶۵ مسئولہ: جناب حاجی منشی لعل خاں صاحب، ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ قبلہ وکعبہ حضرت مرشدی ومولائی دام ظلکم العالی، تمنائے قدمبوسی کے بعد مئودبانہ گزارش۔۔۔۔۔۔
"المؤید" کے پرچے برائے ملاحظہ مرسل ہیں۔ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہے؟
الجوب
بہ ملاحظہ مکرمی! حامی سنت، ماحی بدعت، برادر طریقت، حاجی لعل خاں دام مجدہم وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، "المؤید" کے چھ پرچے آئے، انھیں بالاستیعاب دیکھا، گمان یہ تھا کہ شاید کوئی خبر خوشی کی ہو مگر اس کے برعکس اس میں رنج وملال کی خبریں تھیں۔بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم گزر رہے ہیں اور سلطنت ان کی حمایت نہیں کرسکتی، صدمہ کے لیے کیا کم تھے کہ اس سے بھی بڑھ کر ترکوں کی اس تازہ تبدیل روش کا ذکر تھا جس نے میرے خیال کی تصدیق کردی۔
بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب وہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔
اللہ اکرام الاکرمین اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے ہماری اور ہمارے اسلامی بھائیوں کی آنکھیں کھولے، اصلاح قلوب واحوال فرمائے، خطاؤں سے درگزر کرے، غیب سے اپنی مدد اتارے، اسلام ومسلمین کو غلبہ قاہرہ دے، آمین الہ الحق آمین۔
مگر بے دلی نہ چاہیے۔
اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔
اللہ واحد قہار غالب علی کل غالب اس دین کا حافظ وناصر ہے۔

(لا تزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذ لھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علیٰ ذلك)

غالباً یہاں امر اللہ وہ وعدۂ صادقہ ہے جس میں سلطان اسلام شہید ہوں گے اور روئے زمین پر اسلامی سلطنت کا نام نہ رہے گا۔ تمام دنیا میں نصاریٰ کی سلطنت ہو گی، اگر معاذ اللہ وقت آ گیا ہے، جب تو کوئی چارۂ کار نہیں ۔شدنی ہو کر رہے گی، مگر وہ چند ہی روز کے واسطے ہے، اس کے متّصل ہی حضرت امام کا ظہور ہو گا۔ پھر سید نا روح اللہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نز ول اجلام فرمائیں گے اور کفر تمام دنیا سے کافور ہوگا۔ تمام روئے زمین پر ملت ایک ملت اسلامی ہوگی، اور مذہب ایک مذہب اہلسنت ۔غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، مگر فقیر جہاں تک نظر کرتا ہے ابھی ان شاء اللہ وہ وقت نہیں آیا، اگر ایسا ہے تو ضرور نصرت الٰہیہ نزول فرمائے گی اور کفار ملاعنہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ بہر حال بندگی بیچارگی دعا کے سوا کیا چارہ ہے، وہی جو ہمارا رب ہے ہماری حالت زار پر رحم فرمائے اور اپنی نصرت اتارے یعنی جھٹکے جو پہنچ گئے ہیں انھیں پر ختم فرمادے۔

اور بشارت سنادے۔

آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان و مال جنت کے عوض خریدے ہیں۔

بے شک اللہ نے مسلمانوں کے جان و مال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

مگر ہم ہیں کہ مبیع دینے سے انکار اور ثمن کے خواستگار، ہندی مسلمان میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر مال تو دے سکتے ہیں، اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں وہاں مسلمان پر یہ کچھ گزر رہی ہے یہاں وہی جلسے ہیں، وہی رنگ وہی ٹھیٹر، وہی امنگ، وہی تماشے، وہی بازیاں، وہی غفلتیں، وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں ۔ ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار دیے، ایک عورت نے ایک چنیں

وچنان جرگہ کو پچاس ہزار دیے، ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ دیے، اور یونیورسٹی کے لیے تو تیس لاکھ سے زائد جمع ہوگیا، ایک رات میں ہمارے اس مفلس شہر سے اس کے لیے چھبیس ہزار کا چندہ ہوا، بمبئی میں ایک کم درجے کے شخص نے صرف ایک کوٹھری چھبیس ہزار روپے کو خریدی فقط اس لیے کہ اس کے وسیع مکان سکونت سے ملحق تھی، جسے میں بھی دیکھ آیا ہوں، اور مظلوم اسلام کی مدد کے لیے جو کچھ جوش دکھائے جارہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں، اور جو اصلی کارروائی ہورہی ہے زمین کی تہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے۔ بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میں اسے پسند نہیں کرتا، نہ ہر گز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں، اول تو یہ بھی کہنے کے الفاظ ہیں، نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہر گز اس کو نباہیں گے، اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں۔ یہ تو سارا یورپ ہے، پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا، اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا، پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا، اور ہو بھی تو کیا فائدہ کہ وہ سَو ترکیبوں سے اس سے دَہ گنا ضرر پہنچا سکتے ہیں، لہٰذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی، بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں، ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں ہی پر کیا موقوف تھا، ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

اولاً: بہ استثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر کہ آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثانیاً: بمبئی کلکتہ، رنگوں، مدراس، حیدر آباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمان

کے لیے بنک کھولتے ، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں ، جن کا بیان کتب فقہ میں مفصّل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب (کفل الفقیہ الفاھم ) میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی ، اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے ، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے تنگے ۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان ، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسًی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدراجِ عالیہ پر پہنچایا ، چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا:

دین متین علم دین سے وابستہ ہے، علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انھیں بتادیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو، سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے۔

مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کریں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ۔آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمایئے کہ سوال و جواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، عمل کی حالت ملاحظہ ہو۔

اول پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں ۔ اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند، گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں ،

دوم کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت و تجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذلت کی نوکریاں کرنے ،ٹھوکریں کھانے ،حرام کام کرنے ،حرام مال کھانے کو فخر و عزت ،اور جو تجارت کریں بھی تو خریدار کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں اگرچہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنے ہی بھائی کا ہے نااہلِ یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔ ادھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ

ہندو آنہ روپیہ نفع لے، مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا بلکہ خراب ۔ ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کر لیں ۔ ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں ۔کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو؟

سوم کی یہ حالت کہ اکثر امرا کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بیہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اڑا دیں وہ ناموری ہے، ریاست ہے ،اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار۔اور جنھوں نے بنیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں ،دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض ،ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کیا ضرورت ہے ،نہ انھیں مرنا ہے ،نہ اللہ وحدہ قہار کے حضور جانا ،نہ اعمال کا حساب دینا

پھر سود بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے ،یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں ،ناچار حاجتمند بنیوں کے ہتھے چڑھتے ہیں اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھے ہیں ۔

چہارم: کا حال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے، وہاں نوکری میں عمر کی شرط ، پاس کی شرط ،پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے ،نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے ،اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی ،اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے ،تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں ،اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کیے جاتے ہیں ،پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی ،اور رفتہ رفتہ دنیوی عزت کی بھی پائی تو وہ کہ عند الشرع ہزار ذلت ،کہیے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں ،اپنے باپ دادا کو جنگلی ، وحشی ، بے تمیز ،گنوار ،نالائق ،بیہودہ ،احمق ، بے خرد جاننے لگتے ہیں بہ فرضِ غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی ۔کیا تم علم دین کی برکتیں ترک کرو گے؟

یہ وجود ہیں ، یہ اسباب ہیں ،مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت نہیں تو کیا ہے ،اس نے تمھیں ذلیل کر دیا اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوایا ،اس نے جو کچھ کیا وہ ،اور

آنکھوں کے اندھے اب تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں،''ہائے قوم وائے قوم یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آزاد ہو گئے، تم کیوں قلی بنے ہوئے ہو'' حالا ں کہ حقیقتہً یہ آزادہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ہے۔

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں، پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ ایک ہمارے کیے کیا ہوتا ہے ہر ایک نے یوں ہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے، یوں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کرلیں گے۔ چند جگہ جاری تو کیجئے پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا، اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی، وہی آیۂ کریمہ کہ ابتدائے سخن میں تلاوت ہوئی (عربی) جس طرح برے رو یہ کیطرف اپنی حالت بدلنے پر تازیانہ ہے یوں ہی نیک روش کی طرف تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے کرتب چھوڑو گے تو ہم تمھاری اس ردی حالت کو بدل دیں گے، ذلت کے بدلے عزت دیں گے۔ اے رب ہمارے! ہماری آنکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا، صدقہ رسولوں کے سورج مدینہ کے چاند کا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وکرم آمین!

خیر یہ مرتبہ تو عمر بھر کا ہے، مسلمان اِن چار باتوں میں سے ایک کو بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے، مگر ضروریات امداد ترک کی نسبت کہیے مرثیے ہزاروں پڑھے گئے مگر سوا بعض غربا کے امرا اور رؤسا بلکہ دنیا بھر کے والیان ملک نے بھی کوئی قابل قدر حصہ لیا، وہ جو فوجی مدد دے سکتے تھے وہ جو لاکھوں پونڈ بھیج سکتے تھے وہ ہیں اور بے پروائی، گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ انھیں جانے دیجئے، وہ جانیں اور ان کی مصلحت، آپ بیتی کہیے، کتنا چندہ ہوا ہے جس پر ہمدردی اسلام کا دعویٰ ہے، مصارف جنگ کچھ ایسے ہلکے ہیں، جتنا چندہ جا چکا ہے ایک دن کی لڑائی میں اس سے زیادہ اڑ جاتا ہے، اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر فقیر غریب رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنے ایک مہینہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ مہینہ کی آمدنی میں بارہ مہینہ گزر کر لینا کچھ دشوار نہ ہو۔ اور اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہو جائیں، یونیورسٹی کے لیے جو غریبوں کے پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زیادہ جوڑ لیا اور اس

پر سود مل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد ہو چکی ہے ، اور وہ بنی بھی نہیں یہ روپے تو گھر سے دینا نہیں اس کو اللہ وحدہ قہار کی راہ بھیج دیجئے ، اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی نہ بننا ضرر نہ دے گا ۔ اور اسلام نہ رہا تو یونیورسٹی کیا بخشوالے گی ، بلکہ ہم کہے دیتے ہیں کہ وہ اس وقت ہرگز ہرگز بن بھی نہ سکے گی اس وقت جو گت ہو گی اس کا بیان پیش از وقت ہے اور بالفرض تنگ دل اور بخیل ہاتھ پرایا مال بھی یوں دینے کو نہ ہو تو یہ تمام وکمال روپے سلطنت اسلام کو بقائے اسلام کے لیے بطور قرض حسن ہی دیجیے ، اور زیادہ کیا کہوں ۔

وحسبنا اللہ ونعمہ الو کیل، ولا حول ولا قوتہ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالی أعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم ۔

کتب

عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوی عفی عنہ عبحمدن النبیی الأمیی ﷺ

مہر دار الافتاء مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

تصحیح کردہ اعجاز رضوی ازکاظمی مقیم دربار داتا صاحب

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم ۔

محمد رضا خان قادری عفی عنہ الجواب صحیح

فقیر حسین أحمد العاشقی النھو اری عفا عنہ المولی القوی

أصاب المجیب جزاہ اللہ جزاء ویثیب

فقیر مصطفی رضا القادری النوري غفر لہ ولوالدیہ

صح الجواب واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

فقیر امجد علی الاعظمی الرضوی عفی عنہ

وأنا علی ذلك من الشاھدین

فقیر نواب مرزا رضوی بریلوی عفا عنہ المولی القوی

☆☆☆

# امام احمد رضا کی ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح''
# حالات حاضرہ کے تناظر میں بہترین لائحہ عمل

حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری علیہ الرحمہ (کراچی)

آج سے تقریباً نوے سال قبل مسلمانانِ عالم کی کس مپرسی ۔ وافتراق ، افراتفری اور بے زدی کے وہی حالات تھے جو بعض اختلافات کے ساتھ آج ہیں۔ سب سے بڑی سنی اسٹیٹ سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کا ،انگریزوں، یہودیوں اور یوروپین ممالک کی سازشوں کے تحت شیرازہ بکھر چکا تھا۔ عرب ممالک چھوٹی چھوٹی حد بندیوں میں مختلف آزاد مملکتوں میں بٹ چکے تھے۔ افریقہ میں سلطلنتِ ترکیہ کے صوبوں پر اٹلی ،فرانس، اور جرمنی قابض ہو چکے تھے۔ ہندوستان ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد برطانوی سامراج کا نام نہاد ''نہ ڈوبنے والا سورج'' طلوع ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت سیاسی اور معاشی اعتبار سے زیادہ ابتر تھی۔ مسلمان انگریزوں کے محکوم ہو چکے تھے اور انگریز اور ہندو دونوں مل کر مسلمانوں کے مفادات پر یلغار کر رہے تھے۔

غرض کہ جب اس دور کی ''سیاست حاضرہ'' کی تماشہ گاہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو مسلمان ہر طرف سے صاحب جبر وتسلط اور ظلم و استبداد کی حامل طاغوتی قوتوں کی مکر سامانیوں اور فریب کاریوں کے جال میں جکڑے نظر آتے ہیں۔ بعینہ بساطِ عالم کی سیاسیات کا نقشہ آج بھی ویسا ہی نظر آ رہا ہے سوائے ایک تبدیلی کے کہ ''یونین جیک'' کی فسوں کاری کے بجائے ان ''انکل سام'' کی لمبی ہیٹ کا ''میجک شو'' دکھایا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی نشئہ غلامی کو تیز تر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور غلاموں کے قلب و دماغ کو ''نیو ورلڈ آرڈر'' اور ''گلوبلائزیشن'' کی بستیوں کی دیوار محبس میں آسودہ رہنے کی تعلیم دی جارہی ہے ۔ ایسے مایوس کن، تاریک اور اعصاب شکن حالات میں صاحب صدق و صفا ، وارثِ علوم انبیاء (علیہم الصلوۃ والسلام) ''قائما بالقسط'' کی صفت سے متصف ، ''اولوالامر منکم'' کی تفسیر مجسم ،اپنے عہد کے صاحب رموز، شیخ الاسلام والمسلمین ، امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی قدس سرہ کی دلوں کو ڈھارس دینے والی آواز گونجتی ہے کہ مسلمانو! گھبراؤ نہیں، مایوس ہونے کی

ضرورت نہیں، اب بھی تم عظمتِ وشوکت کو واپس لا سکتے ہو، بشرطے کہ تم یہ عزم کرلو:
''تبدیل احکام الرحمٰن اور اختراع الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین (یہود و ہنود، نصاریٰ و دیگر دشمنان اسلام) سے اتحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دامنِ پاک تمہیں سایہ میں لے----- دنیا ملے نہ ملے، دین تو ان کے صدقے میں ملے۔ یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ وّلا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین (المحجۃ المؤتمنہ، بحوالہ ''اوراق گم گشتہ'' ص:۲۹۹)

امام احمد رضا نے انتباہ فرمایا کہ قرآنی ارشاد کے مطابق کافر و مشرک، یہود و نصاریٰ، آتش پرست و ستارہ پرست سب ہی مسلمانوں کے دشمن ہیں:

کافر، ہر فرد و فرقہ دشمن مارا　　　　مرتد، مشرک، یہود و کبر و ترسا

(الطاری الداری، ص:۳ مطبوعہ بریلی، ص:۹۹)

امام موصوف نے دشمن کی نفسیات کا تجربہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کی کہ ''دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے:

اول: اس کی موت، کہ جھگڑا ہی ختم ہوجائے۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی، کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہوسکے تو آخری درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالفت کے یہ (تینوں) درجے ان (مسلمانوں) پر (دشمنان اسلام نے) طے کردیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔'' (المحجۃ المؤتمنہ، بحوالہ ''اوراق گم گشتہ''، ص:۲۹۹)

ذرا اس اقتباس کو آپ غور سے پڑھیں اور پھر دوبارہ پڑھیں کیسی سچائی ہے اس میں! اور پھر آج کے حالات کے منظر نامے پر ایک نظر دوڑائیں۔ اس وقت دنیا میں روزانہ ظلماً ہلاک کئے جانے والوں میں سب سے زیادہ تعداد مسلمان شہدا کی ہے، کوسودو،

بوسنیا، سربیا، کروشیا، کشمیر، فلسطین، چینا، عراق، افغانستان، لبنان، شمالی اور وسطی افریقہ کے بعض وہ ممالک جہاں عیسائیوں ں کی حکومت ہے اور اقلیت میں ہیں، یہ تمام خطۂ ارض مسلمان شہداہ کے خون سے رنگین ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، نیٹو، روس، یوروپین ممالک اور اس پر

مستزادا مریکہ کا بغل بچہ یو۔این۔او، یہ سب لاکھوں بے گناہ مسلمان مرد،عورت، بچوں اور بوڑھوں کی شہادت اور اربوں ڈالر کی ان کی جائداد کی تباہی کے ذمہ دار ہیں۔پھر آپ دنیا کے مہاجرین (ہجرت کردہ افراد) کی شمار پر نظر ڈالیں تو ان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔اس وقت کشمیر،افغانستان،عراق،فلسطین، بوسنیا، چینا،کوسودو پر عملی طور سے ہندوستان، امریکہ ،برطانیہ،نیٹو(یوروپین ممالک )، اسرائیل اور روس کی افواج کا غاصبانہ قبضہ ہے۔جہاں پر اقوام متحدہ کی افواج تعینات ہیں،وہاں بھی مسلمان دوسروں کے رحم وکرم پر ہیں اور اپنی فوج سے محروم ہیں۔ بلکہ ان جگہوں پر مسلمانوں کی جان و مال اورعزت تو سب سے زیادہ خطرہ میں ہے۔اقوامِ متحدہ کا کام صرف ان ملکوں کی سرحدی سڑکوں کی سیر اور دوربین سے دونوں اطراف کے قدرتی مناظر کا نظارہ کرنا ہے۔کوسودو،سربیا،کردشیا اور اب لبنان میں فوج نے لاکھوں مسلمانوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے قتل کروادیا اور'' ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کا مجسمہ بنے دیکھتے رہے۔اس فوج کی تعنیاتی میں بھی مسلمانوں کے خلاف ایک سامراجی سازش ہے تاکہ مسلمان نہ دفاع کرسکیں اور نہ ہی اپنی سرحدوں پر کئے گئے حملے کا جواب دے سکیں۔ باقی تقریباً تمام ممالک (ماسواملائشیا) کی سیاسی بساط اور معاشی واقتصادی مفادات امریکن نیوورلڈ آرڈر کے زیرنگیں ہیں :

ایک مستفتی کے اس سوال کے جواب میں کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے،امام احمد رضا نے ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح ونجات اصلاح''(۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء) کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔

آپ نے تحریر فرمایا کہ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں ،اس کا جواب تو قرآن شریف میں درج ہے۔''اللہ عزوجل نے مسلمانوں کی جان و مال ،جنت کے عوض خرید ے ہیں:

ان اللہ اشترىٰ من المومنین انفسھم واموالھم بأن لھم الجنۃ ۔مگر ہم ہیں کہ مبیع (قیمت) دینے سے انکاراور ثمن (مال) کے خواستگار۔''

اس کے بعد تلقین ونصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں،کسی قوم کی چال نہ

سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں۔‘‘

امام احمد رضا کی یہ نصیحت آج کے حالات میں بھی اتنی ہی مفید ہے جتنی ان کے دور کے حالات میں تھی۔ وہ مسلمانوں کو سلامت کی راہ پر گامزن رہنے اور ہر قسم کے فتنہ وفساد اور دہشت گردی کی راہ (جسے وہ شریر قوموں کا وطیرہ قرار دے رہے ہیں) سے خود کو علیحدہ رکھنے کی ہدایت دے رہے ہیں تاکہ خواہ مخواہ دوسری شریر اور دشمن قوموں کو جو طاقتور بھی ہیں، ان پر فتنہ پروی اور دہشت گردی کی لیبل لگا کر پریشان کرنے کا موقع ہاتھ نہ آسکے۔

لہٰذا امام احمد رضا کے خیال میں ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہئیے کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے کے بجائے وہ پرسکون اور پر امن رہ کر اپنے تعمیری کاموں میں لگے رہیں اور خود کو معاشی، اقتصادی، علمی اور سیاسی طور پر طاقتور بنائیں تاکہ وقت آنے پر دشمن کے مقابل ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ہوکر صف آرا ہوسکیں اور اپنا حقِ دفاع استعمال کرسکیں اور جہادِ زندگانی میں کامیاب وکامران رہیں:

پھر امام احمد رضا نے ملتِ اسلامیہ کی اخلاقی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی فلاح و بہبود کے لئے چار تجاویز پیش کیں، جن کا معاشی اور اقتصادی پہلو کے اعتبار سے لب ولباب یہ ہے:

(۱) مسلمان اپنے وسائل پس انداز کریں، غیر ضروری پیداواری اخراجات سے اجتناب کریں۔ مسلمان اپنے معاملات خود طے کریں۔ یعنی غیر ملکی حکومتوں کی عدالتوں، سپر طاقتوں یا دشمنانِ اسلام کی ساختہ، انجمن اقوام (مثلاً یو۔این۔او۔وغیرہ) کے دفتروں سے رجوع نہ کریں کیونکہ مسلمانوں کے حق میں کوئی فیصلہ ان سے صادر ہونے کی توقع ہی عبث ہے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کے قیمتی وقت، مال ودیگر وسائل کا ضیاع ہوگا۔ وہی وسائل ملکی ترقی، تعلیم سرمایہ کاری اور پیداواری صلاحیتوں کو بڑھانے میں صرف ہوسکتے ہے جس سے مسلمان اور مسلمان ملکوں کی طاقت اور معاشی خوشحالی میں اضافہ ہوگا۔

(۲) مسلمان ابتداءً اپنے ملکوں کے تمام بڑے بڑے شہروں میں جدید خطوط پر اسلامی بینکاری کے نظام کا جال بچھائیں تاکہ مسلمان اس سے استفادہ کرتے ہوئے ملکی اور بین الا قوامی سطح پر اپنی معشیت، تجارت اور صنعت وحرفت کو ترقی پزیر اور مستحکم بناسکیں اور جب وہ اقتصادی اور معاشی طور پر مضبوط ہوں گے تو لامحالہ کسری قوت کا توازن بھی ان کے حق میں

ہو جائے گا۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔یعنی دشمنانِ اسلام، ہنود، یہود، نصاریٰ، مشرکین و کفار کی مصنوعات کا منصوبہ بند تجارتی بائیکاٹ کر کے صرف مسلمانوں اور مسلم ممالک کی مصنوعات کو فروغ دیں۔اس طرح مسلمان تاجروں اور صنعتکاروں کو معاشی تحفظ ملے گا۔اشیاء کی طلب کے ساتھ پیداوار میں اضافہ ہوگا، پیداوار میں اضافہ سے مسلمانوں کے روزگار اور آمدنیوں میں اضافہ ہوگا۔مسلمان تاجروں کے کاروبار اور صنعت و حرفت کے فروغ کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کی اقتصادی قوت بین الاقوامی مارکیٹ میں دیگر قوموں کی معیشت کو متاثر کر کے تجارتی توازن اپنے حق میں برقرار رکھ سکے گی۔اس نکتہ میں امام احمد رضا نے ایک بین الاقوامی مسلم مشترکہ منڈی کا تصور بھی پیش کیا ہے جسے علم معاشیات کیا ایک نئی شاخ نظریہ وحدۃ الفاّ الاقتصادیہ کہا جاتا ہے۔واضح ہو کہ جنگِ عظیم دوم (۱۹۴۵-۴۶ء) کے بعد جب معاہدہ روم کے تحت ''یوروپین مشترکہ منڈی'' کا قیام عمل میں آیا اس وقت ماہرین علماء اقتصادیات نے اس جدید نظریہ کو پیش کیا۔حالاں کہ امام احمد رضا ۱۹۱۲ء ہی میں اقتصادیات کی اس نئی شاخ سے مسلمانوں کو متعارف کرا چکے تھے۔

(۴) مسلمان علم دین کی ترویج و اشاعت کریں: یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے۔امام احمد رضا نے فروغ علم حقیقی و نورانی کی ترغیب دی ہے اور اس کے حصول کی تشویق پیدا کی ہے۔اگر غائر دیکھا جائے جذبہ قومی اور ملی تو ایک لحاظ سے اس کا تعلق بھی مسلمانوں کی اقتصادیات اور سیاستِ مُدن سے ہے۔پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تصلب سے پیدا ہوتا ہے اور قومی تصلب کے لئے علم نافع کی تعلیم اور معاشرے میں اس کا فروغ لازم و ملزوم ہے تو اس طرح یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات و سیاستِ اسلامی سے متعلق ہے۔جب ہم علومِ اسلام کی تعلیم کی بات کرتے ہیں تو اس میں قرآن و سنت کے علاوہ اپنے دور کے وہ تمام عقلی و نقلی یعنی روایتی ،سائنس اور معاشرتی علوم شامل ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی اعتبار سے دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ ،ملک و ملت اور معاشرے کے افراد کی ترقی اور ملک و قوم کی بقا اور قوت کے لئے معاون و ممد ہو سکتے ہیں یا بطور آلہ استعمال ہو سکتے ہیں۔کیونکہ دین اسلام دین فطرت

ہے۔ یہ ایک کل کا نام ہے۔اس میں فرد، معاشرہ اور ملت کی حیات کے تمام گوشوں کا احاطہ ہے اور ''علم دین'' کا حصول انہی گوشوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اس لئے ہر زمانہ اور ہر دور بلکہ صبح قیامت تک انسان ایک خدا ترس اور پر امن معاشرہ کی تکمیل کے لئے اس کے حصول کا محتاج رہے گا۔

محدث بریلوی علیہ الرحمتہ اپنی تجاویز پیش کرنے اور اس کا معروضی تجزیہ کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

> ''یہ وجوہ ہیں ،یہ اسباب ہیں۔مرض کا علاج چاہنا اور سبب قائم رکھنا،حماقت نہیں تو کیا ہے،جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ہے۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم؛

اہل الرائے ان وجودہ پر نظر فرمائیں اگر میرا خیال صحیح ہوتو ہر شہر و قصبے میں جلسہ کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کردیں۔ پھر آپ کی (یعنی مسلمانوں کی) حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے افکار و تعلیمات اور ان کے پیش کردہ لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

# رسالہ: تدبیرفلاح ونجات واصلاح کا تجزیاتی جائزہ

مولانا طارق انور مصباحی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مدیر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ-۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کاصدسالہ عرس مبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۸ء میں منایا گیا۔اس موقع پرارباب عقیدت ومحبت جلسہ وجلوس کے علاوہ مختلف قسم کی اشاعتی وتحریری خدمات اوردیگر کارناموں کی جانب بھی متوجہ ہوئے ۔اسلاف کرام کی سیرت وسوانح کو بیان کیا جاتا ہے،تاکہ ماوشما اپنے رہنماؤں کے نقش قدم کواپنے لیے معیار بنالیں،لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے شرعی امور کے ساتھ سیاسی ،سماجی اورمعاشی امور کے لیے بھی رہنما خطوط اپنے فتاویٰ اور کتب ورسائل میں تحریرفرمائے۔آج مذہبی رہنماؤں نے خودکوشرعی امورتک محدودکرلیا ہے۔

جب ہمارے آئیڈیل قائد ورہنما نے ہرضروری امر میں قوم کی رہنمائی فرمائی ہے تو ہماراخودکومحض شرعی امورکی قیادت تک محدودکرلینا یقینا ان کے طریق کار سے انحراف کرنا ہے۔اسی محدودفکر کے سبب ملک ہند میں مسلمانوں کومختلف محاذوں پرمشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔اب حالات میں کچھ تبدیلی آرہی ہے ۔امید ہے کہ چندسالوں بعد نگاہوں کے سامنے ایک نیا منظر اور جدیداسلوب سے ہم آشنا ہوسکیں۔خاص کرنسل جدید کے فضلائے مدارس نے مختلف میدانوں میں عمدہ پیش رفت کی ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے نتائج بھی قابل دید ہوں گے۔جنہیں کچھ کرنے کا موقع میسرنہ ہوسکے،انہیں چاہئے کہ کام کرنے والوں کی قدردانی اورحوصلہ افزائی کریں۔حوصلہ شکنی کے ماحول میں حوصلہ افزائی ،اورمخالفت ومعاندت کے عہد میں زبانی موافقت وہمدردی بھی ایک عظیم سہارا ہے۔

رب تعالیٰ نے بندوں کوحکم فرمایا کہ بندگان الٰہی دنیا وآخرت کی بھلائیاں اپنے پروردگارعزوجل سے طلب کریں۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (القرآن)

امام احمد رضا نے عقائدصحیحہ اوراعمال صالحہ کی دعوت وتبلیغ کے ساتھ مسلمانوں کی دنیاوی

بھلائیوں کی طرف بھی توجہ فرمائی ،اور اس طرح آپ کی تحریروں میں دینی ودنیاوی ہر قسم کی بھلائیوں کے لیے ہدایات اور رہنما خطوط ہمیں دستیاب ہوتے ہیں۔امام ممدوح نے ایک رسالہ:التحبیر بباب التدبیر (تقدیر وتدبیر) رقم فرمایا ہے۔اس رسالہ کے چند اقتباسات منقولہ ذیل ہیں ،وہ رسالہ بھی دنیاوی بھلائیوں کے حصول کی دعوت دیتا ہے۔الحاصل رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح اور رسالہ تقدیر وتدبیر میں دنیاوی حسنات کے حصول کی ترغیب ہے۔

(۱)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:’’فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے ،سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے۔

قال اللہ تعالیٰ :(کل صغیر و کبیر مستطر )ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔(کنزالایمان)

وقال تعالیٰ:(و کل شیء احصینہ فی امام مبین )اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں ۔(کنزالایمان)وقال تعالیٰ :(ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین )اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

(کنزالایمان)

الی غیر ذلك من الآیات والاحادیث (اس کے علاوہ اور بھی آیات واحادیث ہیں )

مگر تدبیر زنہار معطل نہیں ۔دنیا عالم اسباب ہے۔رب جل مجدہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا ،اور سنت الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا ،کفار کی خصلت ہے ،یوں ہی تدبیر کو محض عبث ومطرود وفضول ومردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے،جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض لازم آتا ہے ۔حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان ،پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے ،اور اس کی راہیں بتاتے ،اور خود کسب حلال میں سعی کرکے رزق طیب کھاتے ‘‘۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۴ -اعلیٰ حضرت نیٹ ورک )

(۲)’’خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام المومنین خدیجہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا کا مال بطور مضاربت لے کر شام کو تشریف فرما ہوئے۔حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے نامی گرامی تاجر تھے۔حضرت امام اعظم قدس سرہ الاکرم بزازی کرتے"۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۷-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۳)"یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر تدبیر مطلقاً مہمل ہو تو دن وشرائع وانزال کتب وارسال رسل واتیان فرائض واجتناب محرمات معاذ اللہ سب لغو وفضول وعبث ٹھہریں۔آدمی کی رسی کاٹ کر بجار کردیں۔دین ودنیا سب یکبارگی برہم ہوجائیں: ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔نہیں نہیں، بلکہ تدبیر بے شک مستحسن ہے،اور اس کی بہت صورتیں مندوب ومسنون ہیں،جیسے دعا ودوا"۔

(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۲-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۴)"اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعمال دوا فرمانا اور امت مرحومہ کو صدہا امراض کے علاج بتانا،بکثرت احادیث میں مذکور اور طب نبوی وسیر وغیر ہما فنون حدیثیہ میں مسطور،اور تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں،جیسے فرائض کا بجالانا،محرمات سے بچنا،بقدر سدرمق کھانا کھانا،پانی پینا،یہاں تک کہ اس کے لیے بحالت مخمصہ شراب ومردار کی اجازت دی گئی۔اسی طرح جان بچانے کی کل تدبیریں اور حلال معاش کی سعی وتلاش جس میں اپنے اور اپنے متعلقین کے تن،پیٹ کی پرورش ہو"۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۲)

(۵)"اسی لیے ترک کسب سے صاف ممانعت آئی"۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۶-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۶)"خود حضرت عزت جل مجدہ نے قرآن عظیم میں تلاش وتدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی"۔

(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۶-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۷)"یمن کے کچھ لوگ بے زاد راہ لیے حج کو آتے اور کہتے: ہم متوکل ہیں،ناچار بھیک مانگنی پڑتی۔حکم آیا،توشہ ساتھ لیا کرو،کچھ اصحاب کرام نے موسم حج میں تجارت سے اندیشہ کیا کہ کہیں اخلاص نیت میں فرق نہ آئے۔فرمان آیا،کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈو۔اسی طرح تلاش فضل الٰہی کی آیتیں بکثرت ہیں"۔(التحبیر بباب

التدبیر ص ۱۷-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۸)''صاف حکم دیتے ہیں کہ رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، تاکہ مراد کو پہنچو۔اگر تدبیر واسباب معطل ومہمل ہوتے تو اس کی کیا حاجت تھی، بلکہ انصاف کیجیے تو تدبیر کب تقدیر سے باہر ہے، وہ خود ایک تقدیر ہے، اور اس کا بجالانے والا ہرگز تقدیر سے روگرداں نہیں''۔

(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۷-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۹)''با آں کہ سب کچھ تقدیر سے ہے، پھر آدمی خشک جنگل چھوڑ کر بھرا چرائی کے لیے اختیار کرتا ہے۔اس سے تقدیر الٰہی سے بچنا لازم نہیں آتا۔یوں ہی ہمارا اس زمین میں نہ جانا، جس میں وبا پھیلی ہے۔یہ بھی تقدیر سے فرار نہیں، پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، بلکہ صلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے۔

ہاں، یہ بے شک ممنوع مذموم ہے کہ آدمی ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہوجائے، اور اس کی درستی وجا بے جا ونیک وبد وحلال وحرام کا خیال نہ رکھے۔یہ بات بے شک اسی سے صادر ہوگی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا۔شیطان اسے ابھارتا ہے کہ اگر یہ بن پڑی جب تو کاربراری ہے، ورنہ مایوسی وناکامی۔ناچار سب ایں وآں سے غافل ہوکر اس کی تحصیل میں لہو پانی ایک کر دیتا ہے، اور ذلت وخواری، خوشامد وچاپلوسی، مکرودغا بازی جس طرح بن پڑے، اس کی راہ لیتا ہے، حالانکہ حرص سے کچھ نہ ہوگا۔ہونا وہیہے جو قسمت میں لکھا ہے۔

اگر یہ علو ہمت وصدق نیت وپاس عزت ولحاظ شریعت ہاتھ سے نہ دیتا، رزق کہ اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ لیا، جب بھی پہنچتا۔اس کی طمع نے آپ اس کے پاؤں میں تیشہ مارا، اور حرص وگناہ کی شامت نے خسرالدنیا والاٰخرۃ کا مصداق بنایا، اور اگر بالفرض آبرو کھوکر، گناہ گار ہوکر دوپیسہ پائے بھی تو ایسے مال پر ہزار تف''۔(التحبیر بباب التدبیر ص ۱۹-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

(۱۰)''ان سب حدیثوں میں بھی تلاش وتدبیر کی طرف ہدایت فرمائی، مگر حکم دیا کہ شریعت وعزت کا پاس رکھو۔تدبیر میں بے ہوش ومدہوش نہ ہوجاؤ۔دست در کار ودل با یار، تدبیر میں ہاتھ، دل تقدیر کے ساتھ۔ظاہر میں ادھر، باطن میں ادھر۔اسباب کا نام، مسبب سے کام۔یوں بسر کرنا چاہئے۔یہی روش ہدیٰ ہے، یہی مرضی خدا، یہی سنت انبیا، یہی سیرت اولیا

۔علیہم جمیعا الصلوۃ والثنا ۔

بس اس بارے میں یہی قول فیصل وصراط مستقیم ہے۔اس کے علاوہ تقدیر کو بھولنا یا حق نہ ماننا یا تدبیر کو اصلاً مہمل جاننا ،دونوں معاذ اللہ گمرہی ،ضلالت یا جنون وسفاہت :والعیاذ باللہ رب العلمین ''۔(التحبیر بباب التدبیر ص۲۱-اعلیٰ حضرت نیٹ ورک )

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوگیا کہ تقدیر پر مستحکم ایمان کے ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا بھی حکم ہے۔ہاں،وہی تدبیر اختیار کی جائے جو شریعت کے موافق ہو۔جس تدبیر میں اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ) کی ناراضگی ونافرمانی ہو،ایسی تدبیر سے کسی چیز کا حاصل ہوجانا بھی قابل مذمت ولائق عذاب ہے۔عہد حاضر میں دین فروشوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔یہ لوگ دنیا حاصل کرنے کے واسطے صحیح وغلط ،ہرقسم کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ان کا مقصود محض حصول دنیا ہے،خواہ وہ بظاہر کتنے ہی نیک سیرت ہوں۔

## رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح کا تجزیاتی جائزہ

غبار راہ سے کہہ دو سنبھالے نقش قدم ‏ ‏ ‏ زمانہ ڈھونڈھے گا انہیں رہبری کے لیے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے قوم مسلم کے معاشی فلاح وبہبود کے لیے ایک مستقل رسالہ بنام''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' تصنیف فرمایا۔مجدد موصوف نے اس میں معاشی کامرانی کے لیے چار نکات بیان فرمائے،پھران چاروں امور سے متعلق اپنے زمانے کے مسلمانوں کے عملی حالات بھی تحریر فرمائے۔اب بہت سے حالات بدل چکے ہیں ۔بعض حالات میں کچھ اچھائی پیدا ہوئی اوربعض حالات پہلے سے بھی بدتر ہوچکے ہیں۔نکات وحالات کے ساتھ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے متعدد ہدایات بھی درج فرمائی ہیں ۔ہم نے اس مضمون میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرمودات وارشادات کو آسان لفظوں میں کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ بیان کیا ہے،تاکہ عام مسلمانوں کے لیے مقاصد تک رسائی آسان ہوسکے۔آسانی کی خاطر چاروں نکات کے ساتھ ہی ان امور سے متعلق عملی حالات کے خلاصے بھی شامل کردیئے گئے ہیں،پھر اخیر میں بعض ہدایات کی تلخیص رقم کی گئی ہے:وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

## امر اول: نزاعی امور کا حل کیسے کیا جائے؟

بعض ایسے اختلافی ونزاعی امور ہیں،جن کا حل اہل حکومت ہی کر سکتے ہیں۔ان امور کے لیے تھانہ،کورٹ وکچہری جانا ہوگا ، اور بہت سے امور ایسے ہیں جن کا حل مسلمان خود ہی کر سکتے ہیں۔کورٹ کچہری میں فیصلے بھی بہت تاخیر سے ہوتے ہیں ،ساتھ ہی روپیوں کی بھی بہت بربادی ہوتی ہے۔اس لیے مسلمان کورٹ کچہری کی بجائے اپنے درمیان ہی ان معاملات کے حل اورفیصلوں کا اہتمام کریں ،تاکہ دولت وثروت کی بھی بربادی نہ ہو،اورقوم مسلم مشقتوں سے بھی محفوظ رہ سکے۔

## مسلمانوں کی عملی حالت

مسلمانوں کی عملی حالت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے باہمی فیصلوں میں اپنے دعویٰ سے کچھ بھی کمی ہوئی تو وہ منظورنہیں کرتے اورکورٹ کچہری میں ہزاروں روپے برباد کردیتے ہیں ،حتی کہ چندروپوں کی زمین کے فیصلے کے لیے کورٹ میں ہزاروں روپے خرچ ہوجاتے ہیں ۔ دونوں فریق کونقصان اٹھانا پڑتا ہے ،فائدہ کسی کونہیں ہوتا۔اس حالت میں تبدیلی لائی جائے۔

### توضیح وتبصرہ:

غیرفوجداری معاملات اور عائلی ومعاشرتی امور کے حل کے لیے اب مسلمانوں نے جابجا''دارالقضا''تعمیر کیا ہے۔مسلمانوں کو چاہئے کہ غیرفوجداری امور کے حل کیلیے دارالقضا جائیں ،تاکہ آسانی کے ساتھ اختلافی مسائل حل ہوسکیں۔

عہد حاضر میں عام طور پرایک مرکزی دارالقضا ہے ،پھر جگہ جگہ اس کے ماتحت متعددعلاقوں میں دارالقضا ہیں۔مرکزی دارالقضا کو اپنے ماتحت دارالقضا کے قاضیوں اور وہاں کے فیصلوں کے بارے میں موقع بموقع تفتیش وتحقیق کرتے رہنا چاہئے ۔حالات زمانہ کے اثرات سے اسلامی دارالقضا کے قاضیوں اورعملہ کا متاثر ہونا کچھ بعید نہیں۔

## امر دوم: قوم مسلم کوخریداری کہاں کرنی چاہئے؟

مسلمان اپنی قوم کے علاوہ کسی سے کچھ نہ خریدیں ،تاکہ گھر کا نفع گھر ہی میں

رہے۔اپنے پیشے اور تجارت کو ترقی دیں، تاکہ کسی امر میں ہم غیروں کے محتاج نہ رہیں۔

## مسلمانوں کی عملی حالت

مسلمانوں کی عملی حالت یہ ہے کہ خاندانی لوگ حرفت وتجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور سرکاری نوکریوں کے لیے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔نوکریوں میں حرام کام کرنے اور حرام مال کھانے کو بھی عزت سمجھتے ہیں۔اگر مسلمان تجارت کرتے ہیں تو خریداروں کو اتنا بھی احساس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریداری کریں، گرچہ کچھ زائد پیسے دینے پڑیں کہ نفع اپنے ہی بھائی کا ہو۔ادھر مسلمان دوکانداروں اور تاجروں کی حالت یہ ہے کہ اگر غیر قوم کے لوگ ایک پیسہ نفع لیتے ہیں تو مسلمان چار پیسہ نفع لیتے ہیں اور مال بھی اعلیٰ درجے کا نہیں رکھتے۔

ہمارے اغیار تجارت کے اصول سے واقف ہیں کہ نفع کم رکھنے سے فروخت زیادہ ہوتی ہے اور نفع کی مجموعی مقدار بھی زیادہ ہوتی ہے اور مسلمان یہ چاہتا ہے کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے حاصل کرلے۔خریدنے والے مجبور ہوکر غیروں سے خرید لیتے ہیں۔مسلمان دوکانداروں اور تاجروں کو اس عادت سے باز آنا چاہئے۔

### توضیح وتبصرہ:

مسلمانوں کو تجارت کے مضبوط اصول پر عمل کرنا چاہئے۔امام اہل سنت قدس سرہ نے اپنے زمانے کے جو حالات بیان کیے ہیں، مسلم تاجروں اور دوکانداروں کی حالت آج بھی وہی ہے کہ ایک ہی خریدار سے سارا نفع حاصل کرلینا چاہتے ہیں۔اگر چیزوں کی قیمت کم رکھی جائے تو خریدار زیادہ آئیں گے اور سامان زیادہ فروخت ہوگا۔اس طرح نفع کی مقدار زیادہ ہوگی۔

تجارت وملازمت میں تجارت کو فوقیت حاصل ہے۔احادیث مبارکہ میں بھی تجارت کی ترغیب آئی ہے۔قوم مسلم کی تاجر پیشہ جماعت یعنی میمن برادری اور قوم ہنود کی تاجر پیشہ قوم یعنی بنیا قوم کبھی ملازمت کی جانب مائل نہیں ہوتی۔ظاہر ہے کہ ملازمت میں آمدنی کی مقدار محدود ومتعین ہوتی ہے کہ اس سے کم وبیش ہونے کی امید نہیں ہوتی اور تجارت کا دروازہ بہت وسیع ہوتا ہے۔آج جو بھکاری ہے،کل وہ ارب پتی ہوسکتا ہے۔ہم نے ریاست کیرلا وکرناٹک میں متعدد لوگوں کو دیکھا کہ وہ ملازمت چھوڑ کر تجارت سے منسلک ہوگئے اور بہت کامیابی پائے۔

## امر سوم: مالدار مسلمان بینک کھولیں

ملک کے مالدار مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بینک کھولیں ۔سود کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے،لیکن نفع حاصل کرنے کے بہت سے جائز طریقے ہیں،جن کا بیان فقہ کی کتابوں میں موجود ہے ۔اس کا ایک بہت آسان طریقہ کتاب ’’کفل الفقیہ الفاہم‘‘ میں چھپ چکا ہے ۔ان جائز طریقوں پر نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضرورت بھی پوری ہوتی ۔ابھی رقم ادا نہ کرنے کے سبب مسلمانوں کی جائیدادیں غیروں کی ہوتی جارہی ہیں،مسلمانوں کا یہ نقصان بند ہوجاتا اور ہماری جائیدادیں محفوظ رہتیں۔

## مسلمانوں کی عملی حالت

مالدار مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اکثر امیر ورئیس لوگ ناجائز کاموں میں لاکھوں روپے لٹا دینے کو فخر سمجھتے ہیں اوراپنے مرتے بھائی کوتھوڑی سی رقم دینا بھی گوارانہیں کرتے ۔بعض لوگوں نے غیروں سے سیکھ کر سودی لین دین شروع کیا ہے ۔اب وہ جائز نفع کی جانب توجہ بھی نہیں کرتے ،نیز یہ کہ اگر غیر ایک پیسہ سود لیتے ہیں تومسلمان دو پیسہ سے کم پر راضی نہیں ہوتے ۔آخرکار مسلمانوں کوسودی رقم کے لیے بھی غیروں کے پاس جانا ہوتا ہے اور پھر رقم ادا نہ کرنے کے سبب ان کی جائیدادیں غیروں کے قبضہ میں چلی جارہی ہیں اور مسلمان روز بروز کمزور ہوتے جارہے ہیں۔

### توضیح وتبصرہ:

امام احمدرضا قادری نے غیر سودی بینک کا جونظریہ پیش کیا ہے، مسلم وغیرمسلم حکومتوں ودیگر کمپنیوں نے بھی اس پرعمل درآمد شروع کر دیا ہے۔امام احمدرضا کو یہ فکرتھی کہ مسلمانوں کی جائیدادیں رفتہ رفتہ غیروں کے قبضہ میں چلی جارہی ہیں ،اس کا تحفظ کیا جائے ۔کیا آج ہم نے کبھی مسلمانوں کی دنیوی بھلائی کے لیے کبھی غور وفکر کیا ہے؟ آج ہماری فکروں کوصحیح سمت نہیں مل سکی ہے ۔ہمیں اس بارے میں سوچنا ہوگا ۔مسلمانوں کے اموال وجائیداد کی بات رہنے دی جائے۔مسلمانوں کی گردنیں کاٹی جارہی ہیں۔

مسلم عورتوں کی بالجبر عصمت دری کی جارہی ہے۔چھوٹے چھوٹے بچوں کو ذبح کیا جارہا

ہے ۔اسلامی قوانین میں تبدیلیاں لائی جارہی ہیں ،لیکن مذہبی رہنماؤں کے لبہائے مبارک مبنی برسکوت ہوچکے ہیں۔ ہمارا وہ عباسی مجاہد چالیس سال قبل دنیا چھوڑ گیا ۔ اب ہم کسے پکاریں؟ اے کاش! رب تعالیٰ کسی مجاہد ملت کو پھر پیدا فرماتا۔

## امر چہارم: احکام شریعت پر عمل کریں

مسلمان علم دین حاصل کرے اور اسلامی شریعت پر عمل کرے ۔خدا ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے احکام پر عمل کے سبب ہی انہیں دنیاوی عزت ونعمت ،دولت وحکومت عطا کی گئی، پھر اللہ ورسول کی نافرمانی کے سبب مسلمانوں کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔علم دین سیکھنا اوراس پر عمل کرنا دونوں جہاں کی سرخروئی ہے۔مسلمان محض دنیاوی علم حاصل کرکے خود کوترقی یافتہ سمجھتا ہے،حالاں کہ جسے وہ ترقی وعروج سمجھ رہا ہے،وہ تنزلی اورزوال ہے۔

## مسلمانوں کی عملی حالت

مسلمانوں نے دنیاوی تعلیم کو رزق کا ذریعہ سمجھ لیا ہے ،حالاں کہ دنیاوی تعلیم حاصل کرکے نوکری پانا بھی مشکل ہے۔نوکری کے لیے عمر کی شرط ہے، پاس ہونا شرط ہے۔ بدقسمتی یہ کہ مسلمان ہی زیادہ فیل ہوتے ہیں۔اگر پاس بھی ہوگئے تو نوکری کا کچھ پتہ نہیں ۔اگر نوکری بھی ملی توصریح ذلت کی نوکری ۔اگر عزت بھی ملی تو ایسی کہ وہ شریعت کی نگاہ میں ذلت ہے۔عمر کا ابتدائی حصہ تعلیم کا زمانہ ہے،اس کو دنیاوی تعلیم میں گذار دیا،اب دین کا علم کب سیکھیں گے۔ایسے لوگ دین کا مذاق اڑاتے ہیں ۔اپنے باپ دادا کو جنگلی اور بے وقوف سمجھتے ہیں۔ یہ ترقی نہیں ، بلکہ ذلت وخواری ہے۔مسلمانوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے۔

### توضیح وتبصرہ:

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے اپنے عہد کے حالات بیان فرمائے ۔آج حالات بدل چکے ہیں۔ آج دنیاوی زندگی کے لیے جن علوم وفنون کی ضرورت ہے،ان کی تعلیم اسکول وکالج میں ہوتی ہے ۔مدارس عربیہ کے نصاب میں ان علوم وفنون کوشامل نہیں رکھا گیا ہے۔عہد ماقبل میں جن علوم وفنون کی ضرورت دنیاوی زندگی میں ہوتی تھی ،وہ علوم وفنون بھی شامل نصاب تھے اور دینی ودنیاوی علوم کی تفریق نہ تھی ۔رفتہ رفتہ ہم نے مدارس عربیہ کے نصاب

تعلیم کو مذہبی علوم تک محدود کر دیا۔ مذہبی علوم کے علاوہ محض وہ علوم شامل نصاب رکھے گئے، جن کی ضرورت مذہبی علوم کے افہام وتفہیم کے لیے ضروری ہیں مثلاً نحو، صرف، بلاغت وغیرہ۔

اب ہمارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ مدارس عربیہ کے نصاب ونظام میں تبدیلی لائیں یا دنیا سے منقطع ہوکر کسی ویرانے میں چلے جائیں ۔ اسی طرح اسکول وکالج کا نصاب تعلیم دینی علوم سے خالی ہے، اس لیے اسکول وکالج کے طلبہ وطالبات کے لیے بھی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے ۔ ابھی ایسا طریق کاررائج ہے کہ دینی تعلیم پانے والے دنیوی تعلیم سے ناواقف رہ جاتا ہے اور دنیوی تعلیم پانے والے دینی تعلیم سے محروم رہ جاتا ہے، حالانکہ عصر حاضر میں دونوں تعلیم کی ضرورت ہے ۔ میں نے ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے تعلیمی مسائل کی بارہ قسطوں میں ان امور کی تفصیل رقم کی ہے ۔

## امام اہل سنت کی ہدایات

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا کہ ان امور سے اسی وقت فائدہ ہوسکتا ہے، جب ان پر عمل کیا جائے۔ محض کسی چیز کو لکھ دینا کچھ فائدہ نہیں رکھتا ۔ اگر مسلمان ان چار باتوں پر عمل کرلیں توان کی حالت سنبھل جائے۔ مجدد موصوف نے فرمایا کہ ان چارامور سے متعلق بیداری لانے کے واسطے ہرشہر وہر قصبہ میں جلسہ کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کردیں۔ مزید فرمایا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف ہمارے کرنے سے کیا ہوگا ۔ اگر ہر کوئی یہی سوچ لے تو کوئی کچھ نہ کرے گا ۔ اچھا طریقہ یہی ہے کہ ہر کوئی یہ سوچے کہ یہ کام مجھ کو ہی کرنا ہے۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ہر کوئی یہ کام کرے گا۔ چند جگہ یہ کام جاری کیا جائے اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ عام ہوجائے گا ۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: }ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم{ (سورہ رعد: آیت ۱۱) ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں (کنزالایمان)۔ اسی مفہوم کو شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے اس طرح بیان کیا: خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جسے نہ ہوخیال خود ہی اپنی حالت بدلنے کا۔

یہ تھے مجدد اسلام جو قوم مسلم کی معاشی حالت کی بہتری کے لیے بلاد وقصبات میں جلسوں کی ترغیب دے رہے ہیں۔ قوم کی زمین وجائیداد کے تحفظ کے لیے باضابطہ تحریریں لکھ

رہے ہیں۔ اصحاب نظر وفکر کو اس جانب متوجہ فرمارہے ہیں ،لیکن آج ہم تارک الدنیا ہو چکے ہیں ۔ دنیا واہل دنیا سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ۔ ہماری تحریر وتقریر کا دائرہ محدود ہو چکا ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ہم تارک الدنیا ہو چکے ہیں یا ہماری رہنمائی اورقیادت ناقص ہوچکی ہے؟ بلکہ ہم اسلاف کرام کی وراثت کو صحیح طور پر سنبھال نہیں پارہے ہیں۔ہم اپنے بزرگوں کی عطا کردہ امانت کو قوم تک صحیح ڈھنگ سے پہنچا نہیں پارہے ہیں۔ہم نے اپنی قیادت ورہنمائی کو شرعی امور تک محدود کرلیا ہے۔ہمیں اسلام کے تحفظ وبقا کے ساتھ اہل اسلام کے تحفظ وبقا کی بھی فکر کرنی چاہئے ۔مساجد کی حفاظت کے ساتھ نمازیوں کی حفاظت کا بھی خیال کرنا چاہئے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

# بابِ معیشت میں امام احمد رضا کی نقل کردہ احادیث کی تلخیص

{مولانا مَلِک محمد شبیر عالم مصباحی (بانی سدرۃ المنتہیٰ دارالافتا، کلکتہ}

گھٹے اگر تو بس اِک مُشت خاک ہے ورنہ بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے

چودھویں صدی ہجری کے مجدد، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''اعلیٰ حضرت'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے پچاس سے زائد علوم و فنون میں تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ مختلف ممالک کے ۳۵/سے زیادہ ریسرچ اسکالرس آپ کی تحقیقات اور مضامین پر تحقیقی مقالے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آپ کی تصنیفات و تحقیقاتی مضامین اور علمی شخصیت پر سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آج بھی ایک بڑی تعداد ایسے محققین، مصنفین اور مؤلفین کی ہے جو آپ کی تحقیقات پر منہمک ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کے پاس جو سوال آتا، اس کا جواب اتنا تحقیقی اور تفصیلی انداز میں دیتے کہ اس میں چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ ہی آپ کو اپنے قول یا اپنے موقف سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو جس طرح اسلامیات پر عبور حاصل تھا۔ اسی طرح دوسرے علوم وفنون میں بھی دسترس تھا۔ اور خلوص وللہیت کے سبب آپ کو تائیدِ غیبی بھی حاصل تھی۔

آپ نے اپنے دَور میں اٹھنے والے ہر فتنے کا تحقیقی جواب دیا ہے۔ چاہے وہ ''ردِّ قادیانیت'' ہو، یا ''ردِّ وہابیت'' ہو، انگریزوں کے خلاف محققانہ بیان ہو، یا تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات کا افشائے راز ہو، ''ردحرکت زمین'' کا تصور ہو، یا امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ کی تحقیق کے مطابق دنیا کی تباہی کی پیشین گوئی ہو، یا آئزک نیوٹن اور آئین اسٹائین کے خلاف فاضلانہ تحقیق ہو۔ ہر طرح کے باطل نظریات کے مقابلے میں امام احمد رضا نے اپنی رائے پیش کی اور ان کی تحقیق پر اپنی تحقیق پیش کی۔ اور اہل علم و دانش نے

دیکھا کہ امام اہلسنت نے جو کہا تھا اور لکھا تھا، وہی صحیح ثابت ہوا۔

مسلمانوں کی معاشی بد حالی کیسے ختم ہو؟ اس سوال کے جواب میں آپ نے ایک گراں قدر رسالہ بنام ''تدبیر فلاح ونجات'' لکھا، جو ۱۹۱۲ء میں کولکاتا (کلکتہ) سے شائع ہوا تھا۔ آپ نے اس رسالہ میں یہ مشورہ دیا تھا:

**(۱)** حکومتی معاملات کو چھوڑ کر مسلمان اپنے معاملات اور مقدمات کا فیصلہ خود کریں، تا کہ گھر کے گھر تباہ ہونے سے بچیں اور اسٹامپ پیپر اور وکالت میں خرچ ہونے والے کروڑوں روپے بھی محفوظ ہوجائیں۔

**(۲)** خرید وفروخت اور لین دین آپس میں کریں۔ تھوڑا نفع رکھ کر مال زیادہ فروخت کریں۔ اور مسلمان خریدار یہ سوچ کر خریدے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع دے رہا ہے۔

**(۳)** مالدار مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں تا کہ انھیں قرض ملے، ان کی ضرورت پوری ہو۔ اور ان کے سامان و جائداد پر دوسرے قابض نہ ہوسکیں۔ مالدار مسلمان اگر دین داری کی بنیاد پر غریب مسلمانوں کو قرض فراہم نہ کرسکیں تو سودی نفع کے علاوہ دوسرے جائز طریقے سے ان سے نفع حاصل کر کے غریب مسلمانوں کی ضرورت پوری کریں تا کہ مسلمان، بنیئے اور مارواڑی کے چنگل میں پھنس کر خود کو تباہ نہ کریں۔

**(۴)** سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل وہ دین متین تھا جس نے اگلوں کو بلند مرتبہ پر پہنچایا، اور نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔ ضرورت ہے کہ علم دین کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

ان نکات پر عمل کرنے سے معاشی حالات کے سدھرنے کا آپ کو اتنا یقین تھا کہ خود فرماتے ہیں: ''**ذمہ دار حضرات قصبہ وشہرو میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چاروں باتوں پر قائم کریں، پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے**''۔

مسلمانوں نے تقریباً ۱۰۷ رسال پہلے اس نسخۂ کیمیا کو پا کر بھی ان پر عمل نہیں کیا، تو وہ معاشی اعتبار سے کمزور ہوگئے اور جو صاحبِ مال تھے، وہ دوسروں کے دست نگر بن گئے۔

دوسرے ممالک کے لوگوں کو ان نکات کا علم ۲۴ رسال کے بعد تقریباً ۱۹۳۶ء میں اس

وقت ہوا جب کہ وہ بالکل کنگال ہو چکے تھے ۔لیکن ان لوگوں نے عمل کیا تو ان کی کرنسی اتنی مضبوط ہوگئی کہ اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک بن گئے ۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد معاشی طور پہ تباہ شدہ ممالک کے سامنے انگریز ماہر اقتصادیت جے ۔ایم ۔کینز نے ۱۹۳۶ء میں ایک ''**نظریۂ روزگار و آمدنی**'' پیش کیا تھا ۔اس ''**نظریۂ روزگار و آمدنی**'' میں وہی فکر ، وہی نکات ، مثلاً بچت ، سرمایہ کاری ،آپسی لین دین اور غیر ضروری اخراجات سے بچنے کی ہدایات ہیں ، جو امام **احمد رضا خان** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۲۴ سال پہلے مسلمانوں کو بتادی تھیں ۔جن پر عمل کر کے وہ حکومتیں عالمی معیشت پر قابو پانے کے لائق ہوگئیں ۔اگر مسلمانوں نے اپنے مفکر کی باتوں پر عمل کیا ہوتا تو وہ معاشی اعتبار سے اتنے کمزور نہ ہوتے ۔ضرورت ہے کہ ان باتوں پر عمل کیا جائے ۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاوے اور رسالوں میں معاشی افکار و نظریات کے حوالے سے جو احادیث پاک کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے ۔اب اس کا ایک مختصر سا خلاصہ پیش خدمت ہے ۔تاکہ مسلمان حصولِ رزق کی فضیلت و اہمیت ، اس کے شرعی قوانین ، حلال وحرام ، جائز و ناجائز کے فرق کو سمجھ کر ایک کامیاب تاجر بنیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں ۔

## رزقِ حلال حاصل کرنے کی فضیلت :

{۱} حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

**طَلَبُ کَسَبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔ آدمی پر فرض کے بعد دوسرا فرض کسب حلال کی تلاش ہے ۔**

(**المعجم الکبیر للطبرانی**، ج : دہم ،ص : ۹۰ ☆ **فتاویٰ رضویہ**، جلد : ۱۱ ،ص : ۱۷۹ )

{۲} ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسَبِکُمْ ۔ سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاؤ۔**

(السنن لابن ماجہ، ج: اول، ص: ۱۵۵، بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْمَكَاسِبِ )
(المسند لاحمد بن حنبل، ج: دوم، ص: ۱۷۸، بحوالہ: جامع الاحادیث، ج: دوم، ص: ۴۳۲
☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱/ص: ۱۷۹)

{۳} حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا تو حضور نے مجھے دیا، میں نے پھر مانگا تو پھر حضور نے عطا فرمایا، میں نے ایک مرتبہ پھر سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر مجھے دیا اور فرمایا: يَاحَكِيْمُ! اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ، وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ، وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ،

اے حکیم! بے شک یہ مال سرسبز اور بہت میٹھا ہے لیکن جو اس مال کو نفس کی قناعت کے ساتھ لیتا ہے۔ اس کے لیے اس مال میں برکت ڈالی جاتی ہے۔ اور جو اس مال کو لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے لیے وہ مال مبارک نہیں ہوتا اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہے مگر آسودہ نہیں ہوتا۔

(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۱۹۹، كِتَابُ الزَّكوٰةِ، بَابُ الْاِسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، حدیث نمبر: 1472 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱/ص: ۱۸۴)

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش اس مُردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دنیاوی ساز و سامان میں عیش و آرام اور نظروں کی آسودگی ہے۔ لیکن اسی کے لیے جو جائز طریقہ سے حاصل کرے۔ خیر و برکت کے سبب تھوڑا پا کر بھی وہ سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور ناجائز و حرام طریقہ سے حاصل کرنے والا، اگرچہ بہت کچھ حاصل کرلے، خیر و برکت نہ ہونے کے سبب اسے سکون کی نیند نصیب نہیں ہوتی۔

## دست کاری کی کمائی افضل ہے:

{۴} حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں: قَالَ رَجُلٌ مِّنْ

اَصْحَابِہٖ : یَارَسُوْلَ اللہِ ! اَیُّ الْکَسَبِ اَفْضَلُ ؟ فَقَالَ : عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ۔

صحابہ میں سے کسی شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! (عَلَیْكَ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ)، سب سے بہتر کمائی کون سی ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا: **اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر مقبول تجارت جو ہر قسم کی شرعی خامی سے پاک ہو۔**

**(مسند امام احمد بن حنبل**، ج: چہارم، ص: ۱۴۱، **حدیث نمبر: 17265 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ ص: ۱۸۰)**

**{۵}** حضرت مِقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ ، وَاِنَّ نَبِیَّ اللہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔ **کبھی کسی آدمی نے کسی قسم کا کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھایا۔ اور بے شک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔**

**(بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۲۷۸، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، بَابُ کَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِہٖ بِیَدِہٖ، **حدیث نمبر: 2072 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ ص: ۱۷۹)**

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سب سے بہتر کمائی اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے یا ایسی تجارت ہے جس میں ناجائز وحرام کا کوئی پہلو نہ ہو۔ اور اپنے ہاتھوں سے کمانا اور تجارت کرنا، اللہ کے نبی کی سنت ہے۔

## پیشہ ور آدمی کی فضیلت

**{۶}** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ۔ **بے شک اللہ تعالیٰ پیشہ ور مومن بندے کو دوست رکھتا ہے۔**

**(شعب الایمان للبیہقی**، **حدیث نمبر: 1181) (الجامع الصغیر للسیوطی**، ج: اول، ص:

۱۱۶ ، ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ رص: ۱۸۰ )

اس حدیث سے ، ہنر مندوں اور کاریگروں کی فضیلت معلوم ہوئی ۔ جیسے درزی ، کارپینٹر، جرّاح ، لوہار، الیکٹریشین ، راج مستری ، وغیرہ ۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ''**ہنر مند آدمی کبھی بھوکا نہیں مرتا**'' ۔

## طلب معاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم

{۷} حضرت ابوحمید ساعِدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

**اِجْمَلُوْا فِیْ طَلَبِ الدُّنْیَا ، فَاِنَّ کُلًّا مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ مِنْھَا۔**

**دنیا کی طلب اور جستجو میں اچھا طریقہ اپناؤ ، بے شک جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے وہ اسے ضرور پائے گا۔**

**(السنن لابن ماجہ ، ج :اول ،ص: ۱۵۶ ، بَابُ الْاِقْتِصَادِ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ ، حدیث نمبر: 2142 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ رص: ۱۸۴ )**

{۸} حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

**یَااَیُّھَا النَّاسُ ! اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ اجْمَلُوْا فِیْ الطَّلَبِ ، فَاِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَوْفِیَ رِزْقَھَا ، فَاِنْ اَبْطَأَ مِنْھَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ ، وَ اجْمَلُوْا فِیْ الطَّلَبِ ، خُذُوْا مَا حَلَّ وَ دَعُوْا مَا حَرَّمَ۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ، اور رزق طلب کرنے میں اچھا طریقہ اپناؤ ۔ کیوں کہ کوئی جان دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے ۔ پس اگر تم رزق میں تاخیر دیکھو تو اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی تلاش کرو ۔ حلال کو لو اور حرام کو چھوڑ دو۔**

**(السنن لابن ماجہ ، ج :اول ،ص: ۱۵۶ ، بَابُ الْاِقْتِصَادِ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ ، حدیث نمبر: 2143 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ رص: ۱۸۴ )**

ان دونوں حدیثوں سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ طلب معاش میں جائز اور حلال طریقہ اپنایا جائے ، کیوں کہ جو ملنا مقدر ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ مل نہیں جاتا

انسان مر بھی نہیں سکتا۔

## حلال رزق حاصل کرنے کی ترغیب

{۹} حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

**وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ فَیَذْھَبَ بِہٖ اِلَی الْجَبَلِ، فَیَحْتَطِبَ ثُمَّ یَاْتِیْ بِہٖ فَیَحْمِلَہٗ عَلٰی ظَھْرِہٖ، فَیَاْکُلَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّسْئَلَ النَّاسَ، وَلَاَنْ یَّاْخُذَ تُرَابًا فَیَجْعَلَہٗ فِیْ فِیْہِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّجْعَلَ فِیْ فِیْہِ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اپنی رسی لے کر پہاڑ کی طرف جائے۔ پھر لکڑی چنے، اس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، پھر اسے بیچ کر کھائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ اور اپنے منہ میں خاک بھر لینا، یہ بہتر ہے، اس بات سے کہ اپنے منہ میں ایسی چیز ڈالے جس کو اللہ نے حرام کیا۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۳۱۹، کِتَابُ الْمُسَاقَاتِ، بَابُ بَیْعِ الْحَطَبِ وَالْکَلَاءِ، **حدیث نمبر: 2373**) ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۰، ص: ۷۳**)

{۱۰} حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**لَاَنْ یَحْتَطِبَ اَحَدُکُمْ حُزْمَۃً عَلٰی ظَھْرِہٖ، خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَسْأَلَ اَحَدًا، فَیُعْطِیَہٗ اَوْ یَمْنَعَہٗ۔ معیشت کی تلاش میں تم میں سے کسی کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے، پھر وہ اسے دے یا نہ دے۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۲۷۸، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، بَابُ کَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِہٖ بِیَدِہٖ، **حدیث نمبر: 2074** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱ ص: ۱۷۹**)

ان حدیثوں میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ محنت اور مزدوری کر کے روزی کمانا، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگنے سے بہتر ہے۔ کیوں کہ بھیک مانگنے سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور مانگنے پر کچھ نہ ملنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔

**اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی**

ان احادیث کونقل کرنے کے بعد امام احمد رضا خان محدث بریلوی ارشادفرماتے ہیں :

**''ان احادیث سے ثابت ہوا کہ تلاش حلال اور فکر معاش اور تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں ۔ بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے''۔ ( فتاویٰ رضویہ، جلد:۱۱ ؍ص:۱۸ )**

## حصولِ معاش میں ہونے والی تکلیف گناہوں کا کَفَّارہ:

{۱۱} حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا ، لَایُکَفِّرُھَا الصَّلٰوۃُ ، وَلَاالصِّیَامُ ، وَلَا الْحَجُّ ، وَلَا الْعُمْرَۃُ ، یُکَفِّرُھَا الْھُمُوْمُ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ۔ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا کفّارہ نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ حج، اور نہ عمرہ۔ ان کا کَفَّارہ وہ پریشانیاں ہوتی ہیں جو تلاشِ معاش میں جھیلنی پڑتی ہیں۔**

**( مجمع الزوائد للھیثمی ، ج: چہارم، ص: ۶۳، کنز العمّال للمتقی، ج: ششم، ص: ۱۷۴ ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۱، ص: ۱۸۴ )**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رزق حلال کی تلاش میں محنت و مشقت، سفر کی صعوبت اور وطن سے دوری ایسے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جن کا کفارہ نماز اور روزہ نہیں بن سکتے۔

## کسی کی قیمت پر اپنی قیمت نہ لگاؤ:

**{۱۲}** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں :

**قَدْنَھَی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سَوْمِ الرَّجُلِ عَلٰی سَوْمِ اَخِیْہِ۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آدمی کو اس کے بھائی کی لگائی ہوئی قیمت پر قیمت لگانے سے منع فرمایا ہے۔

**( مسند امام احمد بن حنبل ، ج: دوم، ص: ۴۱۱ ، ) ( مسلم شریف ، ج: دوم، ص: ۳ ، بَابُ تَحْرِیْمِ بَیْعِ الرَّجُلِ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْہِ، حدیث نمبر: 1515 ، فتاویٰ رضویہ، جلد: ۶، ص: ۱ )**

## کسی کا مال غصب نہ کرو:

{۱۳} حضرت ابوسَلَمَہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا گیا توام المومنین نے فرمایا: اے ابوسَلَمَہ! زمین سے بچو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ۔

**جو کسی کی ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا اتنی زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۳۳۱، **کِتَابُ الْمَظَالِمِ وَالْقِصَاصِ، بَابُ اِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَیْئًا مِنَ الْاَرْضِ**، **حدیث نمبر: 2453**)

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۴۵۴، **کِتَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ، بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ**، **حدیث نمبر: 3196 -3195** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۸/ص: ۱۴۰**)

اس حدیث سے ایسے لوگوں کو سبق لینے کی ضرورت ہے جن کے بھائی اور رشتہ دار اپنے وطن سے دور رہتے ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں گھر کے لوگ ان کی زمین، جائداد اور ان کے گھر پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں۔

## کسی کا مال ناحق مت کھاؤ:

{۱۴} حضرت ابوحمید ساعِدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّاْخُذَ عَصَا اَخِیْهِ بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ قَالَ ذٰلِکَ لِشِدَّةِ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ۔ کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی چھڑی بغیر اس کی مرضی کے لے لے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے۔**

(**الترغیب والترہیب**، بحوالہ: ابن حبان، ج: سوم، ص: ۱۷، **حدیث نمبر: 9** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷/ص: ۴۷**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال لینا حلال نہیں

۔قرآن کریم سے بھی یہی تعلیم ملتی ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ۔}

(پارہ: ۵،سورہ: النساء،آیت: ۲۹)

**اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ،مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضامندی کا ہو۔**

**اپنی کمائی برباد نہ کرو**

**{۱۵}** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

**کَفٰی بِالْمَرْئِ اِثْمًا اَنْ یُّضِیعَ مَنْ یَّقُوْتُ۔ آدمی کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ اپنا رزق برباد کردے۔**

(**السنن لابی داؤد**، ج: اول،ص: ۲۳۸، بَابُ فِیْ صِلَۃِ الرحَمِ، **حدیث نمبر: 1692** ☆ **فتاویٰ رضویہ،جلد: ۶،ص: ۱**)

اس حدیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لیے غیر ضروری جگہ پر مسلمان جو اپنا مال خرچ کرتا ہے اور بے جا رسم و رواج میں اپنا مال برباد کرتا ہے یہ گناہ کا سبب ہے۔

## ضرورت کے بغیر باپ دادا کی جائداد نہ بیچو:

**{۱۶}** حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

**مَامِنْ عَبْدٍ یَبِیْعُ تَالِدًا اِلَّا سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ تَالِفًا۔**

**جو آدمی اپنا موروثی جائداد بیچ دیتا ہے اس کی رقم برباد ہو کر ہی رہتی ہے۔**

(**کنز العمال للمتقی**، ج: دوم،ص: ۵۱، **حدیث نمبر: 5443** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۴/ص: ۵۰۵**)

اس حدیث سے ایسے لوگوں کو سبق لینے کی ضرورت ہے جو گاؤں دیہات سے آکر

شہروں میں رہنے لگتے ہیں۔ اور جب ان کی اپنی کمائی سے جائز و ناجائز ضرورت پوری نہیں ہوتی، تو اپنی جھوٹی شہرت کا بھرم رکھنے کے لیے آبا و اجداد کا مکان، زمین اور جائداد بیچ دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بھی سبق لینے کی ضرورت ہے جو یورپ و امریکہ میں جا کر رہنے لگتے ہیں، اور وہاں کے لوازمات پوری کرنے کے لیے جب ان کی اپنی کمائی تنگ پڑتی ہے تو اپنے وطن کا پشتینی جائداد بیچ دیتے ہیں۔ اور اپنی آنے والی نسلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بالکل منقطع کر دیتے ہیں۔

## بلاضرورت گھریلو سامان نہ بیچو:

{۱۷} حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَاعَ عُقْرَ دَارٍ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلٰى ثَمَنِهَا تَالِفًا يَتْلُفُهٗ۔

**جس نے گھر کا سامان بغیر کسی ضرورت کے فروخت کر دیا اس کا روپیہ برباد ہی ہوجاتا ہے۔**

(**کنز العمال للمتقی**، ج: دوم، ص: ۵۱، **حدیث نمبر: 5442** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۴ رص: ۵۰۵**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت اور بغیر کسی خرابی کے مہنگے داموں میں خریدا ہوا گھریلو سامان، گاڑی، الماری وغیرہ اونے پونے داموں میں فروخت کر کے، پھر سے نیا لینے کا مطلب اپنے مال کو برباد کرنا ہے۔

## سود اور اس سے بچنے کی فضیلت:

سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور اس کا استحقاق عقد سے ہوا ہو۔ یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعاً کوئی عوض نہ ہو۔ (**فتاویٰ رضویہ، جلد: ۱۸ رص: ۳۵۷، مترجم**)

زمانۂ جاہلیت میں خرید و فروخت اور لین دین میں سود کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ سودی تجارت کے سبب غریب تاجر اپنی جائداد اور مال و متاع سے بے دخل ہو کر کنگال ہو جاتا تھا۔

اس لیے شریعت نے سُود کوحرام فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔} (پارہ: ۳، سورہ: بقرہ، آیت: ۲۷۵) **اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔**

{یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔} (پارہ: ۳، سورہ: بقرہ، آیت: ۲۷۶)

**اللہ ہلاک کرتا ہے سُود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو:**

سُودی مال کو گھٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مال کو برکت سے خالی فرمادیتا ہے اور صدقہ کے بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد جو مال بچتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے۔ زیادہ دولت بنتی ہے۔ صدقہ کرنے والا تنگ دست نہیں ہوتا اور آخرت میں اس کو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا۔ (**خزائن العرفان**)

{اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔} (پارہ: ۳، سورہ: البقرہ، آیت: ۲۷۵)

**وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنادیا ہو، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے اور حلال فرمایا اللہ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو:**

یعنی سود کھانے والا جب اپنی قبر سے اٹھنے کے بعد، میدان قیامت کی طرف چلے گا تو ایسے گرتا پڑتا جائے گا جیسے کسی پر شیطان یا جن سوار ہوکر اس کو دیوانہ کردے اور وہ اپنے جنون کے سبب آسانی سے چل نہ سکے۔

{۱۸} حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

**لَعَنَ اللّٰہُ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُؤَکِّلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَہٗ۔**

**اللہ کی لعنت سُود کھانے والے پر، اور سود کھلانے والے پر، اور اس کے لکھنے والے پر**

اوراس کے گواہ پر۔

**(جامع ترمذی**، ج: اول، ص: ۱۴۵، **بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اٰکِلِ الرِّبٰوا**، **حدیث نمبر: 1206)**

**(مسند امام احمد بن حنبل**، ج: اول، ص: ۳۹۳، **حدیث نمبر: 3725** ☆ **فتاویٰ رضویہ**، **جلد: ۷ / ص: ۷۵)**

**{۱۹}** حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں: **لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَ مُؤَکِّلَہٗ وَ کَاتِبَہٗ وَشَاهِدَیْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہ پر لعنت فرمائی**۔ اورحضور نے فرمایا: **وہ سب برابر کے گنہگار ہیں۔**

**(مسلم شریف**، ج: ۲، ص: ۲۷، **کِتَابُ الْمُسَاقَاتِ، بَابُ الرِّبٰوا**، **حدیث نمبر: 1598** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷ / ص: ۷۵)**

ان دونوں حدیثوں سے **معلوم** ہوا کہ سُود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اورسودی گواہ بننے والے پر اللہ اوراس کے رسول کی لعنت ہے۔

**{۲۰}** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

**اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَیْسَرُهَا کَالَّذِیْ یَنْکَحُ اُمَّهٗ۔**

**سود کا گناہ ستر درجہ ہے، اس میں سب سے آسان تر اس شخص کی طرح ہے جو اپنی ماں پر پڑے۔**

**(السنن لابن ماجہ**، ج: ۲، ص: ۱۶۵، **بَابُ التَّغْلِیْظِ فِی الرِّبٰوا**، **حدیث نمبر: 2274** ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷ / ص: ۸۲)**

## کاروبار میں سود سے بچنے کی صورت

**{۲۱}** حضرت عُقبہ بن عبدالغافِر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس بَرنی کھجور لے کر آئے۔ حضور نے اُن سے دریافت فرمایا: **یہ کھجور کہاں سے لے کر آئے**

؟ عرض کیا: میرے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں، میں نے دو صاع کے بدلے ایک صاع بَرنی کھجور خرید لی تا کہ حضور کو کھلا سکوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**اَوَّہْ اَوَّہْ عَیْنُ الرِّبَا عَیْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، اوہ، توبہ، توبہ، یہ تو سود ہے، بالکل سود ہے، تم ایسا نہ کیا کرو۔**

**وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَشْتَرِیْ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَیْعٍ آخَرَ، ثُمَّ اشْتَرِ بِہٖ۔**

**لیکن جب تم خریدنا چاہو تو اپنی کھجور کسی دوسری چیز کے عوض بیچ ڈالو اور پھر اس کے بدلے دوسری کھجور خرید لو۔**

**(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۳۱۱، کِتَابُ الْوَکَالَۃِ، بَابُ اِذَا بَاعَ الْوَکِیْلُ شَیْئًا فَاسِدًا فَبَیْعُہٗ مَرْدُوْدٌ، حدیث نمبر: 2312، فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷/ص: ۱۹۵)**

**{۲۲}** حضرت ابوسعید خُدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا، وہ واپس آئے تو بہت عمدہ قسم کی کھجور لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: **کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟** عامل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم، خیبر کی ساری کھجوریں تو ایسی نہیں ہیں، ہوتا یہ ہے کہ ہم دو صاع خراب کھجوروں کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجور لے لیتے ہیں اور تین صاع گھٹیا کھجوروں کے بدلے دو صاع عمدہ کھجور لے لیتے ہیں، حضور نے فرمایا:

**لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاھِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاھِمِ جَنِیْبًا۔**

**ایسا نہ کیا کرو، ان گھٹیا کھجوروں کو درہموں سے فروخت کر دیا کرو اور اچھی کھجوروں کو ان درہموں سے خرید لیا کرو۔**

**(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۲۹۳، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، بَابُ اِذَا اَرَادَ بَیْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ، حدیث نمبر: 2202-2201)**

**(بخاری شریف، ج: دوم، ص: ۶۰۹، کِتَابُ الْمَغَازِی، بَابُ اِسْتِعْمَالِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، حدیث نمبر: 4245-4244 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷/ص: ۱۹۵)**

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ کھجور کی خرید و فروخت کھجور کے بدلے کمی و بیشی

کے ساتھ کی گئی تھی ۔ جو سود کے حکم میں تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور دوسری جائز ترکیب یہ بتادی کہ پہلے اپنی کھجور کو فروخت کردو اور جو قیمت ملے اس سے دوسری کھجور خریدلو۔

## قرض کے لین دین میں نفع نہ ہو:

قرض کے لین دین میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی جہت سے سود کا تحقق نہ ہو۔ جیسے اس شرط پر قرض لینا اور دینا کہ اتنا اصل روپیہ جمع رہا اور ہر ماہ اتنا دیا کروں گا، پھر جب اصل طلب کروگے تو پورا واپس کردوں گا۔

اس قسم کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: ''**مسلمان کو اگر سَو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سُود ہے**'' (**فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۱۸ رص: ۳۵۰**)

''**قطعی سود اور یقینی حرام و گناہ کبیرہ ہے۔ اور خبیث و مردود ہے**'' اور اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کی ہے:

{۲۳} امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبوا۔ ہر وہ قرض جو منفعت یعنی نفع کمائے وہ سود ہے۔**

(**کنز العمال للمتقی، ج: ششم، ص: ۲۳۸، حدیث نمبر: 15516 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷ رص: ۵**)

## فائدہ دے کر قرض لینے کی صورت:

کبھی کبھی گھر کی ضرورت اور تجارت کے لیے قرض کی شدید ضرورت پڑتی ہے اور کچھ فائدہ دیے بغیر قرض ملنے کی کوئی صورت نہیں بن پاتی، اور فائدہ دے کر قرض لینے کی شریعت نے اجازت بھی نہیں دی ہے۔ جیسا کہ ماقبل کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اب اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والے کے لیے الگ سے کچھ نفع کا انتظام کردیا جائے۔ تاکہ ضرورت مند کو قرض مل جائے۔ اس کے لیے یہ صورت اپنائی جاسکتی ہیں۔

قرض دینے والا پہلے قرض دے۔ پھر الگ سے کسی ایک نوٹ کو مہنگے دام میں اسی کو

فروخت کردے۔ تو قرض دینے والے کو نفع مل جائے گا اور ضرورت مند کو قرض۔ چناں چہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی فرماتے ہیں:

**''قرض کا نام ہی نہ لیا جائے۔ اور ایک خالص بیع وعدہ معینہ پر ہو، اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگر چہ دس کا نوٹ سو کو بیچے۔ اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا کہ:**

**{وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔} (پارہ: ۳، سورہ: بقرہ، آیت: ۲۷۵) اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔**

**{۲۴}** حضرت اُبیٰ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**اِذَا اخْتَلَفَ النَّوْعَانِ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ۔ جب دو چیزیں نوع کے اعتبار سے مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔**

**(نصب الرایہ للزیلعی، ج: چہارم، ص: ۱۷، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، بَابُ الْبَیْعِ الْفَاسِدِ، ☆ فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد: ۱۸/ص: ۲۷۵)**

**''اور یہ زیادہ قیمت دینا اگر چہ بحالتِ قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگر چہ اولیٰ نہیں، درمختار میں ہے: ''کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں میں خریدنا جائز اور مکروہ ہے''۔''**

**(فتاویٰ رضویہ، جلد: ۹/ص: ۱۸۹) (فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد: ۱۸/ص: ۲۷۵)**

اسی حدیث کے تحت دوسری جگہ لکھتے ہیں: **''روپے کا نوٹ پندرہ آنے کو بیچنا، خریدنا مطلقاً جائز ہے جب کہ باہمی رضامندی سے اور کوئی مانع شرعی عارض نہ ہو۔ اسے سود سے کوئی علاقہ نہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد: ۹/ص: ۱۸۹)**

دوسرے مقام پر مندرجہ ذیل حدیث نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

**{۲۵}** حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**اِذَا اخْتَلَفَتْ ھٰذِہِ الْاَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ۔ جب جنس مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو۔**

(**مسلم شریف**، ج: دوم، ص: ۲۵، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، بَابُ الرِّبوا، ☆ (**فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد: ۱۸/ص: ۴۴۷**)

**"فَمَنِ الْحَاجِرُ بَعْدَ اِذْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"**

**''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے۔''**

## واپس کرنے کی نیت سے قرض لیں:

**{۲۶}** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ ھَا اَدَّی اللّٰہُ عَنْہُ، وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَھَا، اَتْلَفَہُ اللّٰہُ۔**

**جس نے لوگوں کا مال لیا اور وہ اسے ادا کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کردیتا ہے۔ اور جو ہضم کرنے کے لیے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ادا کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۳۲۱، کِتَابُ الْاِسْتِقْرَاضِ، بَابُ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ، **حدیث نمبر: 2387، فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷/ص: ۸۴**)

خرید و فروخت اور تجارت میں قرض کا چلن عام ہے اس لیے حدیث میں یہ تعلیم دی گئی کہ قرض چکانے کی نیت سے قرض لی جائے تاکہ اس کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ اور قرض لینے والا آخرت کے مواخذہ سے بچ جائے۔ ورنہ بدنیتی کی نحوست کے سبب نہ قرض ادا ہوگا اور نہ وہ آخرت کے وبال سے بچے گا۔

**{۲۷}** ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں: **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَمَلَ مِنْ اُمَّتِیْ ثُمَّ جَھَدَ فِیْ قَضَاءِہٖ، ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ اَنْ یَّقْضِیَہٗ فَاَنَا وَلِیُّہٗ۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **میرا امتی جو قرض کا بوجھ اٹھائے، پھر اس کو ادا کرنے کی پوری کوشش کرے اور بغیر ادا کیے فوت ہوجائے تو میں اس کا ولی اور کفیل ہوں۔** یعنی میں اس کی طرف سے ادا کروں گا۔

(**مسند امام احمد بن حنبل**، ج: ششم، ص: ۷۴ ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷/ص: ۸۴**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قرض لیا اور کوشش کے باوجود اسے ادا نہ کرسکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے شخص کے ولی اور کفیل ہیں۔

**{۲۸}** حضرت میمون کروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں: **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَدَانَ دَیْنًا یَنْوِیْ قَضَآئَہٗ اَدَّاہُ اللّٰہُ عَنْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔**

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **جوکوئی قرض لے اور وہ اس قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھتا ہوتو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف سے ادا فرمادے گا۔**

(**السنن الکبریٰ للبیہقی**، ج: پنجم، ص: ۳۵۴ ☆ **فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷ رص: ۸۴، بحوالہ: جامع الاحادیث، ج: دوم، ص: ۴۱۰**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی نے ادا کرنے کی نیت سے قرض لیا لیکن ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا تو حُسنِ نیت کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو ادا فرمادے گا۔ کہ بندہ کے عمل کا دار و مدار اس کی نیت پر ہے۔ اور حدیث پاک سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے: **اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّانَوٰی، ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۲، **کِتَابُ بَدْئِ الْوَحْیِ، بَابٌ کَیْفَ کَانَ بَدْؤُ الْوَحْیِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، حدیث نمبر: 1**) (**بخاری شریف**، ج: اول ص: ۱۳، **کِتَابُ الْاِیْمَانِ، بَابُ مَا جَآئَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّیَّۃِ وَالْحِسْبَۃِ، حدیث نمبر: 54**)

## حسن سلوک کے ساتھ قرض ادا کریں:

**{۲۹}** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کا ایک خاص عمر کا اونٹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرض تھا، وہ حضور کے پاس تقاضا کی غرض سے آیا تو حضور نے صحابہ سے فرمایا: **اس کا قرض ادا کردو،** صحابہ نے اس طرح کا اونٹ تلاش کیا مگر نہ پایا، البتہ اس سے بڑی عمر کا اونٹ مل گیا، حضور نے فرمایا: **یہی اونٹ اس کو دے دو،** اس شخص نے کہا: حضور نے میرا پورا حق ادا کردیا، اللہ تعالیٰ حضور کو بھی پورا حق عطا فرمائے۔

**قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ خِیَارَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَآئً۔**

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔**

(**بخاری شریف**، ج: اول، ص: ۳۰۹، **کِتَابُ الْوَکَالَۃِ، بَابُ وَکَالَۃِ الشَّاھِدِ وَالْغَائِبِ، حدیث نمبر: 2305**)

(مسلم شریف، ج: دوم، ص: ۳۰، بَابُ جَوَازِ اقْتِنَاضِ الْحَیْوَانِ) ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷، ص: ۹۰)

(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۳۲۲، کِتَابُ الْاِسْتِقْرَاضِ، بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ، حدیث نمبر: 2393)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے قرض لیا ہے تو حسن سلوک کے ساتھ قرض کی ادائیگی کرے۔

## قرض کی ادائیگی میں کچھ زیادہ دینا بھی جائز ہے:

{۳۰} حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مِسْعَر بن کدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کہا کہ چاشت کا وقت تھا۔ حضور نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف میرا کچھ قرض تھا۔ حضور نے اسے ادا کیا اور مجھ کو کچھ زیادہ عطا فرمایا۔

(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۳۲۲، کِتَابُ الْاِسْتِقْرَاضِ، بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ، حدیث نمبر: 2394 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷، ص: ۹۰)

ان احادیث کے تحت امام احمد رضا خان محدث بریلوی فرماتے ہیں:

**''یہ صرف ایک نوع احسان و کرم و مروت ہے۔ اور بے شک مستحب و ثابت بہ سنت، کما فی الاحادیث المذکورہ، مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو۔ مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دیے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کرنے کے لائق نہیں۔ یا قابل تقسیم ہو تو جدا کر کے دے۔ مثلاً دس آتے تھے وہ دے۔ اور ایک روپیہ احساناً الگ دیا۔ تو ان صورتوں میں یہ زیادتی حلال ہوجائے گی۔ اور اگر قابل تقسیم تھی اور یونہی مخلوط و مشارع دی۔ مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیے۔ دس آتے ہیں (قرض کے) اور ایک احساناً۔ تو نہ ہبہ صحیح ہوگا اور اور نہ لینے والا اس زیادت کا مالک''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد: ۷، ص: ۹۰)**

قرض دار کو مہلت دینے یا قرض معاف کر دینے پر اجر و ثواب

{۳۱} حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
**جو اپنے قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کردے گا، قیامت کے دن وہ عرش کے سائے میں ہوگا۔**
**(مسلم شریف، ج: دوم، ص: ۱۸، بَابُ اَنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالتَّجَاوُزِ، فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵ رص: ۴۸۸، بحوالہ: جامع الاحادیث، ج: دوم، ص: ۴۱۲)**

**قرض معاف کرنے والوں کو مغفرت کی بشارت**

{۳۲} حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
**كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ: اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، قَالَ: فَلَقِيَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔ ایک آدمی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اس نے اپنے نوکر کو یہ کہہ رکھا تھا: جب تمہارے پاس کوئی تنگ دست آئے تو اس کے قرض کو معاف کر دینا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے۔** حضور نے فرمایا: **پس اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی** یعنی جب اس کی موت ہوئی **تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔**
**(بخاری شریف، ج: اول، ص: ۴۸۱، كِتَابُ الْاَنْبِيَآءِ، بَابُ حَدِيْثِ الْغَارِ، حدیث نمبر: 3480) (بخاری شریف، ج: اول، ص: ۳۲۲، كِتَابُ الْاِسْتِقْرَاضِ، بَابُ حُسْنِ التَّقَاضِيْ، حدیث نمبر: 2391 ☆ فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵ رص: ۴۸۸)**

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض دینے والا قرض لینے والے پر احسان کرے۔ مہلت چاہے تو اسے مہلت دے۔ پوری رقم دینے کی صلاحیت نہ ہو تو کچھ قرض معاف کردے، تاکہ وہ آسانی سے اپنا قرض ادا کرسکے۔ یا اس کا پورا قرض معاف کردے۔ قرآن کریم سے بھی ایسی ہی تعلیم ملتی ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
**وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔**
**اور اگر قرض دار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض بالکل چھوڑ دینا تمہارے لیے اور بھلا ہے اگر جانو۔** (پارہ: ۳، سورہ: البقرہ، آیت: ۲۸۰)

یہ بابِ معیشت میں امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی نقل کردہ احادیث کی ایک جھلک ہے، اس بحر بیکراں کی وسعت کا نظارہ کرنا ہو تو اس امام جلیل کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔

# تجارت کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

{مولانا محمد عمان رضا برکاتی، سکریٹری مجلس علماے اسلام مٹیابرج زونل کمیٹی، کلکتہ}

اسلام مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کا متبع بنایا، اسلام ایک مذہب مہذب ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح معاملہ تجارت میں بھی وہ صاف وشفاف ،نہایت پاکیزہ نظریہ رکھتا ہے، اور اپنے متبعین کو سختی سے عمل کرنے کی ہدایت دیتا ہے، اس کے برعکس دیگر ادیان میں ہمیں ایسا دستور العمل دور دور تک نظر نہیں آتا ہے، اسلام کی پاکیزہ فکر جو انسان کے فطری تقاضوں کو پایۂ تکمیل پہنچاتا ہے۔

تجارت کی فضیلت قرآن وحدیث میں نمایاں الفاظ میں مذکور ہے، چنانچہ قرآن حکیم حکیمانہ انداز میں اور کریمانہ شان وشوکت کے ساتھ کسب حلال اور طلب رزق کا پیغام دے رہا ہے۔ارشاد ربانی ہے: **اذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ** [ترجمہ] جب نماز ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔آیت مذکور میں طلب مال کو فضل الٰہی قرار دیا گیا، ساتھ ہی ساتھ اس کی عظمت شان کو بھی ظاہر فرمایا، صاحب جلالین وابتغوا سے مراد اطلب الرزق ’’رزق طلب کرنا‘‘ مراد لیتے ہیں۔

اپنی اور اپنے بچوں اور جو اپنی کفالت میں ہیں ان کے گزارے کے لئے بقدر ضرورت رزق حلال کمانا فرض ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

**یاایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقنٰکم** [ترجمہ] اے ایمان والو! کھاؤ ہماری دی ہوئی صاف ستھری چیزیں۔فرمان رسول اکرم ﷺ بھی ملاحظہ کرتے چلیں: **طلب الحلال واجب علی کل مسلم** [ترجمہ] یعنی حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے [طبرانی شریف] سورفاطر آیت نمبر ۱۱ میں ہے [اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں اسے چیرتی شور مچاتی چلی جارہی ہے تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور یہ سب نوازشات اس لئے تاکہ تم شکر ادا کرو] آیت مبارکہ کے تحت جب تفسیرات کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ اس آیت میں بھی طلب معاش کو ذریعہ اور وسیلہ کہا گیا ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عیاں

ہوگیا کہ تم اپنے ملک سے دوسرے ملکوں میں جا کر علم و ہنر سیکھو، اپنا مال تجارت لے جا کر وہاں کی منڈیوں میں فروخت کرواور وہاں کے جواھرات اور مصنوعات خرید کر اپنے وطن میں بیچو۔سبحان اللہ ! کیا ہی خوبصورتی کے ساتھ تجارت کے طریقوں کی طرف کلام الٰہی نے رہنمائی کی ہے، اسلام انسانی زندگی اور اس کے تقاضوں اور مادی ضرورتوں کو یکسر نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان سب امور کے موافق شرع اجازت دیتا ہے یہی وجہ ہے اسلام رہبانیت و ترک دنیا کی اجازت نہیں دیتا۔فرمان رسالت مآب ﷺ ہے : **لا رھبانیة فی الاسلام** [اسلام میں گوشہ نشینی نہیں] حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا حضرات صحابہ کرام **رضی اللہ عنھم** نے نہ دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں بہت متحرک ہے اور پوری دلچسپی لے رہا ہے،تو حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اگر اس آدمی کی یہ دوڑ و دھوپ اور دلچسپی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا،اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ آدمی اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لے دوڑ دھوپ کرر ہا ہے تب بھی اللہ ہی کی راہ میں شمار ہوگی۔ یا خواہ اپنے والدین خواہ اپنی ذات کے لئے کوشش کرر ہا ہو۔تو وہ بھی فی سبیل اللہ ہی شمار ہوگی، کیونکہ اس کا مقصد دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنا مقصود ہے۔مؤمن کی زندگی عبادت الٰہی سے عبارت ہے، ہر عمل خیر عبادت ہے، بشرطیکہ سنت کے مطابق ہو۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو،اس نے عرض کیا عبادت کرتا ہوں،آپ نے پوچھا: روزی روٹی کہاں سے لاتے ہو،اس نے عرض کیا میرا ایک بھائی ہے وہ مجھے روزی روٹی مہیا کرتا ہے ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا بھائی تجھ سے بڑا عابد ہے۔تعلیمات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی وضاحت سے من وعن سمجھ میں آجانا چاہئے کہ معاشی زندگی کے لئے ارشادات رسول ﷺ میں کس چیز کو لائحہ عمل اور نمونہ زندگی بتا گیا ہے۔ یہ بات جگ ظہر ہے کہ **طلب الحلال فریضة بعد الفریضة** یعنی حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے،حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کون سی کمائی اللہ کے نزدیک زیادہ پاکیزہ ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور

ہر جائز تجارت کہ تجارت میں برکت ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تجارت کرو کیونکہ اس میں روزی کے دس حصے ہیں،نو حصے فقط تجارت میں ہیں،( کیمیائے سعادت )مزید آقائے دوجہاں ﷺ کا فرمان عالی شان ہے’’ سچا تاجر بروز قیامت صدیقین وشھداء کے ہمراہ اٹھایا جائے گا‘‘

اب رہا یہ مسئلہ کہ مال کمانے اور روزی حاصل کرنے کا کون سا طریقہ جائز ہے اور کون سا طریقہ ناجائز ہے،تو اس کے لئے شریعت مطہرہ نے کچھ حدود متعین کردی ہیں ہر وہ مال جو ناجائز طریقے سے یعنی غبن، دھوکہ دہی،غنڈا گردی،فریب کاری، سے حاصل کیا جائے وہ ممنوع اور خلاف شرع ہے اور جو مال جائز طریقے سے یعنی ایمانداری، دیانتداری اور عدل و انصاف سے حاصل ہو وہ جائز ہے۔سود، جوا، قمار بازی،ذخیرہ اندوزی،رشوت،بلیک مارکیٹنگ اور دیگر ہر قسم کی دھاندلیاں اسلام کے نزدیک حرام ہے اگر حرام و ناجائز طریقے سے کمایا ہوا مال اللہ و رسول کی راہ میں از راہ خوشنودی خرچ کیا جائے تو وہ مال ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔اور اس کا اجر و ثواب بھی مرتب نہیں ہوگا،ایسے مال کے خرچ کرنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ حرام طریقے سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے تو کھانے کے بعد جو خون گوشت پوست تیار ہوتا ہے فرمان رسالت مآب ﷺ کے مطابق وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنائے اس پر کثرت سے کتب احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، بلکہ اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید میں بھی اس کے برعکس ہر وہ مال جو عدل و انصاف ،اخوت و محبت ،ضرورت مندوں کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے بغیر دھوکہ و فراڈ سے حاصل ہو وہ حلال ہے اور اس کے استعمال سے جو خون کا قطرہ تیار ہوگا عند اللہ لائق تحسین و مستحق اجر و ثواب اور مغفور ہوگا ،چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’اے ایمان والوں! کھاؤ ہماری دی ہوئی صاف ستھری چیزیں‘‘اللہ کے پیارے رسول ﷺ ارشاد عالی ہے’’**ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا**‘‘[اللہ پاک ہے اوقر پاکیزہ مال ہی کو قبول فرماتا ہے ](مشکاۃ شریف )

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ تجارت کی افادیت وفضیلت اپنی جگہ متحقق و مسلم ہے، خاص کر کپڑے کی تجارت سے ہمارے اکابرین کا گہرا تعلق رہا ہے کیونکہ کروڑوں مسلمانوں کا مقتدیٰ و پیشوا سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی پیشہ تھا،اور یہ سنت

ابراہیمی بھی ہے ،اسی کے تحت یہ حدیث بھی سنتے چلیں ''نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کپڑے کی تجارت اختیار کرو کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی کاروبار تھا'' اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہر مسلمان کو شریعت مطہرہ کے گائیڈ لائن کے مطابق بزنس کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

# امام احمد رضا کی اقتصادی بصیرت

{مولانا جمیل الرحمن رضوی، امام وخطیب بھشتی پاڑہ مسجد (مچھوا) کلکتہ}

اس وقت ہندستان کے مسلمان جس پسماندگی، زبوں حالی اور ابتری کی زندگی گزار رہے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہے۔تعلیمی میدان ہو یا معاشی معاملات، سیاسی اسٹیج ہو یا سماجی پلیٹ فارم ہر سطح پر مسلمانوں کے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔اقتدار اور حکومت پر قابض فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کو تعلیمی و معاشی بحران اور سیاسی وسماجی تنزلی سے اس درجہ دوچار کرچکی ہیں کہ مسلمان ملک میں چاروں طرف بے چینی و بیقراری محسوس کررہے ہیں۔

اسلام مخالف عناصر اور مسلم دشمنی رکھنے والے زعفرانی ذہنیت کے لوگ آزادیٔ ہند کے بعد سے ہی اپنی ناپاک کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح سے مسلمانان ہند کو بے دست و پا کردیا جائے، انہیں سرکاری ملازمتوں سے دور رکھا جائے، ان کے املاک اور اوقاف پر قبضہ کرکے انہیں لاچاری، مجبوری، جہالت و بیدینی اور غربت وافلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا جائے۔اپنے اسی نظریے کے تحت انہوں نے مسلمانوں کو نوکریوں سے محروم کیا۔ ان پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کئے۔ان کی صنعت وحرفت کو برباد کردیا اور تجارتی مراکز کو مقفل کرکے انہیں بے دست و پا کردیا۔سچر کمیٹی کی حالیہ رپورٹ اور دیگر منصفانہ سروے ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی اور معاشی اقتصادی صورت حال کا وہ آئینہ ہے جس سے قطعاً چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی اور اقتصادی پستی سے نکال کر انہیں مستقبل میں معاشی اعتبار سے مضبوط اور مستحکم کرنے نیز ان کی اقتصادی صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے گزشتہ کئی دہائیوں سے اسلامی مفکرین ومعاشیات کے ماہرین ملی خیرسگالی کے جذبے سے مفید اور کارآمد نظریات کتابوں اور رسالوں کے حوالے سے پیش کررہے ہیں۔اسلامی ادارے سماجی اور فلاحی تنظیمیں منصوبہ اور پلاننگ کے ذریعہ قوم کی معاشی حالات کو سدھارنے کیلئے کام کررہی ہیں مگر حالات وہی ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

چودھویں صدی کے عظیم محقق، نادر زمن ہستی، علوم ومعارف میں فقیدالمثال اعلیٰ

حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ یوں تو فقہی مسائل کے بیان اور تحقیق و تفتیش کا ملکہ رکھتے ہی تھے وہیں دیگر علوم وفنون میں بھی آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ علم کیمیا(Chemist) علم معاشرت (Sociology)، علم ریاضی(Mathematics) اور علم معاشیات و اقتصادیات (Economic) کے حوالے سے بھی علم وفن کے ایسے ایسے گل بوٹے آپ نے پیش کئے کہ مذکورہ علوم کے ماہرین انگشت بدنداں رہ گئے۔ آپ کی بے مثال علمی تحقیقات وفنی تدقیقات جو آپ کی تصنیفات عالیہ میں گوہر آبدار کی طرح نمایاں ہیں انہیں دیکھنے کے بعد کہنا پڑتا ہے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کو دور کرنے اور ان کی اقتصادی پوزیشن کو بہتر بنانے کیلئے 1912ء میں امام احمد رضا قدس سرہ نے جو چار نکاتی منصوبہ پیش فرمایا ہے مسلمانوں کیلئے معاشی ترقی اور فلاح و بہبودی کی جہت سے انتہائی اہم ہے۔ ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' نامی رسالے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے مستقبل میں انہیں معاشی اعتبار سے مضبوط اور تعلیمی اعتبار سے کامیاب ہونے کیلئے انتہائی کارآمد تجاویز اور معاشی واقتصادی ترقی کا بیش بہا فارمولا قوم مسلم کو عطا کیا ہے۔

اعلحضرت کا یہ رسالہ بظاہر مختصر ہے لیکن معنوی اعتبار سے اتنا اہم ہے کہ اس کا ہر سطر مسلمانوں کی فلاح وبہبودی اور ترقی کی شاہراہ کو متعین کرتا ہے۔ اب آیئے ذرا اس رسالے میں درج شدہ نکات پر نگاہ ڈالیں اور امام احمد رضا کی معاشی واقتصادی بصیرت کا اندازہ لگائیں۔

## معاشی چارنکاتی منصوبہ

۱- ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپئے خرچ ہورہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔

۲- بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کیلئے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔
۴۔ علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

قوم مسلم کو صحیح راہ پر گامزن کرنے اور قوم کے سرمایہ کو محفوظ رکھنے کیلئے نیز معاشی طور پر ترقی کیلئے جو تدابیر اور تجاویز آپ نے تحریر فرمائی ہے واقعی اگر ان نکات پر عمل کرلیا گیا ہوتا تو مسلمانوں کے معاشی حالات آج اس قدر مضبوط ہوتے کہ دیگر اقوام عالم ان کی دست نگر ہوتیں۔

ان مذکورہ نکات کے علاوہ فتاویٰ رضویہ شریف میں ہزاروں ایسے مسائل کا حل امام احمد رضا قدس سرہٗ نے علمی و تحقیقی انداز میں پیش فرمایا ہے جسے دیکھ کر علماء حرم کو بھی وجد طاری ہوگیا۔ مثلاً آپ کا معرکۃ الآرا رسالہ **"کفل الفقیہہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم"** جسے آپ نے 1324ھ میں زیارت حرمین شریفین کے موقع پر علما کی جانب سے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا۔ استفتاء نوٹ کے متعلق کیا گیا تھا کہ نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں نیز اس سے بیع و شراء کرنا اسے قرض میں دینا وغیرہ عندالشرع کیا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے نوٹ کے متعلق فقہائے احناف کی قدیم کتابوں سے کاغذ کی خرید وفروخت کے جواز پر جزئیہ پیش کرتے ہوئے دلائل وبراہین کے ذریعہ نوٹ کا شرعی حکم بیان فرمایا کہ نوٹ مال ہے اور ثمن اصطلاحی ہے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ثمن اصطلاحی کا ہے۔ اعلحضرت نے نوٹ کی شرعی حیثیت کو جس انداز میں ثابت کیا ہے وہ یقینا باب فقہ میں قابل قدر کارنامہ ہے جس کی نظیر مابعد کے فقہاء میں نہیں ملتی۔

فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم میں کتاب الاجارہ کے تحت اجارہ کی تعریف اور اس کی شرطوں کا ذکر کرتے ہوئے اجیر خاص اور اجیر مشترک کے تعلق سے ان کے احکام بڑے تفصیل کے ساتھ آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ اس باب میں آپ کے فتاویٰ کی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ سائل نے آپ سے وکیلوں کے محرری کی ملازمت، قانون گوئی اور سب رجسٹراری، غیر مسلموں کی نوکری، بینک کی نوکری، مندر کی تعمیر کی ملازمت وغیرہ وغیرہ کے بارے میں سوال دریافت کیا ہے۔ ان مسائل کا جو جواب آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ جس ملازمت میں ارتکاب حرام سے چارہ نہ ہو وہ حرام ہے اور جن نوکریوں میں خلاف شرع فعل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے یا جس فعل پر اجارہ ہو وہ خود ہی معصیت نہ ہو جیسے مندر کی تعمیر کہ دراصل یہ ایک مکان بنانا ہے معصیت تو اس میں تب ہوگی کہ بت نصب ہو اور اس کی پوجا ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

کتاب الاجارہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ایک رسالہ "**المنی والدرلمن عمدمنی آرڈر**" بھی شامل ہے۔اس رسالہ کے تحریر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ بھیجنے کو ناجائز قرار دیا اور منی آرڈر کی فیس وصولی کو سود کہا، منی آرڈر میں جو روپیہ لگایا گیا اس کو ڈاکخانہ میں بطور قرض قرار دے کر منی آرڈر کی فیس کو گنگوہی نے سود قرار دیا۔ اور روپیہ بھیجنا اس کے ذریعہ ناجائز کہا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے گنگوہی کے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور دلائیل کے ذریعہ ثابت فرمایا کہ ڈاکخانہ میں بطور منی آرڈر جو روپیہ لگایا گیا وہ بطور اجارہ ہے، آپ نے فرمایا "ڈاکخانہ کی وضع ہی اجارہ کیلئے ہے کہ اجرت پر لوگوں کو پیسے خط، لفافے، رجسٹری اور بیمے، منی آرڈر اور پارسل مرسل تک پہنچائے جائیں اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اعلیٰ حضرت کا مذکورہ رسالہ بھی علمی وتحقیقی مواد سے مالامال ہے اور آپ کی فقہی ومعاشی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

معاشی استحکام اور اقتصادی مضبوطی کیلئے مال کی ضرورت پڑتی ہے اور مال حاصل کرنے کے ذرائع میں سب سے بڑا ذریعہ تجارت، خرید وفروخت ہے۔ باب بیع وشراء میں صحت بیع اور فساد بیع کی ان تمام صورتوں کو جاننا عاقدین کیلئے لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ اکثر تاجر جو لین دین کے معاملے میں شرعی حدود کا خیال نہیں رکھتے، گاہکوں کو دھوکہ دیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کیلئے غیر شرعی طریقہ اپناتے ہیں وہ گنہگار اور حدیث رسول کے مطابق بدکار ہیں۔ تجارت میں حرام وناجائز طریقے اختیار کرنے والوں کو سخت تنبیہ کرنے کے بعد کاروباری معاملے میں شرعی حدود کی پابندی کرنے والوں کو تسلی دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں "ہاں تجارت حرام کے دروازے بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے، وہ تو بے شک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور

جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت۔ فتاویٰ رضویہ، 110، جلد7۔

مذہب اسلام میں سودا اورسودی لین دین کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث میں صراحتاً اس کی تباہ کاریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ سودا اسلامی شریعت میں قطعی حرام اور سخت گناہ کا کام ہے۔ سود لینے والا اور دینے والا دونوں عذاب نار کے مستحق ہیں۔ یقیناً کسی بھی معاشرے اور اس کے اقتصاد اور تجارت کیلئے سودی نظام زہر ہلاہل ہیں خصوصاً مسلم معاشرہ کیلئے ہرگز قابل قبول نہیں۔

سود بہر صورت سود ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے۔ سود کی حقیقت ثابت ہوجانے کے بعد لفظ سود کو بدل کر کسی اور طریقے سے مع اضافہ لین دین کرنا اس کی حرمت کونہیں بدلے گا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں اعلحضرت فرماتے ہیں:

''سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے سود ہونے سے بچالے گا نہ حرمت میں فرق لائے گا''.................. (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص:۹۹)

ہندستان میں مسلمانوں کی موجودہ حالت کے پیش نظر اپنی دینی وقومی حالت سنوارنے کی غرض سے غیر مسلموں سے سودی لین دین کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

''سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں۔ **قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو**......حدیث صحیح میں ہے **لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا و مؤکلہ وکتابہ و شاھدہٗ و قال ھم سواء** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں، اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالات سنورے گی یا اور بدتر ہوگی؟ اور قومی اور دینوی حالت کا سنبھلنا بھی معلوم اللہ عزوجل فرماتا ہے یمحق اللہ الربو ویربی الصدقات اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ

کو جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے اور بالفرض کچھ دن
کوظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے
گی۔مزید آگے فرماتے ہیں سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں
مسلمان بنیوں کوسود دیتے اوراپنی جائیدادوں کوتباہ کرتے ہیں ہزاروں
کامال دوڈھائی سو میں بہہ جاتا ہے کیااسی حالت کوسنورنا کہتے ہیں۔“
......فتاویٰ رضویہ،ص:۹۷

سودتو بلاشبہ حرام قطعی ہے جس کا حکم معتمد علما کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں مگراس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ بینکوں میں جمع شدہ رقم سے جوزائدمنافع ملتا ہے وہ سودنہیں اس لئے کہ بینکوں میں جمع شدہ رقم فقہاء کے نزدیک بطورقرض ہے۔جیسا کہ امام اہلسنت نے فرمایا ظاہر ہے کہ روپیہ جوکوئی شخص بینک میں جمع کرتا ہے وہ بینک پر دین یعنی قرض ہے۔فتاویٰ رضویہ،۶،جلد:۷۸۶۔

اورقرض پرمنافع لینا **کل قرض جر منفعة فهو الربا** قرض کی وجہ سے جونفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔اس فرمان رسول کے مطابق ظاہراً یہ زائد منافع بھی سود کے زمرے میں آتا ہے اورحدیث پاک **لا ربو بین اهل الحرب و اهل الاسلام** یعنی جوغیرمسلم ذمی ومستامن نہ ہواس کے اورمسلم کے درمیان کوئی معاملہ سودنہیں۔تفسیرات احمدیہ میں جلیل الشان مفسرحضرت علامہ احمدجیون رحمہ اللہ علیہ نے یہ واضح فرمایا کہ ہندوستان کے غیرمسلم نہ تو ذمی ہیں اورنہ مستامن، لہٰذا ہندوستان میں غیرمسلموں کے بینک اورڈاکخانوں سے حاصل شدہ زائدرقم مسلمانوں کیلئے مال مباح ہےاوراس کا لینا جائز ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا موقف یہی ہے جیسا کہ ان کے فتاووں سے ظاہر ہے۔آپ فرماتے ہیں:”یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے غیرمسلم ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے نہ مستامن اور جوغیرمسلم نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدروبدعہدی کے کہ مطلقاً ہرکافر سے بھی حرام ہے۔اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے ہومسلمان کیلئے حلال ہے۔“ فتاویٰ رضویہ، جلد۷، ۱۰۵۔اسی باب میں مزید وضاحت کے ساتھ دوسرے مقام پر سائل کاجواب دیتے ہوئے آپ یوں فرماتے ہیں:سود کی نیت سے لینا جائز نہیں۔اسی فتوے میں ہے کہ اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال

برضائے مالک بلاغدر وبدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ۱۲۳۔

مذکورہ بالا فتوے کی روشنی میں یہ کہنا حقیقت کے عین مطابق ہے کہ اسلامی بینک کاری کا رواج مسلمانوں میں عام کیا جائے اور اپنی معاشی واقتصادی مضبوطی کیلئے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا چارنکاتی معاشی نظریہ کو نافذ العمل بنایا جائے۔

معیشت تجارت اور معاہدات میں پیدا ہونے والی نت نئی صورتوں کی شرعی حیثیت دلائل وبراہین سے ثابت کرنا اور عوام الناس کو جدید معاشی مسائل سے متعلق شرعی آگاہی دینا علماء محققین ومفتیان شرع متین کا مذہبی وطیرہ رہا ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے پیشتر فقہاء احناف کی کتابوں سے جزئیات کو پیش کر کے کئی لاینحل معاشی مسائل کا تحقیقی حل پیش فرمایا ہے جس کو دیکھنے کے بعد فقہی معاملات میں آپ کی انفرادیت ثابت ہوجاتی ہے۔ آپ کی تصنیف کردہ رسالہ **كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدارهم** اس کی روشن دلیل ہے۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، صفحہ نمبر ۱۱۱ میں کمپنی کے حصص "شیئر" کی خریداری کے حوالے سے ایک مسئلہ بطور استفتاء اس طرح پوچھا گیا۔ فی زمانہ ٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی بیع وشراء کا شرعی حکم کیا ہے۔ آپ نے جو جواب دیا ہے ساتویں جلد کی فہرست میں اس فتوے کا خلاصہ اس طرح موجود ہے۔ حصص شرعاً کوئی چیز نہیں کمپنی میں جتنا روپیہ جمع کیا وہ جمع کرنے والے کی ملک ہیں اور ایسے روپیوں کی بیع، صرف ہے جس میں تقابض بدلین ضروری ہے اور کمی بیشی حرام ہے۔ حصص کے منافع کا سود حرام ہے جتنا روپیہ کمپنی میں جمع کیا یا اس کا جو مال ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح خرید وفروخت کے معاملے میں کاروباری حضرات آج کل عموماً اشیاء کو آرڈر پر تیار کراتے ہیں پہلے کاریگر ان اشیاء کے نمونے خریدار کے سامنے پیش کرتا ہے، خریدار اپنی پسند کے مطابق کسی ایک شئے کو منتخب کرتا ہے اور اس شئے کی قیمت، وقت، مقدار اور صفات سے متعلق دونوں فریقین تفصیل سے معاملہ کرتے ہیں اور قیمت کا کچھ حصہ ایڈوانس کے طور پر ادا کیا جاتا ہے اور باقی رقم شئ کی تیاری کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس صورت کو بیع استصناع کہا جاتا ہے کیونکہ شرعی اعتبار سے کسی سے آرڈر پر شئ تیار کروانا استصناع کہلاتا ہے۔ بیع استصناع کی مزید وضاحت مع شرائط کے اپنے فتوے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

''کسی سے کوئی شئی اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے اگراس شی کے اس طرح بنوانے کا رواج اور اس شئی کی قسم وصفت وحال پیمانہ و قیمت وغیرھا کی ایسی تصریح ہوگئی ہوکہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اوراس میں کوئی میعاد مہلت دینے کیلئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہے۔''

بیع استصناع کی مذکورہ صورت بیع سلم سے ملتی جلتی ہے مگر دونوں عقود اپنی نوعیت شرائط اور معاملات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔اس کی تفصیل کتب فقہہ میں موجود ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے اس بیع کی حقیقت اوراس کے جواز کی شرطوں کو تحقیقی طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں رائج تجارت کے جدید طریقوں اور لین دین کے معاملات کو شرعی اصولوں اور فقہی ضابطوں کی روشنی میں ان کے شرعی احکام تحقیقی طور پر واضح فرمایا ہے جس کے مطالعے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی اقتصادی بصیرت اہل فہم کے نزدیک روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

جس سے مسئلے کی نوعیت بالکل واضح ہوجاتی ہے اورفقہی ذوق رکھنے والوں کو اس باب میں مزید بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ آج کل مسلمانوں میں عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مال خریدنے والا بیچنے والے کو بیعانہ کے طریقے پر کچھ رقم دیتا ہے پھر کسی وجہ سے بیع نہ ہوئی تو بیعانہ کی رقم بیچنے والا خود رکھ لیتا ہے اور خریدار کو بیعانہ کی رقم واپس نہیں کرتا۔ حالانکہ جب بیچنے والے نے خریدار کی بات مان لی اور بیع نہ ہوئی تو اس صورت میں بیچنے والے کو بیعانہ کی رقم خریدار کو واپس لوٹا دینا شرعاً واجب ہے اگر نہ لوٹایا تو سخت گنہگار حق العبد میں گرفتار ہوگا۔اعلیٰ حضرت اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل** پھر چند سطر کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ بیع کو فسخ ہوجانا مان کر مبیع نہ دے اور روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرلے **ھل ھذا الا ظلم صریح** ( فتاویٰ رضویہ جلد ۷ )۔

ایک اور مسئلہ کی وضاحت اس مقام پر بہت اہم معلوم ہوتا ہے کہ مارکیٹ میں نقد

اور ادھار خریداری کرتے وقت قیمت میں کمی بیشی کردی جاتی ہے یعنی نقد خریدنے میں شی کی قیمت 10 روپئے اور ادھار خریدنے میں اسی شی کی قیمت بارہ یا پندرہ روپئے ہوجاتی ہے۔اس طرح کاروباری حضرات خریدار سے معاملہ کرتے ہیں ازروئے شرع ایسا کرنا کیا حکم رکھتاہے۔فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا یہ باہمی تراضی بائع اور مشتری پر ہے **الاان تکون تجارۃ عن تراض منکم** یعنی بیع وشراء کے معاملے میں اور مشتری جس ثمن پرراضی ہوجائیں بیع درست ہے۔

الغرض خرید وفروخت کے مسائل و جزئیات اوراس کی تمام صورتیں اجرت ورشوت ،سود، پیشۂ صنعت وحرفت، دین، بیمہ اوراجارہ و عاریت اور وقف وہبہ کے مسائیل، جدید بینکنگ نظام کے جملہ شعبوں لائف انشورنس، جنرل انشورنس وغیرہ وہ تمام امور جن کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ معیشت واقتصادیات سے ہے ان کا تفصیلی وتحقیقی بیان اعلیٰ حضرت کی تصنیفات میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے جن کو دیکھنے کے بعد عام طور پر یہ محسوس کیا جاسکتاہے کہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جہاں علم قرآن وحدیث فقہ واصول فقہ میں بے مثال ہیں وہیں جدید علوم وفنون، سائنس، سماجیات، معاشیات اور اقتصادیات میں بھی بصیرت وبصارت کے اعتبار سے لاجواب ہیں۔

☆☆☆

# امام احمد رضا کی معاشی بصیرت

{مفتی معین الدین برکاتی ۔دارالعلوم امام احمد رضا، گوھردھن پور(سیتامڑھی)}

اقتصادیات کیا ہے؟

اقتصادیات ''اقتصاد'' کی جمع ہے اور یہ باب افتعال سے آیا ہے جس کا معنی لغت میں ''ارادہ'' ہے اس کے علاوہ درمیانی / درستگی آسان اور طرف کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لسان العرب میں ہے۔

القصد۔استقامۃ الطریق والقّصد العدل......والقصد فی الشئی خلاف الافراط وھو مابین.

السراف والنتفتیر والقصد فی المعیشۃ ان لا یسرف ولا یقتر

ترجمہ......قصد کا معنی سیدھی راہ اور انصاف ہے۔اور کسی چیز میں قصد کا مطلب افراط کے خلاف ہے اور جو افراط کمی اور زیادتی کے مابین ہوا کرتا ہے۔ اور معیشت میں قصد کا مطلب یہ ہے کہ نہ فضول خرچی کی جائے اور نہ بخل سے کام لیا جائے۔

لغوی اعتبار سے لفظ''اقتصاد'' انسانی حیات کے تمام شعبوں پر محیط ہوا کرتا ہے، باوجود اس احاط وادراک کے ماہرین فنون اور ارباب اصطلاح کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس لفظ ''اقتصاد'' اپنی اصطلاح میں کسی معنی مخصوص کے لئے مختص کر سکتے ہے، مذہب اسلام نے جب اس لفظ کو اپنے دائرہ میں لیا اسے ''اسلامی اقتصاد'' کا نام دیا گیا اور اسلام کے علاوہ اور لوگوں نے اسے اپنایا تو انہوں نے اپنی وضع کردہ اصولوں اور قوانین کا تابعدار کر دیا اسی لئے ان کی اقتصادیات میں آئے دن ردوبدل ہوتی رہتی ہے،اس کے برخلاف اسلامی اقتصاد میں ثبات ہے اس میں کبھی بھی کسی قسم کا ردوبدل نہ ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوسکتا ہے، چاہے اس میں کتنے ہی نئے نئے گوشے نمایاں ہو جائیں باوجود اسلام میں اس کا حل موجود ہے۔

اسلامی اقتصاد کیا ہے؟

اسلام کا معنی اطاعت کا خضوع اور خلوص ہوا کرتا ہے، جب'فلان مسلم' بولا جاتا ہے تو اس کا معنی یہ لا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے حکم بجالانے والا ہے اور وہ اللہ تعالی کے لئے

عبادت واطاعت میں مخلص ہے،اور اقتصاد کا وہی معنی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، اصطلاح میں ''اسلامی اقتصاد کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ جو ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

**اولاً**...... یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''اسلامی اقتصاد''معشیت کے ان اصول اور احکام کے مجموعہ کا نام ہے جن کا استخراج قرآن واحادیث اجماع امت اور فقہ اسلامی سے کیا گیا ہے اور معیشت کے اصولوں میں ہر دور اور ہر علاقہ کے تقاضوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔

**ثانیاً**...... اسلامی اقتصاد میں اصول اسلام اور اس کی سیاست کا خاص طور پر دھیان رکھا گیا ہے جس کے التزام سے افراد و جماعت دونوں میں خوشحالی آجاتی ہے اور معاشرہ خوب سے خوب تر بن جاتا ہے۔

یہ وہ تعریفات ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی انسان اپنے آپ کو خوشحال کر سکتا ہے۔

## لفظ کسب کی تشریح اور تقسیم:

کسب کے سین کو زبر کے ساتھ پڑھا جائے یہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مصدر ''کسب'' یعنی اس کے سین کو ساکن پڑھا جائے ،اس کا معنی کمانا ہے مال حاصل کرنا ہے اور اپنے اہل وعیال کے لئے معیشت طلب کرنا ہے اسی طرح کبھی اس کا استعمال ''شئ'' کے ساتھ ہوا کرتا ہے اس صورت میں اس کا معنی جمع کرنا آتا ہے، یہ تمام تر تشریحات باعتبار لغت ہے اور علم فقہ میں ''کسب'' کی تشریح وتعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

**واصطلا حاًھو الفعل المفضی الی اجتلاب نفع او دفع ضرر** یعنی از روئے اصطلاح کسب اس عمل کا نام ہے جو نفع بخش ہو یا دفع ضرر کو مستلزم ہو،کسب کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے کیونکہ دور حاضر پر بھی اگر غور کیا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کماتا ہے تو اس کا مقصد مال کمانا ہوتا ہے یا اپنے بال بچوں کے لئے معشیت کو بہتر سے بہتر بنانا ہوا کرتا ہے اور یہ کمائی دفع ضرر کا بھی باعث ہوا کرتی ہے۔سب کا مفہوم عام ہے اس کے تحت بہت ساری قسمیں آیا کرتی ہیں۔حرف وصنعت۔منفعت اور غنا بھی لفظ ''کسب'' کے متعلقات میں ہیں ،انسان جب کسی کام میں مشغول ہوتا ہے اور وہ اس کام کے ذریعہ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے صنعت وحرفت کا نام دیا جاتا ہے اور منفعت کا تعلق بھی کسب سے

ہوا کرتا ہے کیونکہ کسب کا ثمرہ ونتیجہ ہیمنفعت ہے اسی طرح غنا بھی کسب سے تعلق رکھتا ہے اس کے لیےکسب اس کا مئوثر ذریعہ ہے...... اگرکوئی کسب کو انجام نہ دے بلکہ دن بھر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے تو اس سے نہ حرفت حاصل ہوتی ہے نہ تو کسی طرح کا نفع ملتا ہے اور نہ غنا اس کے نصیب میں آتی ہے۔ اجارہ تجارت اور اسی کی مثل جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ بھی کسب کے دائرہ میں آیا کرتا ہے۔غرض یہ کہ کسب ایک وسیع معنی رکھتا ہے جس میں عمومیت بھی پائی جاتی ہے اورشمولیت بھی ۔مال وزرکمانے کی جوبھی نوعیت کل پائی جاتی تھی یا اب پائی جارہی ہے یاکل پائی جائے گی یہ تمام صورتیں بھی کسب کے دائر میں شامل ہونگی۔کسب کس طرح کا ہونا چاہیئے ؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسب کیسا ہونا چاہئے ؟ چوری ،۔ڈکیتی ،۔لوٹ مار،کسی کامال غصب کرنا ،۔جیبیں کاٹنا،۔فلمی دنیا میں آنا،رقص وسرودکو انجام دینا،آلۂ طرب کا استعمال کرنا وغیرہ ، یہ اور اس طرح کے بہت سے اعمال اگر چہ ظاہری طور پرکسب جیسے ہی دکھائی دیتے ہیں مگر یہ وہ کسب نہیں جوشریف النفس انسانوں کومطلوب ہوا کرتا ہے سب سے بہترکسب ہے جس سے انسان کوروزی ملے اورکبھی اس کسب کی وجہ سے نہ ذلت ملے اور نہ سوائی اٹھانی پڑے ،۔ایسا کسب کون سا کسب ہوا کرتا ہے؟

حضرت سیدی امام احمد رضا کی بارگا ہ میں چلتے ہیں اور جانکاری حاصل کرتے ہیں کہ ہمیں کون سا کسب اختیارکرنا چاہیئے ؟ارشادفرماتے :

> ’’اصل مزدوری اگرکسی فعل ناجائز پر ہوسب کے یہاں ناجائز جائز پر ہوتو سب کے یہاں جائز۔اس امر میں رنڈیاں اورغیررنڈیاں،نصاری وہنودوغیرہم سب برابر ہے ،کلام اس میں کہ اگر ان کے یہاں کسی فعل جائز پر مزدوری کی تو آیا زراجرت ان کے مال سے لینا روا اور اکل حلال ہوگا یانہیں ؟ اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جومال گانے ناچنے یا معاذاللہ زنا کی اجرت میں ملتا ہے انکے لئے حرام ہے وہ ہرگز اس کی مالک نہیں ہوتیں ،۔وہ ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کاحکم رکھتا ہے نہ انہیں خود اس کا اپنے مصرمیں لانا جائز نہ دوسرے کو وہ مال بعینہ اپنے

قرض خواہ کسی چیز کی قیمت خواہ مزدوری کی اجرت میں خواہ ویسے ہی بلا معاوضہ بطور ہدیہ خواہ صدقہ خواہ کسی طرح لینا روا ہو سکے بلکہ فرض ہے کہ جن جن سے لیا ہے انہیں پھیر دیں **فی کراھیتہ الھند یہ عن المحیطعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کسب المغنیتہ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یا خذہ الخ وفی حظر رد المحتار عن السغنا قی عن بعض المشائخ کسب المغنیتہ کا لمغصوب لم یحل اخذہ الخ**۔۔اسی طرح ان کے آشنا جو مال بطور تحفہ وہدیہ ان کے راضی رکھنے یا ان کا دل اپنی طرمائل کرنے کو دے آتے ہیں اگر چہ اس وقت خالی ملاقات کو جائیں اور زنا یا غنا کچھ مقصود نہ رکھیں اس کا بھی یہی حکم ہے وہ رشوت ہے وہ رنڈیاں اس کا مالک نہیں ہو جاتیں اس کا واپس دینا بھی واجب ہے **فی الحاشیتہ الطحاویتہ علی الدر المختار آثراً عن القنیتہ مقراعلیہ مایدفعہ المتعاشقان رشوتہ یجب ردہ ولا تملک** (فتاوی رضویہ جلد نہم ص ۷)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی تحریر پرُ انوار میں ''کسب مطلوب'' کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ'' جائز پر ہوتو سب کے یہاں جائز'' عبارت مختصر ہی سہی ،مگر اس میں کسب کی پوری وضاحت پائی جاتی ہے،اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کام کیا جائے جو جائز ہو اور شرع شریف میں اس کے تعلق سے کوئی منع وارد نہ ہو،ایسا کسب اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اس طرح کا کسب کسی کے یہاں بھی کیا جا سکتا ہے مسلمانوں کے یہاں ۔۔۔۔ہندوؤں کے یہاں ۔۔۔نصرانیوں اور یہودیوں کے یہاں بھی کیا جا سکتا ہے ،رنڈیوں اور ڈومنیوں کے یہاں بھی کیا جا سکتا ہے،یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ انسانوں کا مسئلہ ہے ۔۔مگر کسب کی صورت میں محض مزدوری کرنا مقصد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال ہوا کرتا ہے کہ عام طور پر لوگ مال کمانے کے لئے ہی کسب اختیار کرتے ہیں،ایک مفکر اور دانشور ہونے کی حیثیت سے امام احمد رضا فا

ضل بریلوی نے اس پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''کلام اس میں کہ اگر ان کے یہاں کسی فعل جائز پر مزدوری کی تو آیا زر اجرت ان کے مال سے لینا روا اور اکل حلال ہوگا یا نہیں؟ اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جو مال گانے ناچنے یا معاذاللہ زنا کی اجرت میں ملتا ہے ان کے لئے حرام ہے وہ ہرگز اس کی مالک نہیں ہوتیں۔ وہ ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کا حکم رکھتا ہے نہ انہیں خود اس کا اپنے مصرف میں لانا جائز نہ دوسرے کو وہ مال بعینہ اپنے قرض خواہ کسی چیز کی قیمت خواہ مزدوری کی اجرت میں خواہ ویسے ہی بلا معاوضہ بطور ہدیہ خواہ صدقہ خواہ کسی طرح لینا روا ہو سکے بلکہ فرض ہیکہ جن جن سے لیا ہے انہیں پھیر دیں۔''

دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ مزدور بڑا یا چھوٹا مزدور ہو۔ مزدوری کی اجرت لے کر اپنے گھر کو روانہ ہو جاتا ہے، وہ سوچتا ہے، جو مزدوری ملی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ کسب میں مزدوری کی اجرت ہی مقصد عظیم ہے، کسی بھی چیز کے لئے مقصد کا پایا جانا کس قدر اہمیت رکھتا ہے اس کا اندازہ ''الاشباہ والنظائر'' کی اس عبارت سے لگا جاسکتا ہے، الامور بمقاصدھا کہ جس قدر بھی امور پائے جاتے ہیں ان پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے کہ ان امور کے مقاصد کیا ہیں، اس اعتبار سے ان پر حکم شرع نافذ کی جاتی ہے۔ کسب میں بھی مقاصد کو پیش نظر رکھنی چاہیئے اگر اس کسب سے کسی گناہ پر تعاون لازم آرہا ہے، تو اس طرح کے کسب کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر کسی کسب کے ذریعہ مال حرام کے ملنے پر یقین ہو تو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کسی بھی انسان کو اس طرح کے کسب اور پیشہ سے پرہیز لازم ہے، یہ نظریہ سیدنا اعلی حضرت فاضل بریلوی کا ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

اقول ۔۔۔۔۔مگر اس قدر تفرقہ ضرور ہے کہ اگر دینے والے نے یہ مال حسب دستور فی الواقع انعام یا بیل کے طور پر دیا تو ہبہ ٹھہرے گا اور اگر اصل مقصود آشنائی بڑھانا اور اپنی طرف لبھانا ہے تو بیشک رشوت قرار پائے گا اور اسی حکم مغصوب میں داخل ہو جائے گافا

**نماالامور بمقاصدھا وانماالاعمال بالنیات وانمالکل امرئیی مانوی** اور یہ فرق ملاحظہ قرائن سے معلوہوسکتا ہے اسی لئے مسموع یوں ہے کہ رنڈی ڈومنی سے واللہ جس شخص کوآشنائی ہوتی ہے وہ بلا وجہ بھی حسب مقدرت انعام کثیراور

جلد جلد بیل دیتا ہے یوں ہی دیہات کی رسم سنی گئی ہے کہ نیوتے والے جو بیل رنڈی کودیتے ہیں صاحب خانہ کا قرض سمجھ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس اجرت مقررہ میں مجرا لیتا ہے تو یہ بیل درحقیقت بیل نہیں بلکہ وہی اجرت ہے اور مغصوب میں داخل (فتاوی رضویہ ج/۹ ۷)

ماہرین اقتصادیات کی نگاہ میں جہاں سامان ،جنس کی اہمیت ہوا کرتی ہے وہیں ان کی نظر میں ثمن ،اجرت اور کسی کام کے بدلے میں ملنے والے روپے اور مال کی اہمیت ہو اکرتی ہے ،امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے بھی ماہرین اقتصادیات کی طرح مقصد اور ثمن واجرت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے یہ ان کے ’’علم اقتصادیات‘‘ پرمہارت کی ایک بڑی دلیل ہے۔اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس بحث وتمحیص میں وہ نکات بیان کئے ہیں۔

# فتاویٰ رضویہ میں درج شدہ مسائل تجارت کی تلخیص

{مولانا محمد سبحان رضا قادری مصباحی خضر پور کلکتہ}

چودھویں صدی کے عظیم مجدد شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین فقیہ فقیدالمثال الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی شاہکار تصنیف فتاویٰ رضویہ مسائل شرعیہ کا ایک عظیم مجموعہ اور فقہ حنفی کا بہت بڑا انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ہر قسم کے مسئلے کا تشفی بخش حل موجود ہے۔آپ نے اپنے قلم حقیقت رقم سے جہاں دیگر مسائل پر کھل کر بحث کی ہے وہیں بیع وشرااور تجارت سے متعلق مسائل پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔مطالعہ کے دوران معلوم ہوا کہ تجارت سے متعلق بعض فتاوے بہت مختصر اور مجمل ہیں اور بعض فتاوے تفصیلی ہیں۔راقم نے زیر نظر مضمون میں مختصر فتاوے سے قطع نظر صرف ان فتاویٰ کی تلخیص اور نچوڑ پیش کی ہے جو تفصیلی ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل اور ادق بھی ہیں تا کہ قارئین کو مطالعہ کے بعد سیکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے فتوے کا حل چند سطور کے ذریعے بآسانی معلوم ہو سکے۔

(۱)اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالت صحت، مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں یہ دونوں چیزیں ذکر کرکے داخل خارج کرادیا،ایک عرصہ کے بعد جب زید کا انتقال ہوا تو اس کی زوجہ نے وہ مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کردیا،اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ زید نے اسے لکھ کر دیا تھا کہ اگر میں ادا نہ کروں تو میری جائداد سے وصول کرلینا،کیا یہ اقرار شرعاً روا ہے؟اور وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ زید نے اسامی بھی لکھ دیا ہے شرعاً صحیح اور درست ہے؟

آپ نے اس استفتا کا جواب مختلف کتب فقہیہ و اسفار معتمدہ مثلاً درمختار،ردالمحتار ،،الاشباہ والنظائر اور فتاویٰ ہندیہ وغیرہ کے حوالوں سے مزین کرکے تقریباً چھ صفحات پر مشتمل سپرد قرطاس کیا ہے جس کا خلاصہ اور نچوڑ خود امام کے الفاظ میں یہ ہے:

صورت مستفسرہ میں بے شک وہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوک عمرو ہوگیا،اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں،نہ کوئی قرضخواہِ زید اس سے اپنا

قرضہ وصول کرسکتا ہے، محل تأمل وامر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقد واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی جمع کیا حالاں کہ حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں، کلیہ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں ۔۔۔۔پس بہرحال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے، زید یا زوجہ زید یا قرضخواہان زید کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ قرضہ زید اس سے کچھ وصول کرسکتا ہے ۔(فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع، ص:۱۰۹)

(۲)اسی طرح محدث بریلوی کی بارگاہ میں مہر شدہ سرکاری کاغذ کے خرید وفروخت کے سلسلے میں استفتا ہوا، آپ نے تقریباً چھ صفحات پر مشتمل اس کا جواب تحریر فرمایا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور فقہی عبارتوں کے ذریعے سوال کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، اصل فتویٰ آپ وہاں ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف امام کے الفاظ میں اس کا خلاصہ قلمبند کیا جاتا ہے:

لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جواز تجارت کے لیے تراضی باہمی شرط فرمائی اور پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج حق کے لیے کرتا ہے جب کہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم **من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما**(جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے کمتر کو اختیار کرے )صَرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجئے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہیں کیا تھا، اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صَرف نہ پڑتا ،مگر مفسد رضا بے شک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے کہ دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑا لیا، یہ روپے اگرچہ فی الواقع باختیار خود دیے مگر عمرو کے لیے حلال نہ ہوجائیں گے کہ ہرگز برضا خود نہ دیے، اختیار ورضا میں زمین وآسمان

کا فرق ہے اور عقود بیع وشراء وہبہ وامثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے افساد کو بس ہے۔(فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع،ص:۱۴۴)

اخیر میں لکھتے ہیں بالجملہ فقیر غفرلہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطلق حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا،ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں۔(فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع،ص:۱۴۸)

(۳)امام اہل سنت کی بارگاہ میں استفتا ہوا کہ زید نے اپنے مکان کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر طے کردے وہی قیمت ہے یعنی قیمت کی تقدیر وتعیین بکر کی رائے پر موقوف کردی،یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد؟ پھر بکر نے تخمینا تین ماہ کے بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اٹھ گیا یا نہیں اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا مطلب ہے؟اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں؟امید کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔

فتویٰ تفصیلی اور مدلل ہے جسے مکمل پڑھنا ہو وہ اصل فتویٰ کی طرف رجوع کریں،یہاں صرف اس کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا: یہ بیع فاسد ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے آپ نے مزید فرمایا کہ بیع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مبیع اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں جس سے جھگڑا پیدا ہو،جیسے کہا جائے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس چیز کی بیع اس کی قیمت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے مطابق۔

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ بالاجماع متقرر ہوگیا،اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔

اور صلب عقد بدلین (ثمن ومبیع) ہیں،یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں،یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کارآمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے تو یہ عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا

۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص:۱۷۷ تا ۱۸۲)

(۴)بیع مکروہ کا ایک سوال جس میں پوچھا گیا کہ غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟۔آپ نے عالمگیری ،جواہر خلاطی ،جامع الجوامع اور تاتارخانیہ وغیرہ اسفار معتبرہ کے حوالے سے فرمایا: غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطے کہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو تو یہ مکروہ وممنوع ہے،اور اگر غلہ دور سے خرید کر لایا اور گرانی کے انتظار میں نہیں بیچا یا اس کا نہ بیچنا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص:۱۸۹)

(۵)محدث بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواب میں اپنے پاکیزہ قلم کے ذریعے جو تحقیق کے دریا بہائے ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے، اس مختصر سے سوال کا جواب آپ نے تقریباً اکیس صفحات پر مشتمل تحریر کیا ہے۔یہاں پر اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ: تحقیق یہ ہے کہ جو شی مرابحۃ بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں :شرط اول: وہ شی معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہو نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو،ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے ،ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضروری نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی بھی سو دے دے،اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کرسکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن وساخت میں اس کے مثل ہوں ،یہ شرط ،بیع مرابحہ وتولیہ ووضعیہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شئ کا معین ہونا اس لیے ضروری ہے کہ یہ عقد اس شئ مملوک سابق پر وارد کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شئ ہے ،ولہٰذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحۃ نہیں بیچ سکتے۔

شرط دوم: وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے کے

بدلے، چاندی ،چاندی کے بدلے یا گیہوں، گیہوں کے بدلے یا جَو، جَو کے بدلے ۔عالمگیری میں ہے :''**ان اشتری ذهبا بذهب او فضة بفضه لم تجز مرابحة اصلا كذافي تاتار خانية**''ترجمہ: اگرسونے کوسونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے خریداتو اس میں مرابحہ بالکل جائزنہیں ،یہ تا تارخانیہ میں ہے۔

پھرتقریباً چار پانچ صفحات کے بعدرقم طراز ہیں : نوٹ میں تو شرط دوم خودموجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں ،نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحدالجنس ،اورشرط اول اس کی نفس ذات میں تومتحقق ہے کہ وہ فی نفسہ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہےاور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین اسے بالقصد متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ میں متعین نہ ہوگا ،اور اوپر معلوم ہولیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکا ہے ملک اول کے وقت اوراس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شئ جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بیچی ،وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور ہ قصد مرابحہ کررہے ہیں ،ضرور اسے متعین کرلیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے اورایک پیسہ معین دو پیسے معین کے بدلے بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاھم میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک اول کے لحاظ سے نفع مقررنہیں کرسکتا ،ابتداے بیع بے لحاظ سابق کرے جسے مساومہ کہتے ہیں ،تو اختیار ہے کہ جتنے کو چاہے بیچے اگر چہ دس کا نوٹ ہزار کے بدلے۔اور جہاں مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مشتری کوبھی اس کی رقم معلوم ہو اور اگرکسی ناخواندہ کے پاس بیچا ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہےتواس صورت میں اگراسے اسی جلسہ بیع میں معلوم ہوگیا کہ یہ مثلاً سوروپے کا ہے اور مجھے ایک سو چھ روپے چار آنے میں دیا جارہاہےتو بعدعلم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم ہے یا انکار کردے اور جلسہ بیع کے ختم

تک اسے معلوم نہ ہوسکا تو بیع فاسد وحرام اگر چہ بعد میں اسے معلوم ہوجائے ۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص: ۲۱۹ تا ۲۴۰)

(۶) آپ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اسی مجلس یا دوسری مجلس میں کل ثمن یا بعض ثمن مشتری کو معاف کردے تو اس معافی کی وجہ سے وہ عقد،عقد بیع رہے گا یا ہبہ ہوجائے گا ؟

امام اہل سنت نے اس کا جواب اختصار میں تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ قارئین کی نذر ہے ۔آپ فرماتے ہیں : کہ بے شک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کل ثمن یا بعض ثمن مشتری کو معاف کردے اور اس معافی کے سبب وہ عقد،عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے ،اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل قرار نہیں پاسکتا کیوں کہ ہبہ یا ابراء جو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ کہ اس جائیداد کا ،اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کا مقتضی ہے اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کس چیز کا تھا جو معاف کیا گیا۔پھر آپ نے اپنے فتوے کی مزید تائیدوتوثیق کے لیے بخاری ومسلم کی ایک حدیث نقل فرمائی کہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا تو جس اونٹ پر میں سوار تھا وہ تھک چکا تھا اور چلنے سے عاجز ہوگیا تھا۔آپ نے مجھ سے فرمایا: جابر! تیرے اونٹ کو کیا ہوا؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے،آپ نے پیچھے مڑکر اونٹ کو جھڑکا اور اس کے لیے دعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا،پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے ۔آپ نے فرمایا: کیا اس کو میرے پاس فروخت کروگے؟ تو میں نے انکار سے حیا کیا حالاں کہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور اونٹ نہ تھا تو میں نے وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا ۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا،آپ نے مجھے اونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کردیا۔

امام اہل سنت لکھتے ہیں کہ : دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت

بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا، یوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کر دے اور ثمن بھی نہ لے۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص: ۲۴۷)

(۷)اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا ،فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اِس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئلہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ، پُر ظاہر کہ علت تحریر ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز ،نسیہ حرام اور اگر دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال کما فی عامۃ الاسفار۔اور مانحن فیہ میں بالبداھۃ دونوں مفقود ، عدم مجانست اس لیے کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون ،پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہیے۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص:۶۰۱ تا ۶۰۲)

(۸)محقق بریلوی کے یہاں سوال ہوا کہ دس روپے کا نوٹ دے کر بارہ روپے عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ آپ نے تین صفحات پر مشتمل دلائل وشواہد کی روشنی میں اس کا جواب ارقام فرمایا ہے، چند سطور میں اس کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

آپ نے فرمایا: بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں۔فتح القدیر وردالمحتار وغیرھما کتب معتمدہ میں ہے: ”**لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ**“ ترجمہ: اگر کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرا لینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے، حدیث میں ہے: **قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ والہ وسلم ”**کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا**“ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو قرض نفع لائے وہ سود ہے۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کتاب البیوع ،ص: ۶۱۰ تا ۶۱۳)

# تجارت کے شرعی قوانین فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

{مولانا محمد قمرالزماں مصباحی (مدرسہ دینیہ غوثیہ، امام گنج مظفر پور)}

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کو پورے عالم اسلام میں جماعت فقہاء میں نہایت اعتبار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور آپ کی تصنیف لطیف فتاویٰ رضویہ شریف کو پوری دنیا کے علماء نے فقہ حنفی کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا تسلیم کیا ہے جس میں تفسیر، حدیث ، اصول تفسیر ، اصول حدیث، فقہ، لغت، ہیت، سائنس، زبان وادب، حرفت، وصنعت، سیاست ومعشیت اور زراعت وتجارت ہر فن پر سیر حاصل بحث موجود ہے گویا ایک مجموعۂ فتاویٰ میں علوم وفنون کا موجیں مارتا سمندر ہے جس سے ہر صاحب ذوق اپنی تسکین ذوق کی خاطر سیپیاں چننے میں مصروف ہے۔آج دنیا کے اکثر عصری جامعات میں آپ کی ہما لیائی شخصیت پر تحقیق ہورہی ہے اور آئے دن آپ کی حیات وخدمات کا ایک نیا گوشہ محققین کو اپنی طرف متوجہ کررہا ہے اس سال جشن صد سالہ زریں کے موقعے سے محب گرامی خلیفہ تاج الشریعہ مولانا شاہد القادری صاحب قبلہ اور ان کے رفقائے فکر اپنے امام کی بارگاہ عبقری میں عظیم نمبر کی شکل میں محبتوں کا یہ نذرانہ پیش کررہی ہے، اسی تحقیقی کاوش کا ایک اہم حصہ ہے دعا ہے کہ خدائے قدیر ان حضرات کی اسی خدمت کو قبول فرمائے۔آمین ثم آمین۔

مسلمانوں کی زندگی کا ہر لمحہ قانون مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصار میں ہے اور اس گھیرے سے خود کو آزاد کرنا شریعت کی نگاہ میں بہت بڑا جرم ہے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے علاوہ زندگی کے اور بھی مسائل ہیں جو احکام شریعت کے اجالے میں حل کئے جائیں تو وہ یقینا عبادت کا درجہ رکھتے ہیں انہیں میں کسب حلال، پاکیزہ رزق کا حصول اور زراعت وتجارت بھی ہے۔خلاف شرع روزی تلاش کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے اور اس مذموم حرکت اور حرام کی شمولیت سے برکات کا اٹھ جانا یقینی اور لازمی ہے اس لئے تجارت کے فروغ اور اس کے اندر پاکیزگی کی روح پھونکنے کے لئے شرعی قوانین کی آگاہی ازحد ضروری ہے تاکہ اکل

حلال اور پاکیزہ کسب مال سے نسلوں کی پرورش ہو اور ایک حسین معاشرہ تشکیل پائے۔

اس سے پہلے کے فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں تجارت کے شرعی قوانین پیش کئے جائیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تجارت کی اہمیت وعظمت کے حوالے سے چند احادیث بھی نذر قارئین کردی جائیں۔

شعب الایمان جلد دوئم صفحہ ۲۲۱ کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ ان تاجروں کی کمائی ہے کہ جب وہ بات کریں جھوٹ نہ بولیں۔ جب ان کے پاس امانت رکھی جائے خیانت نہ کریں، جب وعدہ کریں اس کے خلاف نہ کریں، جب کسی چیز کو خریدیں تو اس کی مذمت نہ کریں، جب اپنی چیزیں بیچیں تو ان کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں اور ان پر کسی کا اُدھار ہو تو دینے میں ڈھیل نہ کریں اور جب ان کا کسی پر آتا ہو تو سختی نہ کریں۔

جامع الترمذی کتاب البیوع ص: ۵۰ کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امانت دار اور راست گو تاجر انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف کیمائے سعادت کے صفحہ ۳۰۱ پر حلال روزی کے حاصل کرنے پر کچھ حدثیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ”تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلسل چالیس روز حلال کھائے اور کسی حرام شئی کی آمیزش نہ ہونے دے تو پروردگار عالم اس کے دل کو نور سے معمور فرما دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت و دانائی کے چشمے جاری فرما دیتا ہے“۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری قدس سرہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ ص ۵۲۹ پر ”الاصابہ فی تمیز الصحابہ“ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے ”**اتبع علی نفسک و عیالک حلالا فان ذالک جهاد فی سبیل اللہ و اِعلَم انّ عونَ اللہ تعالی مع صالح التجار**“۔

”اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی تلاش کرو کیونکہ حلال روزی کی تلاش بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک گونہ جہاد ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نیک تاجروں

کے ساتھ ہے''۔

اسی صفحہ پر طبرانی کے حوالے سے بھی ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**اطلب الحلال واجب علی کل مسلم**'' رزق حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔

تجارت کی فضلیت اور اس کی برکت وعظمت پر قرآنی آیات اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ائمہ اور علماء کے اقوال وآراء بھی وافر تعداد میں موجود ہیں مگر طوالت کے خوف سے بچتے ہوئے اصل موضوع کی طرف رخ کرتے ہیں۔

احادیث کی روشنی میں اس تمہیدی گفتگو سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ تجارت کیلئے بیع کی قسمیں، اس کے احکام اور اس کے جائز و ناجائز کا علم ہونا ضروری ہے۔

اصطلاح شرع میں ''بیع'' **مبادلۃ المال بالمال بالتراضی بطریق التجارۃ**'' کو کہتے ہیں، ایسی رضامندی سے تجارت کے طریقہ پر مال کو مال کے بدلے میں لینا۔ بیع وشرا کا حکم نص قطعی ھے' حدیث پاک اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے قرآن پاک میں ارشاد باری ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنو الا تا کلو ا اموالکم بینکم باالباطل الاّ تکون تجارۃً عن تراض منکم (پ۵ سورہ النساء)۔

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو حرج نہیں۔

خرید و فروخت اور تجارت کیلئے چند اہم اور بنیادی چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے مثلاً بائع، مشتری، مبیع، ثمن اب ہر ایک کی تعریف فتاویٰ رضویہ شریف کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

بائع:- بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔

مشتری:- خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں۔

مبیع:- بیچی ہوئی شئی (چیز)۔

ثمن:- بیچنے والے اور خریدنے والے آپس میں شئی کی جو قیمت مقرر کرلیں اسے ثمن کہتے ہیں (فتاویٰ رضویہ، ج۱۰۔ص ۱۸۴)۔

بحر الرائق کے حوالے سے امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے مال کی تعریف یوں کی ہے۔ ''**المراد بالمال محییل الیہ الطبع و ممکن اذخامرہ لوقت الحاجۃ**''۔ ''یعنی مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان کریں اور اس کو حاجت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو،،(**فتاویٰ رضویہ ج ۱۷ ص ۳۳۲**)۔

بیع کے ارکان میں ایجاب وقبول بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایجاب وہ جو پہلے بولا جائے خواہ بیچنے والے کی طرف سے ہو یا خریدنے والے کی طرف سے اور اسی کے متعلق دوسرے کلام کو قبول کہتے ہیں۔مثلاًایک نے کہا کہ میں نے بیچا دوسرے نے کہا کہ میں نے خریدا، ایسے بیع کو بیع قولی کہتے ہیں اور بیع فعلی کہ کسی شئ کا لے لینا اور اس کی قیمت ادا کردینا،مثلاً خریدار سبزی وغیرہ کی دکان پر گیا اور بیچنے والی متیعنہ رقم دے کر سبزی اٹھا لاتا ہے۔یونہی وہ دکان جس میں ہر سامان ایک ہی قیمت کا ہو تو خریدنے والا روپیہ دے کر سامان اٹھا لے جاتا ہے اس میں بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان کوئی بات ہوئی مگر دونوں کے فعل ایجاب وقبول کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ جائز ہے اسے بیع تعاطی کہتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم ۱۷ ص ۱۷۱ میں اعلیحضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ لکھتے ہیں۔

''بیع تعاطی سے جائز ہے کہ بائع ومشتری زبان سے کچھ نہ کہیں یہ چیز لے لے وہ ثمن لے لے،مثلاًروٹی کا عام بھاؤ ایک پیسہ ہے زید عمر کی دکان پر آیا چار پیسے اس کے سامنے رکھے اور چار روٹیاں لے لیں عمرو نے کچھ نہ کہا بیع ہوگئی''۔

مزید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحم تحریر فرماتے ہیں ''مقصود انِ عُقود میں معنیٰ ہیں نہ کہ لفظ اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ،ظاہراً ہو خواہ قولاً اس لئے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی۔گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر اور جو عرف پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دائر ہوتا ہے جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو انہیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا''۔

بیع کی صحت کیلئے ایک شرطیہ بھی ہے کہ بیع مقدور التسلیم ہو یعنی حوالہ کرنے پر قادر ہو چنانچہ اعلیحضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''صحت بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ بیع مقرر التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کوضرور لاحق ہو، چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اسٹین یا ریشمی یا اونی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائزنہیں پھر اگر بائع نے بیع کو اکھاڑا یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے بیع مشتری کے حوالے کردیا تو بیع جائز ہوگئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرور تھا اب جب کے بائع نے اپنی رضا مندی اور اختیار سے تسلیم بیع کردیا تو وہ مانع زائل ہوگیا اور بیع جائز اور لازم ہوگئی''۔(فتاویٰ رضویہ ج ۱۷ ۱۸۶)۔

الغرض فتاویٰ رضویہ علوم وفنون کا بحر ذخار ہے جس سے موتی چننا ایک بڑے شناور کا کام ہے چند باتیں فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے پیش کردی گئی ہیں تا کہ تجارت کی اصل روح تک مسلمان پہونچ سکیں اور کسب حلال کے ذریعہ اپنے گھر والوں کی پرورش کریں اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کوشرعی قوانین کے اجالے میں زندگی گزارنے کی توفیق رحمت فرمائے آمین۔

☆☆☆

# چودہویں صدی میں خرید وفروخت کے درپیش مسائل اور فتاویٰ رضویہ

{مولانا محمد عطاء النبی حسینی مصباحی، جامعۃ المدینہ فیضان رضا، بریلی شریف}

یہ بات مسلم ہے کہ خرید وفروخت سے انسانی زندگی کا لازمی حصہ رہا ہے، اس لیے کہ یہ انسان کی فطرتی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں کیوں کہ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر ہے، یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے استعمال کی تمام اشیا خود ہی پیدا یا تیار کر لے ۔مثلاً ایک شخص کسان ہے جو اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود ہی کھیتی باڑی کرتا ہے مگر زرعی آلات، لباس اور رہائش کے سلسلے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے: الانسان مدني بالطبع انسان اپنی حاجات و ضروریات کے لیے ہر آن دوسروں کا محتاج ہے۔جب ہر شخص کی ضرورتیں دوسروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں تو پھر خرید وفروخت کے معاملات ناگزیر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر خرید وفروخت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نظامِ حیات ایک طرح سے درہم برہم ہوجاتا، انسانیت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہوجاتی اور انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے یا تو چوری اور لوٹ مار کا سہارا لیتا جس سے نہ صرف لوگوں کے اَموال خطرات میں پڑ جاتے بلکہ خوں ریزی کا بازار بھی گرم ہوتا یا دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہوتا جو کہ باعثِ ذِلت ہے اور بسا اوقات مالک معاوضہ کے بغیر دینے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے ساتھ یہ معاشی سرگرمیاں پیچیدہ تر ہوتی گئیں۔اسلام نے بطور عالمگیر مذہب عبادات کے ساتھ معاملات کا بے نظیر نظام پیش کیا ہے۔قانون اسلام کے ماہرین نے اپنے دور کے جدید معاشی مسائل جن میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ بیع وشراء کو تحقیق کا موضوع بنایا اور شرعی اصولوں کے مطابق معاشی سرگرمیوں اور خرید وفروخت کو صحیح انداز میں سرانجام دینے کی تعلیمات دیں۔امام احمد رضا چودہویں صدی میں خرید وفروخت کے درپیش مسائل اور فتاویٰ رضویہ اس وصف میں بھی نمایاں ہیں کہ انہوں

نے امت مسلمہ کے معاشی اور خرید و فروخت کے مسائل کا حل اسلامی اصولوں کے مطابق پیش کیا۔آپ کی کئی ایک تصانیف کا موضوع معاشی سرگرمیاں ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع ''چودھویں صدی میں خرید و فروخت کے درپیش مسائل اور فتاویٰ رضویہ'' پر کچھ تحریر کرنے سے قبل بیع و شراء یعنی خرید و فروخت کی اہمیت و افادیت بیان کر دی جائے تاکہ مذکورہ موضوع پر صفحۂ قرطاس پر محفوظ ہونے والی تحریر کی تفہیم وفہم آسان ہو جائے کیوں کہ موضوع کے دو جزء ہیں:

(۱) **بیع و شراء یعنی خرید و فروخت۔**

(۲) **فتاویٰ رضویہ۔**

## بیع کی شرعی حیثیت:

شریعت میں بیع کے جواز کا حکم ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا''۔(پارہ: 3،سورۃ البقرہ،آیت:275)

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔

## خرید وفروخت کی اہمیت قرآن میں:

اس کی حلت کے ساتھ بیع و شراء کا طریقہ کار سے بھی آگاہ فرمایا، چنانچہ اللہ فرماتا ہے :

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا''۔(پارہ:4،سورۃ النساء،آیت:29)

ترجمہ کنزالایمان'':اے ایمان والوں آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضا مندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔'

مطلب یہ کہ جب بھی کوئی سودا کر رہے تو آپسی رضامندی سے کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک فرد راضی نہ ہو اور دوسرا فرد اس کے باوجود لے اس طرح یہ خرید و فروخت تو نہیں ہو سکتا

البتہ غصب ہوگا جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔

جب انسان خرید وفروخت کرتا ہے تو اس میں ایک گونہ دھوکہ کی گنجائش ہوتی ہے کہ سودا کسی اور چیز پر ہوا لیکن اس میں تبدیلی کر دی گئی اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سلسلہ میں گواہ کرلیا جائے اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے قرآن کریم گویا ہے: **"وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ"**۔ **(پارہ:3، سورۃ البقرہ، آیت:282)**

ترجمہ کنزالایمان: اور جب خرید وفروخت کروتو گواہ کرلو۔

جہاں قرآن کریم نے بیع وشراء کی اجازت عطا فرمائی اسی طرح خرید وفروخت میں دھوکہ، فریب اور کمی کرنے سے منع بھی فرمایا۔ قرآن کریم میں ہے: **"وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ"**۔ **(پارہ:8، سورۃ الانعام، آیت:152)**

اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو۔

ناپ تول میں انصاف کا درس دینے کے ساتھ ساتھ کمی بیشی کرنے والوں کو اس تہدید آمیز انداز میں منع بھی فرمایا:

"وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ"۔

(پارہ:30، سورۃ المطففین، آیت:3)

کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں پورا لیں اور جب انہیں ناپ تول کر دیں کم کر دیں۔

خرید وفروخت کی اہمیت احادیث میں: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** "**التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشهداء يوم القيامه** (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث:2139، دار الفکر، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صادق، امین مسلمان تاجر قیامت کے دن شہدا کے ساتھ ہوگا۔"

عن رفاعه، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاِذَا النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ بُكْرَةً، فَنَادَاهُمْ: يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، فَلَمَّا

رَفَعُوا اَبْصَارَهُمْ وَمَدُّوا اَعْنَاقَهُمْ ،قَالَ:اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا ، اِلاَّ مَنِ اتَّقَى وَبَرَّوَصَدَقَ-(سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث: 2146، دار الفکر، بیروت)

حضرت رفاعہ نے فرمایا: ہم نبی اکرم کے ہمراہ عید گاہ کی طرف نکلے، آپ نے لوگوں کو صبح صبح خرید وفروخت کرتے دیکھا تو فرمایا: ''اے تاجروں کی جماعت''! تو لوگوں نے (رسول اللہ کی بات سننے کے لیے) اپنی نگاہیں اور گردنیں اونچی کرلیں، آپ نے فرمایا'' : تاجر لوگ قیامت کے دن گنہگار اٹھائے جائیں گے سوائے اس کے جو اللہ سے ڈرے نیک کام کرے اور سچ بولے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صلی اللہ علیہ وسلم -يَقُولُ :اِيَّاكُمْ وَ كَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ (مسلم شریف، کتاب المساقات، باب النہی عن الحلف فی البیع، حدیث: 4017، دار الفکر، بیروت)

حضرت قتادہ انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: بیع میں حلف کی کثرت سے پرہیز کرو، کہ یہ اگرچہ چیز کو بکوادیتا ہے مگر برکت کو مٹا دیتا ہے۔

## بیع واقسام بیع کی تعریف:

قرآن کریم وحدیث شریف کی روشنی میں خرید وفروخت کی اہمیت وافادیت اور فضلیت وضرورت بیان کرنے کے بعد اب بیع اور اس کے اقسام کا بیان شروع کیا جارہا ہے۔ اصطلاح شرع میں بیع کے معنی یہ ہیں کہ دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔(بہار شریعت، ج ۲، حصہ ۱۱، ص ۱۵ء)

## مرابحہ وتولیہ:

جو چیز جس قیمت پر خریدی جاتی ہے اور جو کچھ مصارف اُس کے متعلق کیے جاتے ہیں ان کو ظاہر کر کے اس پر نفع کی ایک مقدار بڑھا کر کبھی فروخت کرتے ہیں اس کو مرابحہ کہتے ہیں اور اگر نفع کچھ نہیں لیا تو اس کو تولیہ کہتے ہیں۔(مصدر سابق، ص:739)

بیع سلم: ایک طرف عین ہو اور ایک طرف ثمن اس کی دو صورتیں ہیں، اگر مبیع کا موجود ہو نا ضروری ہو تو بیع مطلق ہے اور ثمن کا فوراً دینا ضروری ہو تو بیع سلم ہے۔ (مصدر سابق، ص:795)

بیع صرف: ثمن کو ثمن سے بیچنا۔صرف میں کبھی جنس کا تبادلہ جنس سے ہوتا ہے جیسے روپیہ سے چاندی خریدنا یا چاندی کی ریز گاریاں خریدنا۔ سونے کو اشرفی سے خریدنا۔ (مصدر سابق، ص:820)

بیع استصناع: کبھی ایسا ہوتا ہے۔کاریگر کو فرمائش دے کر چیز بنوائی جاتی ہے اس کو استصناع کہتے ہیں۔ (مصدر سابق، ص:807)

بیع الوفا: بیع الوفا اس کو بیع الامانۃ اور بیع الاطاعۃ اور بیع المعاملہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس طور پر بیع کی جائے کہ بائع جب ثمن مشتری کو واپس دے گا تو مشتری مبیع کو واپس کر دے گا۔ (مصدر سابق، ص:834)

بیع فضولی: فضولی نے جو کچھ تصرف کیا اگر بوقت عقد اس کا مجیز ہو یعنی ایسا شخص ہو جو جائز کر دینے پر قادر ہو تو عقد منعقد ہو جاتا ہے مگر مجیز کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اور اگر بوقت عقد مجیز نہ ہو تو عقد منعقد ہی نہیں ہوتا۔ (مصدر سابق، ص:726)

**اقالہ**: دو شخصوں کے مابین جو عقد ہوا ہے اس کے اٹھا دینے کو اقالہ کہتے ہیں۔ (مصدر سابق، ص:734)

**چودہویں صدی میں خرید و فروخت کے درپیش مسائل اور فتاویٰ رضویہ: (1) مالی جرمانہ کا حکم:** بکر نے ایک عالم کے فرمانے سے مسلمانوں کے روبرو یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کو حقہ پانی نہ دیا جائے اور جتنے وقت کی نماز نہ پڑھے ایک پیسہ جرمانہ ہونا چاہیے۔زید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طور کی نماز پڑھوانی زینہ دوزخ کا ہے اس بارہ میں حکم شریعت کیا ہے بینوا تو جروا۔

الجواب: حقہ پانی نہ دینے کی تجویز ٹھیک ہے اور مالی جرمانہ جائز نہیں۔ **لانہ شئی کان ونسخ کما بینہ الامام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ** (کیونکہ یہ چیز پہلے تھی لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی جیسا کہ امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا

ہے۔ت) مگر زید کا وہ کلمہ بہت بُرا اور سخت بیجا ہے۔

فان المصادرته المالیته تجوز عند الامام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کیونکہ مالی جرمانہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔) نماز پڑھوانا زینہ دوزخ نہیں بلکہ نہ پڑھنا۔ زید توبہ کرے واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ رضویہ، جلد:5،ص:111، رضا اکیڈمی)

(2) اینٹوں کو نیلامی میں خریدنا: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالے خاں اس کی اینٹ تخمیناً قریب چار ہزار کے تھیں اس کو ایک ڈگری دار نے قرق کرایا اور بجائے چار ہزار کے ڈھائی ہزار کا تخمینہ کیا گیا اور ان اینٹوں کو بضرورت مسجد نیلام میں خرید کیں اور خرید بنام سنو خاں کے لیں بعد خرید نیلام کے جب اس کا شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئیں اور آپس میں یہ مشورہ ہو گیا کہ اس کے اوپر کوئی دام نہ بڑھاؤ۔ تو اب مسجد میں ڈھائی ہزار دینا چاہئے یا کل دی جائیں اور اگر ڈھائی ہزار دی گئیں تو باقی ڈیڑھ ہزار تخمیناً بچیں تو اس کا مالک کالے خاں ہے یا مسجد کی ہوئیں؟

الجواب: جو باقی بچیں ان کا مالک تو یقینا کالے خاں ہے اس کو دی جائیں، اور سائل نے بیان کیا کہ یہ نیلام ڈگری دار نے کرایا اور اس کا مطالبہ پورا ابھی نہ ہوا نہ کہ کچھ بچتا اور کالے خان کو دیا جاتا اور وہ لیتا تو وہ ڈھائی ہزار بھی مسجد میں صرف کرنی جائز نہیں، ہاں اگر کالے خاں بخوشی مسجد کو ہبہ کردے تو جائز ہے چاہے یہ ڈیڑھ ہزار بھی ہبہ کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(مصدر سابق، جلد:16،ص:483)

(3) عقد بیع میں رجسٹری کی حیثیت: کیا فرماتے ہیں علمانے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق ۲ بسوانسی کچھ کچھانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ (ماسہ مہ ۱۵۸) روپیہ کو اور بیع نامہ لکھ کر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچا زاد بھائی کو (سامہ لعہ ۳۹۵) روپیہ کا پیغامہ لکھ کر رجسٹری کرادی، اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیع نامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کے ڈر سے، اور یہ حقیقت اصل میں وہی (ماصہ مہ ۱۵۸) کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ بِسیّ ہیں، تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پا سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: بیع عقد لازم ہے بعد تمامی ہرگز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کر دے جب وہ بدست بکر بیچ چکا بیعنامہ لکھ دیا اس پر اپنے دستخط کر دئے، تو تمامی عقد میں اصلا کوئی شبہ نہ رہا۔ رجسٹری نہ شرعا ضروری نہ اسے تکمیل عقد میں اصلا کچھ دخل، بلکہ شرعا تو صرف ایجاب وقبول کا نام بیع ہے اگر چہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے یونہی تنہا بیعنامہ بطریق معروف و معہود لکھ کر دستخط کرنا مشتری کا اسے قبول کر لینا بھی عقد تام و کافی ہے، اگر چہ زبانی الفاظ مقررہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا، میں نے بیچا۔ت) کا ذکر نہ آیا ہو۔ (مصدر سابق، جلد: 17، ص: 96)

اس مسئلہ کا حاصل کلام کچھ یوں رقم فرماتے ہیں :

غرض حقیقت مذکورہ ملک زید سے خارج ہو کر ملک بکر میں داخل ہوگئی، زید بکر سے صرف (ماسہ مہ ۱۵۸) کا مطالبہ کرسکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی، بے اجازت بکر مردود ہے، بکر کو اپنی ملک میں دعویٰ شفعہ کی کوئی حاجت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (مصدر سابق، جلد: 17، ص: 96)

(4) آڑھت کے کام کے احکام: ایک شخص اپنا مال آڑھت میں دے کر دکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہو جائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کئے لیں گے، یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کرسکتا اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہو جائے گا تو یہ حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

(مصدر سابق، جلد: 17، ص: 126)

(5) جعلی گھی کی بیع: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ

وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب و مغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، اگر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش و فریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا، اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت و مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مطلقا جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا۔ (مصدر سابق، جلد: 17، ص 150)

اور آخر میں اس مسئلہ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

بالجملہ: مدار کا ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو چنوں میں کسایا بجہت عرف و اشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام و کمال بیان کرے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

(مصدر سابق، جلد: ص: 151)

(6) پھل آنے سے قبل اس کی بیع: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فردا پر وعدہ کیا مگر کل کو قیمت وعدہ پر ادا نہ کی، وعدہ کو فسخ کیا بیع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام و ناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع و مشتری دونوں پر اس سے دست کشی و توبہ لازم ہے: فی الدار المختار باع ثمرہ قبل الظھور لایصح اتفاقا واللہ تعالیٰ اعلم۔ درمختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مصدر سابق، جلد: 17، ص: 155)

(7) کھیتوں میں کھڑے گنے کے رس کی بیع: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر از روئے تخمینہ و اندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو

زید نے بہ نفع مبلغ (مہ ہہ ۱۲ / ) ایک سومن بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے فروخت کیا اورفورا زر قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمیہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سومن خام پر ہوتے ہیں، بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہٰذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعا مذہب حنفیہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں، عنداللہ اجروثواب ہوگا۔

الجواب: یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جائے نرے سود ہیں۔فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی عن بیع مالیس عندہ وعن بیع وشرط۔والربٰوھوالفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایہ والمسائل واضح، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہوا اور بیع اور شرط سے منع فرمایا اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے،اور یہ تمام مسائل واضح ہیں،واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مصدر سابق،جلد: 17،ص: 159)

(8) حشیش اور بھنگ کی بیع: شریعت مطہر حنفیہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الجواب: یجوز للدواء وان ظن انه یتعاطاه للتفتیر لایحل البیع منه لقیامعصیته به بعینه- واللہ تعالیٰ اعلم-

دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہٖ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم- (مصدر سابق،جلد:17،ص:(168)

ایک دوسرے مقام پر اسی حوالے سے سوال و جواب یوں موجود ہے: بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لے کر دکان کرے تو بھنگ لینا اور دکانداری کرنا جائز ہے یا نا جائز؟

الجواب: بھنگ اور افیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے- اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدر قلیل جزو ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تفتیر نہ ہو، اندرونی بھی جائز ،تو وہ معصیت

کے لئے متعین نہیں ، تو ان کی بیع حرام نہیں ، مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خرید ے ، لیکن اکثر وہی ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتر زا، ٹھیکہ یہاں غالبا بایں معنیٰ ہے کہ گورنمنٹ سے ان کو اجازت دی جاتی ہے ، دوسرا نہیں بیچ سکتا ، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم - ( مصدر سابق ، جلد: 19 ، مسئلہ: 217)

(9) بیمہ کا شرعی حکم : برادرم محمد عبدالعزیز نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتویٰ دیا ، مذکور فتویٰ کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا دیکھنے سے معلوم ہوا کے سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلا پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں - ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا وآگ کے بیمہ کے ، جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں :

پہلی صورت میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکور کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ معدود فی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائے گی -

تیسری صورت کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے -

چوتھی صورت ، یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے ۔کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی - (ملخصاً)

**الجواب**: یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں ، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی

فتح القدیر (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی - ت) واﷲ تعالیٰ اعلم
-(مصدر سابق، جلد:17، ص:365، 365)

(10)**کمپنی کے حصوں کی خرید و فروخت کا حکم:** ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جیسے بینک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں۔ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ درحقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگر چہ وہ بلفظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقح ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منقع نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے۔(ملخصاً)

**الجواب:** یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض شرکت دیتا ہے یا بطور ہبہ یا عاریۃً یا قرض۔صورت ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشّمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کلی نفع کا یہی مالک ہوگیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے، شرکت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔

یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضاء شرکت عدل و مساوات ہے۔

بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، اور عاریت میں شے بعینہ قائم

رہتی ہے بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض، اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا۔

یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت، اور یہی شرکت شرعیہ، اور وہ نفع منقح رجماً بالغیب ٹھرا لینا محض جہل وحماقت تھا، بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے، خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔(مصدر سابق، جلد:17،ص 371)

(11) **کاغذی نوٹ کے احکام** : **ماقوم لکم دام طولکم فی هذا القرطاس المسکوک المسمی بالنوط والسئوال عنه فی مواضع الاول هل هو مال ام سند من قبیل الصک؟**

یعنی آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، اول کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

**اقول**: (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہو جائیگی تو سب احکام واضح ہو جائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے رکھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر وشامی وغیرہما میں ہے......

اور بے شک محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچ سو برس پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علماء کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا وآخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں

جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں۔(مصدر سابق،جلد:17،ص:398'399)

(12) **اینٹوں میں بیع سلم:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی ،خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دوسو روپے اسے دے دئے یہ صورت شرعا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** جائز ہے جب کہ سانچا معین کر دیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی۔

**لانہ منقطع فی الحال کخطة جدیدہ قبل وجودھا وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرة قدرہ کمکیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس ولبن واجر بملبن معین واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کیوں کہ وہ فی الحال نایاب ہے جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے جیسے کیلی چیز ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً اخروٹ،انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی پکی اینٹیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(مصدر سابق،جلد:17،ص:576)

(13) **وکیل کی خرید وفروخت میں بے راہ روی پر تنبیہ:** بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالب علموں کو دے دو۔ زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسب نرخ بازار کتابیں لے کر طالبعلموں کو تقسیم کر دیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالتاً اور خرید وکالتہً کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعا معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انہوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیم کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کر دیا۔اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس نہیں ہوسکتیں، بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالبعلم کون کون تھے،زیادہ زمانہ گزر گیا

۔اور مسئلہ میں شبہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے، بینوا توجروا۔

**الجواب:** صورت مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا۔ نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوئی۔ فان الواحد لا یتولی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح۔ کہ بیشک ایک ہی شخص بیع جیسے عوض کے معاملات میں خرید اور فروخت دونوں کا ولی نہیں بن سکتا بخلاف نکاح کہ اس میں بن سکتا ہے۔

تو یہ کتابیں اس کی اپنی گئیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے۔

درمختار میں ہے بیع شراء اور اجارہ ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا جن کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہیں مگر اس صورت میں جبکہ موکل نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلاً یہ کہہ دے تو جس سے چاہے بیع کر، تو ایسی صورت میں وہ ان لوگوں سے بازاری قیمت پر عقد کرسکتا ہے اور سراجیہ میں ہے اگر موکل نے ایسے لوگوں سے عقد کی صراحتا اجازت دی تو بالا جماع بیع جائز ہے لیکن خود اپنے لئے خرید نہیں کرسکتا اھ مختصرا۔اور رد محتار میں ہے منح الغفار کے حوالہ سے السراج الوھاج سے منقول ہے کہ اگر موکل نے ایسے لوگوں سے بیع کا اختیار دیا ہو تو بالا جماع ان لوگوں سے بیع جائز ہے لیکن اپنیذات کے لئے خریدنا تو یہ قطعا جائز نہیں اگر چہ موکل نے اس کو صراحتہ یہ اجازت بھی دی ہو اھ مختصرا۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (مصدر سابق، جلد:19،ص:94)

(14) **تعطیل معہود کی تنخواہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید مدرسہ اسلامیہ کا نوکر تھا اور موافق دستور العمل مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایام تعطیل میں اپنے مکان کو چلا گیا، اور قبل اس کے ایام تعطیل ختم ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہوکر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایام تعطیل کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی،

فان المعهود عرفا کالمشروط مطلقا (عرف میں معلوم متعین چیز مطلقا مشروط کی طرح ہے۔

اور کسی شخص کو اصلا اختیار نہیں کہ بے اطلاع اجیر جب چاہے بطور خود عقد اجارہ فسخ کردے، مگر جب کوئی عذر بین واضح ظاہر ہو جس میں اصلا محل اشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہو اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا۔

درمختار میں ہے کہ اجارہ رضامندی یا قضاء کے ذریعہ فسخ ہوسکتا ہے الخ، اور ردالمحتار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ناغہ کا عذر ظاہر ہو تو مدرس کے اختیار میں ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو پھر وہ مختار نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مصدر سابق، جلد:19، ص:438)

(15)**تالاب کا اجارہ:** زید کا ایک تالاب ہے، اس کو بعوض بیس روپے ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا، اور کہا کہ ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کرسکتے ہو اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ مسئلہ معرکۃ الاراء ہے عامہ کتب میں اس اجارے کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافق اصول وقواعد مذہب ہے۔

اور جامع المضمرات میں جواز پر فتویٰ دیا، فی الدر المختار و جاز اجارۃ القناۃ والنہر مع الماء بہ یفتی لعموم البلوی مضمرات انتھی۔ درمختار میں مضمرات سے منقول ہے کہ نہر اور راجباہ کو پانی سمیت اجارہ پر دینا ہے، عموم بلوٰی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے اھ۔

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کردے، یوں اسے کرایہ اور اسے پانی مچھلی، گھاس جائز طور پر مل جائیں گے،،،،،، یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر دے کہ تالاب کا اجار بھی بالتبع جائز ہوجائے۔ (جلد :19، ص:480)

(16)**پراوڈنٹ فنڈ میں کمپنی سے ملنے والی رقم کا حکم:** کیا فرماتے ہیں

علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ ، ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ ۴ /عہ سے فی روپیہ ا/ وضع ہوتا ہے۔ اوراس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متعلقہ سے لی جاتی ہے۔ مثلا ( ) کے تنخواہ دار سے وضع کیا گیا۔ اور (۱۰/ ) ریاست سے لیا گیا کل ۴ /عہ وصول ہوکر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور اس پر بینک مذکور کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے ، جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زراصل وسود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا۔ آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب** : ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہوکر بعد ختم ملازمت دیا جائے ، ہرطرح وہ اس ملازم کی ملک ہے ، اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہو اس کا (/۱ ۳۲) کہ حسب قرارداد معروف ومعہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ وہ بھی حقیقۃ اسی تنخواہ کا جز ہے۔ (عہ / ) کا ملازم واقع میں برائے قاعدہ مقررہ (عہ/ ۱۰) ماہوار کا ملازم ہے جسے (عہ / ) گورنمنٹ اور (/۱۰ ) ریاست سے ملیں گے اگرچہ ماہ بماہ سہ (عہ /۱۲) پائے گا ، اور (۲ عہ / ) گورنمنٹ کا اور (/۱۰ ) ریاست کا جملہ (۱ عہ / ) تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں ایک مدت مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا ، کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو ، اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع واجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد وگناہ ہوجاتا ہے۔۔۔۔۔

مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت ، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے ، واجب ہوجاتی ہے۔ اور وہ اجیر کی ملک ہے۔

**درمختار میں ہے** : **حکم الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال** ۔ فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ استعمال کرلینے پر مثل اجرت واجب ہوتی ہے۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوتی ہے ، ملک ملازم ہے۔ رہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہرگز جائز نہیں ۔۔۔۔۔ اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں

فقراء ومساکین ودیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگر چہ دینے والے اسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں۔
(مصدر سابق، جلد:19، ص:533)

(17)**منی آرڈر کا حکم:** ونجات کے لئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ ومنی آڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں عدم ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے تو فقیہ بنیہ اس شرط پر ضمان کے جواز میں اصلا تردد نہ کرے گا۔ وباللہ التوفیق۔(مصدر سابق، جلد:19 ،ص:574)

(18)**بٹائی پر زمین دینے کا حکم:** بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: **من لم یذر المخابرۃ فلیئوذن بحرب من اللّٰہ ورسولہ۔**

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد۔ ولہذا ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام وفاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا۔

**ہدایہ میں ہے:** **قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ المزاعۃ بالثلث والربع باطلۃ وقالا جائزۃ، لہ ماروی انہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نہی عن المخابرۃ وھی المزاعۃ ولانہ استیجار ببعض مایخرج من عملہ فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول او معدوم وکل ذٰلک مفسد ومعاملۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اھل خیبر کان خراجہ مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز، الاان الفتوی علی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ والقیاس یترک بالتعامل کمافی الاستصناع اھ مختصرا۔**

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے۔ اور

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جائز ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخابرہ یعنی مزارعتہ سے منع فرمایا، اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اجرت بنانا ہے۔تو یہ آٹا پسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اہل خیبر سے زمین کا معاملہ تو وہ امن کے عوض اخراج کی وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پا یا جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کو تعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیسا کہ سائی کی چیز بنوانا اھ مختصرا۔ (مصدر سابق، جلد:19،ص:602، 603)

(19)**کچہری کی طرف سے جبراً نیلام کر کے بیع کرنے کا حکم:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے (مامہ عہ) روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کر دئے جبکہ مدت گزری اور روپیہ ادا نہ ہوا، بکر نے نالش کر کے مع سود وخرچہ (مالہ لعہ لعہ ) کے ڈگری پائی، اس میں تینوں مکان جن کی قیمت کی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہو گئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدا اور بعدہ، اپنے آقا کے لئے خریدنا ظاہر کر کے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے ان مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ دونوں انتقال کر گئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کر کے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کر دی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں عمرو حو یلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کر سکتا ہے، یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کر دے اور حق دخلیابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہو گی؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** صورت مستفسرہ میں ان مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوٰی شفعہ نہیں پہنچتا کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملک مالک سے خارج ہونا ضروری ہے۔ **فی ردالمحتار فی الفتاوٰی الصغرٰی الشفعۃ تعتمد زوال الملک عن البائع الخ۔** ردالمحتار میں فتاوٰی صغرٰی

سے منقول ھے۔شفعه کامدار بائع کی ملکیت کازوال ھے۔الخ۔

اور یہاں وہ مکانات شرعا ملک زید سے خارج نہ ہوئے ، یہ بیع نیلام جو بلا اجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں ، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔۔۔۔۔

اب کہ زید خود ہی ان مکانات پر قابض رہا ، پھر وہ بلا اجازت انتقال کر گیا بیع باطل ہوگئی ، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں۔۔۔۔

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار پر ڈگری ، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں ، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس ، اور دعویٰ شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں ، **فی العالمگیریة لا تجب الشفعته مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لاتجب بالهبته والصلته والمیر اث والوصیته۔عالمگیری** میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے تو شفعہ لازم نہ ہوگا۔حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔

پس عمرو کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں ، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے۔اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(مصدر سابق، جلد: 20، ص:115)

(20)**دوامی پٹہ پر لی گئی پراپرٹی کے احکام:** ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی ورضامندی اپنی بیس بیگھہ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھہ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو ، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ ،مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے ، اگر قسط پر ادا نہ کرو گے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔ اب کاشتکاری ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے ، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھہ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی ، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں ، اگر بخوشی ورضامندی اپنی کاشت کار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے ، یا اگر مال گزاری کا شتکار

نے ادا نہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرا دے گا۔ اور اراضیوں کو بھی واپس کرا دے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کاران اراضیوں سے بے دخل ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعا پہنچتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں، ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے۔اور دوسروں کو ذیلی بھی بنا سکتا ہے،مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا،اگر لے گا مال خبیث ہوگا،مگر تین صورتوں میں،ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے،مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کوئیں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملا کر مجموع کو ذیلی کاشت میں دے،مثلاً ڈھائی روپے بیگھہ پر اس سے لی ہے، یہ ایک بیگھہ زمین اس میں اور شامل کر کے مجموع ۲۱ بیگھہ بلا تفصیل ،ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے۔ یہ صورتیں جائز ہیں،اور اگر زمیندار راضی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہ گار ہوگا،اور اس میں جو تنا اس کو ناجائز، جو اناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا،اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا،اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے اور اول اولیٰ ہے، جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکم شریعت پر عمل کرنا چاہے،تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، واللہ تعالیٰ اعلم۔
(مصدر سابق، جلد:20،ص:205)

(21) **چونگی ملازمت وصولی کا حکم**: کیا حکم ہے اہلِ شریعت کا کہ ملازمت چونگی کی جائز ہے یا نہیں؟ اور حاکمِ وقت کو اس کا روپیہ تحصیلنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ روپیہ رعایا سے تحصیل کر کے رعایا ہی کی آسائش کے واسطے روشنی سڑک وغیرہ کے کام میں لگا دیتے ہیں، اور چونگی کا محصول چرانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: نیک نیت سے چونگی کی نوکری تحصیل وصول کی جائز ہے نص علیہ فی الدر وغیرہ من الا سفار الخ (درمختار وغیرہ بڑی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی الخ) چوری یعنی دوسرے کا مال معصوم بے اُس کے اذن کے اس سے چھپا کر ناحق لینا کسی کو بھی جائز نہیں اور نوکر کا خلاف قرار داد کرنا غدر ہے اور غدر مطلقاً حرام ہے نیز کسی قانونی جُرم کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بلاوجہ ذلت و بلا کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی جرم ہے کما استفید من القراٰن المجید و الحدیث (جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث پاک سے معلوم ہوا۔ت) رہا یہ کہ حکام وقت کو اس کا تحصیلنا شرعاً کیسا ہے نہ حکام کو اس سے بحث ہے نہ سائل کو حاکم سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مصدر سابق، جلد:23، ص: 581)

(22) **قیدیوں کی تیار کردہ چیز کی بیع**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس زمانہ میں عام طور پر جو جیل خانہائے انگریزی یا جیل خانہائے ریاست ہائے ماتحت انگریزی میں جو طرح طرح کی اشیاء تیار ہوتی ہیں ان کا خرید کر استعمال کرنا کیسا ہے خصوصاً جائے نماز یعنی مصلی وغیرہ خرید کر خود نماز پڑھنا یا ان کو مساجد میں بغرضِ نماز بھجوانا۔ بیّنو اتو جروا۔

**الجواب**: احتراز چاہیے کہ اُن سے کام جبراً لیا جاتا ہے پھر بھی اگر اصل مال بائعوں کی ملک ہو تو حکم حرمت نہیں کہ ان کے منافع کا اتلاف اس شے کی ذات سے جدا ہے

**ھذا ماظھر لی ولیراجع ولیحرر** (یہی بات ظاہر ہوئی اور چاہئے کہ مراجعت کی جائے اور لکھا جائے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مصدر سابق، 23، ص:596)

☆☆☆

# میڈیسن کمپنی میں مارکیٹنگ کی نوکری کا شرعی حکم

# فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

{مولانا محمد شاہد القادری (جنرل سکریٹری مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال}

7003910625/92315063

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسائل کا حل قرآن مقدس میں جمع فرمادیا ہے، اس عظیم کتاب کی شرح احادیث طیبہ ہے کہ جہاں جہاں بندے کی افہام وتفہیم کام نہ کرے تو آیات جمیلہ کی وضاحت فرامین مصطفی جان رحمت میں تلاش کرلیں، تمام باتیں آشکارا ہوتی ہوئیں نظر آئیں گی، اللہ تعالیٰ نے مزید تشریحات کے لئے اپنے محبوبین کو دنیا میں بھیج کر زمانے کے حالات کے پیش نظر مسائل کی عقدہ کشائی فرمائی، ان محبوبین میں ۱۴ رویں صدی کی عبقری شخصیت فقیہ اسلام مجدد اعظم سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی ذات طیبہ ہے، جنہوں نے اپنے فتاویٰ میں مسائل شرعیہ کی مکمل وضاحت فرمائی، جن تک رسائی سہل ہے، حضرت فقیہ اسلام قدس سرہ العزیز کے زمانہ مسعود کے بعد ابتلائے زمانہ کے اعتبار سے بعض مسائل ظہور پذیر ہورہے ہیں، امت مسلمہ کی پیچیدگیاں بڑھ رہی ہیں، ان مسائل کا حل حلت وحرمت کے اعتبار سے اگر نہ پیش کیا جائے تو امت مسلمہ آئے دن مشکلات سے دوچار ہوتی رہیں گی۔

فتاویٰ رضویہ فقہ اسلامی کا ایک ایسا انسائیکلوپیڈیا ہے جن میں جزئیات کا خزانہ وافر مقدار میں موجود ہیں، فقہائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ چودہویں صدی میں ترتیب شدہ فتاویٰ رضویہ، پندرہویں صدی یا زائد کے درپیش مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔موجودہ زمانہ میں جب ہم جدید فقہی مسائل پر مشتمل مقالات کا مطالعہ کرتے ہیں ورطہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ محققین فتاویٰ رضویہ میں موجود جزئیات سے کافی وشافی حل پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے شیئر بازار، کریڈیٹ کارڈ، اشتراکی نظام معاشیات، دو ملکوں کے کرنسیوں کے تبادلے، مصنوعی زیورات، انٹرنیٹ اور ٹیلی فون کے ذرائع سے بیع و

شراء، بھگار کے مال کی خرید وفروخت وغیرہ۔

پندرہویں صدی ہجری کے درپیش مسائل میں ایک اہم مسئلہ ''میڈیسن کمپنی میں مارکیٹنگ کی نوکری'' ہے۔جس طرح دور حاضر کو سائنس اور ٹیکنالوجی سے منتسب کیا جاتا ہے ،اسی طرح تجارتی منڈی میں ''کمپیٹیشن'' کو بزنس کی ترقی کے لئے ایک اہم رول سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر کوئی بزنس مین تجارت میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو کمپیٹیشن کے دور میں خود کو وقف کر دینا ہوگا ورنہ بزنس صفر کی طرف رخت سفر باندھ لے گی۔

میڈیسن کمپنی میں مارکیٹنگ کی نوکری کا تعلق بھی ''کمپیٹیشن'' سے ہے،کمپنیوں کے مالکان اس دور میں خود کو اول پوزیشن میں رکھنے کے لئے بزنس میں نت نئے ''آفر'' پیش کرتے رہتے ہیں،بحیثیت مسلم ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں جاب کے وقت یا بیع وشراء کے وقت ،آیا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور شرع مطہر نے حلت وحرمت کے اعتبار سے کس خانہ میں رکھا ہے۔

میڈیسن کمپنی میں مارکیٹنگ کی نوکری کے چند بنیادی پہلو پر غور کرلیا جائے تا کہ آسانی سے جائز و ناجائز کا حکم شرع نافذ کیا جاسکتا ہے۔اس نوکریمیں بنیادی کام یہ ہوتا ہے کہ مختلف ڈاکٹرز سے ملاقات کر کے یہ ذھن سازی کرنی ہوتی ہے کہ ہماری کمپنی کی یہ میڈیسن فلاں فلاں مرض کے لئے تیار کی گئی ہے ،مریض کی دوا تجویز کرتے وقت ہماری ہی کمپنی کی دواؤں کو فوقیت دی جائے،اس کے عوض کمپنی آپ کی خدمت میں مختلف انداز میں تحائف پیش کرے گی، جیسے میڈیکل آلات، تفریحی مقامات کے اخراجات، فریز، گاڑی، فلاٹ، لیپ ٹاپ اور دوسری قیمتی اشیاء وغیرہ۔

میڈیسن کمپنی کی جانب سے کچھ مخصوص افراد تنخواہوں پر متعین ہوتے ہیں اور ڈاکٹروں سے جا کر ملتے ہیں،کمپنی کی دواؤں کا تعارف کرتے ہیں نیز کثرت سے دوائیں تجویز کرنے پر آفر کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہیں۔اب سمجھنا یہ ہے کہ

الف۔ ڈاکٹروں کا کام ہی یہی ہے کہ ایک مخصوص رقم لے کر اس کے عوض دوائیاں تجویز کرتے ہیں۔میڈیسن کمپنی کے'' آفر'' کی بنیاد پر اسی کمپنی کی دوائیاں تجویز کرنا،اس ''آفر'' کی شرعی حیثیت کیا ہے،کیا یہ رشوت میں داخل ہے؟

ب۔ کمپنی کی جانب سے متعین شخص اپنی ذھانت سے ڈاکٹروں کو تحائف کی پیشکش پر دوائیاں تجویز کرنے کو تیار کرتا ہے،اگر ''آفر'' کی حیثیت رشوت ہے تو اس طرح کی نوکری کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج۔کیاان ''آفر'' کو اجرت،کمیشن یا گفٹ کا نام دیاجائے گایا رشوت قرار دیا جائے گا۔

د۔اسی طرح اپنی کمپنی کی تشہیر کے لئے ڈاکٹروں کوکلینڈر، لیٹر پیڈ،قلم،کاپیاں پیش کئے جاتے ہیں اوران اشیاء پر کمپنی کا نام درج ہوتا ہے،کیا اس پیشکش کو بھی گفٹ یا رشوت قرار دیا جائے گا؟

فقیر قادری کی تحقیق یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ نوکری غیر شرعی ہے اور رشوت جیسے فعل حرام کی ڈیل پر مشتمل ہے، رشوت شرعاً ناجائز وحرام ہے۔فقہائے اسلام نے یہ اصول بتایا ہے کہ ہر وہ ملازمت جس میں ناجائز کام کرنا پڑے،حرام ہے،اشد حرام ہے۔

ایک مریض علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے،عموماً علاج کرانے اور دوائیاں تجویز کرانے کے لئے ڈاکٹروں نے ایک مخصوص فیس متعین کررکھی ہے۔علاج کرانے اور دوائیاں تجویز کرنے کے بعد مریض متعینہ رقم ڈاکٹر کے سپرد کرتا ہے،اس موڑ پر ڈاکٹر کی کوئی رحم دلی کا مظاہرہ نہیں ہوتا ہے۔نیز یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ میڈیسن فروخت کرنے والے نے ایک اسکیم چلائی کہ میری کمپنی کی دوائیاں زیادہ سے زیادہ فروخت ہو،اگر ہم اپنی کمپنی کی دوائیاں زیادہ سے زیادہ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو ڈاکٹروں کو کچھ آفر کرنا ہوگا ورنہ میری کمپنی کی دوائیاں زیادہ فروخت ہونے سے رہ جائیں گی۔

متذکرہ صورت بالا کی روشنی میں'' آفر'' پر بحث کرتے ہیں،آفر والی اشیاء کی دو قسمیں ہیں (۱) قیمتی اشیاء (۲) معمولی اشیاء۔

قیمتی اشیاء ہوں یا معمولی اشیاء،اس کی تفصیل یہ ہے کہ'' کمپنی اس طرح کی مختلف اشیاء ڈاکٹر حضرات کو صرف اس لیے دیتی ہے کہ وہ اپنی میڈیسن زیادہ سے زیادہ فروخت کروائیں،تو یہ اشیاء اپنا کام نکلوانے کے لئے دی جاتی ہیں،اور کام نکلوانے کے لیے دینا، رشوت کے زمرے میں آتا ہے،لہذا!اگر ڈاکٹر اس کا مطالبہ کرے تو یہ رشوت کا مطالبہ ہے

اور اگر مطالبہ نہ بھی کرے تب بھی صراحۃ یا دلالۃ طے ہونے کی صورت میں یہ رشوت ہی ہے، اور رشوت لینا مطلقاً حرام ہے، اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، اور جس طرح رشوت لینا دینا حرام ہے، اسی طرح رشوت کے لئے دلالی کرنا بھی حرام ہے''(فتویٰ دارالافتا اہلسنت ،کراچی)

اسی طرح ''کمپنی اپنی ایڈورٹائز منٹ کے لیے ڈاکٹر حضرات کو (دوائیں، قلم اور پیڈ وغیرہ) دیتی ہے کہ اکثر ان میں کمپنی کا نام موجود ہوتا ہے اور عموماً اشیاء معمولی ہوتی ہے یا قیمت کی ہوتی ہیں، لہذا! اگر کمپنی اپنی پروڈیکٹ بیچنے کا پابند نہیں کرتی ہے تو یہ بغیر کسی عوض اپنی شئے کا کسی کو مالک بنانا شرعی نقطہ نظر سے ''گفٹ'' کے حکم میں آتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے ادارے سالانہ اپنی ڈائری جاری کرتے ہیں اور مختلف لوگوں کو مفت میں دیتے ہیں، لہذا! اس معاملہ پر عرف جاری ہونے کی وجہ سے ان معمولی اشیاء کا لینا اور کمپنی کا انہیں دینا جائز ہے۔ یہ رشوت کے زمرے میں نہیں آتا ہے'' (فتویٰ دارالافتا اہلسنت ،کراچی)

جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ کمپنی کا ڈاکٹروں کو ''آفر'' دینا رشوت میں داخل ہے ،اسے ہبہ یا گفٹ کے الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے، ہبہ اور رشوت کیا ہے، اس حوالے سے فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی صراحت پر اجمالی نظر ڈال لی جائیں تا کہ یہ مسئلہ مصفیٰ اور منقحیٰ ہوجائے۔

ہبہ کی **تعریف** میں حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے'' (فتاویٰ رضویہ قدیم ج:۸، ص:۳۷، رضا اکیڈمی ممبئ)

ایک سوال کے جواب میں حضرت فقیہ اسلام قدس سرہ ''ہبہ'' کی تعریف مثال دے کر یوں پیش کرتے ہیں:

''مکان بنا کر کسی کو عطا کرنا، ماں باپ کا کوئی شئی اپنے روپئے سے اولاد کے نام خریدنا دونوں ہبہ ہے،'' (فتاویٰ رضویہ قدیم ج:۸، ص:۶۹، رضا اکیڈمی ممبئ)

**فرمان رسالت مآب** ﷺ ''حضرت ثوبان رضی اللہ فرماتے ہیں: **لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی و المرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینھما** [ترجمہ] نبی کریم ﷺ نے رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور رائش یعنی

دونوں کے درمیان کوشش کرنے والے (دلال) پر لعنت فرمائی'' [مسند احمد ۷ ۳/ ۸۵]

**رشوت کی تعریف:**۔ ''وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحاق قرار پایا ہو سود ہے، مثلاً سو روپے قرض دیئے اور یہ ٹھرالیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے، لہذا! سود حرام ہے'' (فتاویٰ رضویہ جدید ۱۷/ ۳۲۶)

''رشوت لینا مطلقاً حرام ہے، کسی حالت میں جائز نہیں، جو پرایا حق دبانے کے لئے دیا جائے رشوت ہے، یوہیں جو اپنا کام بنانے کے لئے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے، لیکن اپنے اوپر سے دفع ظلم کے لئے جو کچھ دیا جائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں، یہ دے سکتا ہے، لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام (فتاوی رضویہ مترجم ۲۳/ ۵۹۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

**سود کی علت:**۔ سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن و احادیث متواترہ میں وارد اور یہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں، اس کا قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ ہے:

**'' لایسئل عما یفعل و هم یسئلون ان الحکم الا اللّٰہ، له الحکم والیه ترجعون، وما کان لمؤمن و لامؤمنة اذا قضی اللّٰہ و رسوله امر ایکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص اللّٰہ ورسوله فقد ضل ضلا لا مبینا۔**

''[ترجمہ] اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، اور سب سے سوال ہوگا، اللہ ہی کا حکم ہے، اسی کی حکومت ہے، تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مرد یا عورت کو یہ کچھ گنجائش نہیں، جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انہیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے، جو اللہ و رسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا'' (فتاویٰ رضویہ جدید ۱۷/ ۳۵۸،۳۵۹)

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھ ''**انما البیع مثل الربا**'' بے شک بیع سود کی مثل ہے، تم جو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے، بیع میں بھی نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا:

''**واحل اللّٰہ البیع و حرم الربا**'' [ترجمہ] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا

سود،تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی کرو،حکم سب کو دیئے جاتے ہیں،حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے،آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کے کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بے جا ہے،یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہئے، یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چوں چرا کی مجال نہیں ہوتی،تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لئے دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے،والعیاذ باللہ تعالیٰ''(فتاویٰ رضویہ جدید ۳۵۹،۳۵۸/۱۷)

خلاصہ کلام یہ کہ ذکر کردہ اشیاء رشوت میں داخل ہے اسے تحفہ رگفٹ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے،اسی طرح کمیشن اور اجرت بھی نہیں کہا جاسکتا ہے،کمیشن اس لیے نہیں کہ جو دوائی لکھ کردے رہا ہے وہ تو اس کا کام ہے اور وہ علاج کی رقم بھی وصول کرتا ہے،کمپنی کے لئے اس نے کوئی الگ سے کام نہیں کیا ہے جس کی اجرت وکمیشن بنتی ہو، اور گفٹ اس لئے نہیں کہ گفٹ وہ ہوتا ہے جس میں کسی شخص کو بغیر عوض کسی چیز کا مالک بنایا جائے جبکہ بغیر عوض نہیں بلکہ اپنا کام بنانے کے لئے یہ چیزیں دی جارہی ہیں۔واللہ اعلم بالصواب!

☆☆☆

# امام احمد رضا اور غیر شرعی تجارت کی اصلاح

{مفتی محمد حنیف حبیبی (شیخ الحدیث دار العلوم مجاہد ملت، دھام نگر شریف، اڑیسہ)}

امام احمد رضا قدس سرہ ایک بالغ نظر مفتی، دقیقہ سنج محقق، دور رس مفکر اور غیر منقسم ہندوستان کے قاضی القضاۃ کے علاوہ چودہویں صدی ہجری کے عظیم مجدد تھے جنہوں نے سو سال کے نو پید مسائل کا نہ صرف حل پیش فرمایا بلکہ اسلامی اقدار و روایات میں درآئے سیکڑوں مفاسد کی اصلاح بھی فرمائی۔ چونکہ ہمارا روئے سخن امام اہل سنت کے اقتصادی نظریات اور غیر شرعی تجارت کی اصلاحات ہیں، اس لیے زیادہ تر تجارت کی نو ایجاد صورتیں اور کچھ پرانی شکلیں جو اسلامی اصول و ضوابط سے متصادم تھیں، آپ نے ان کا صحیح خد و خال متعین کیا اور امت مسلمہ کو اسلامی رہنما اصول سے روشناس کرایا ہے، اس مقالہ میں صرف انہیں کا مختصراً تذکرہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## نفع کے ساتھ نوٹ کی بیع

کاغذ کے نوٹ کا وجود پہلے نہ تھا بلکہ کرنسی کے طور پر سونا، چاندی، تانبا اور لوہا کے سکے رائج تھے۔ سیدی اعلیٰ حضرت کے دور میں اس کا رواج ہوا اور ساتھ ہی اس کے استعمال کے مختلف طریقوں اور ان کے جواز و عدم جواز کے سیکڑوں مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ امام اہل سنت نے ان تمام صورتوں میں اسلامی نظریات کی بھر پور وضاحت کی جس سے مسئلہ کا ہر پہلو کھل کر سامنے آ گیا اور بندگان خدا کو عمل کی راہ میں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہی۔

آپ سے سوال ہوا کہ ''ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے، لیا جائے گا یا نہیں؟'' آپ نے تحریر فرمایا کہ ''دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز ہے۔ اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز، جب کہ اسے سود سمجھ کر نہ لے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۷،ص ۳۲۷،۳۲۶۔ مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات)

معلوم ہوا کہ نوٹ کو برابر برابر اور کمی وبیشی کے ساتھ بیچنا درست اور صحیح ہے، اگر چہ زیادتی پہلے سے طے ہو چکی ہو۔ لیکن اسی نوٹ کو قرض دے کر زیادہ لینا طے ہو تو یہ سود ہے، قطعاً

حرام ہے، یہ حکم مسلمان کے ساتھ خاص ہے۔ بعینہ یہی صورت ہندو سے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس زیادتی کو سود سمجھ کر نہ لیا جائے۔

اس تفصیل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سائل نے اپنے سوال میں لکھا کہ ''دس روپیہ کا نوٹ دیا''- اس میں بیچا یا قرض دیا کی صراحت نہ تھی۔ جب کہ دونوں کا حکم حلت وحرمت میں مختلف ہے۔ اگر ایک شق کو سامنے رکھ کر حکم دیا جاتا تو عام قاری مسئلہ کی پوری نوعیت سے واقف نہ ہو پاتا۔ کچھ عجب نہ تھا کہ بیچنے والی صورتِ جواز پر قیاس کرتے ہوئے قرض مع نفع کو جائز سمجھ لیتا، یا قرض کی صورت پر قیاس کرتے ہوئے بیچنے والی صورت کو حرام قرار دیدیتا۔ مزید برآں بیچنے والی صورت میں دس کا نوٹ دے کر زیادہ لینا جس طرح ہندو سے درست ہے اسی طرح مسلمان سے بھی درست ہے۔ جب کہ قرض والی صورت اس کے بالکل برعکس ہے قرض دے کر نفع لینا ہندو (کافر حربی) سے تو صحیح ہے مگر مسلمان سے قطعاً درست نہیں (وجہ آگے آ رہی ہے)۔

کمال ہے امام اہل سنت کی فقہی بصیرت کا کہ آپ نے مختصر سے جواب میں مسئلہ دائرہ کی تمام شقوں کو یوں واضح کیا کہ احکام شرع پر عمل پیرا ہونے میں کسی قسم کی الجھن اور دقت پیش نہ آئے۔

نفع ہندو کو ملے تو حرام ہے۔

اسی نوٹ سے متعلق لین دین میں نفع کی ایک صورت ایسی بھی تھی جس میں عوام کو جواز و عدم جواز میں سخت اشتباہ تھا کیونکہ اس میں شکل ایک جیسی تھی مگر حکم الگ الگ تھا۔ اس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے کہ مسلمان اور ہندو کے درمیان قرض کا معاملہ اس طرح طے ہوا کہ نفع مسلمان کو ملے گا، یہ نفع درست ہے، سود نہیں۔ اس کے برعکس نفع اگر ہندو کو ملے یعنی مسلمان کو زیادہ دینا پڑے تو یہ صورت ناجائز وحرام ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

(ہندو نے) مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا، اور شرط کر لی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سود ہے۔'' لأن کل قرض جر منفعة فهو ربا'' (فتاویٰ رضویہ ج ۷، ص ۱۰۵، سنی دار الاشاعت)

کافر کی رضا سے اس کا مال حلال ہے۔

ذہن میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ نوٹ سے متعلق مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ہندو

سے نفع لینا درست ہے جب کہ مسلمان سے نفع لینا سود اور حرام ہے، آخر ایسا کیوں؟

اصل جواب سے قبل کافر کے اقسام ملاحظہ فرمائیں کہ اسی پر احکام کے فرق کی بنیاد قائم ہے۔ کافر کی تین قسمیں۔ کافر ذمی، کافر مستامن اور کافر حربی۔ ہندوستان کے ہندو، ذمی یا مستامن نہیں ہیں بلکہ وہ سب کے سب کافر حربی ہیں۔ ضابطہ ہے کہ کافر حربی کو دھوکہ دیئے بغیر اس کی رضا اور خوشی سے جو مال ملے وہ مسلمان کے لیے حلال ہے۔ امام اہل سنت اس مسئلہ کی وضاحت بایں الفاظ فرماتے ہیں۔

''یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے غیر مسلم ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے، نہ مستامن اور جو غیر مسلم نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے۔ کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔ اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کے لیے حلال ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷، ص ۱۰۵، دار الاشاعت)

گورنمنٹ سے ملنے والا نفع جائز ہے۔

اب تک کی تمام تفصیلات ہندوستان کے ہندو یعنی کافر حربی سے لین دین کے جواز کی تھیں۔ مسئلہ یہاں کی حکومت سے ملنے والے نفع کا تھا۔ خواہ پوسٹ آفس سے ملنے والا نفع ہو یا بینک کا نفع یا سرکاری نوکری سے جمع شدہ رقم کی منفعت۔ اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ

''گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟''

آپ نے جواب دیا۔

''سود کی نیت سے لینا جائز نہیں، اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ اور شخص کا شرعاً کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلا شبہ روا، یوں ہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے، اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا عذر و بدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۷، ص ۳۸۹، ۳۸۸، برکات رضا، پور بندر، گجرات)

مذکورہ بالا دونوں جوابوں کے اقتباسات سے کم از کم دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ بدعہدی کے بغیر کافر حربی سے جو نفع اس کی رضا سے ملتا ہو درست ہے خواہ کافر اسے سود ہی کیوں نہ

کہے۔ کیونکہ کافر کے سود کہنے سے ایک مباح مال کو مسلمان ناجائز وحرام نہ جانے اور نہ ہی سود سمجھ کر لے، کیونکہ جائز کام بھی ناجائز سمجھ کر کرنا گناہ ہے۔

اہل تقویٰ کے لیے اعلیٰ حضرت کا فتویٰ۔

ہر وہ کافر جو نہ ذمی ہو نہ مستامن، اس کی رضا سے قرض دے کر اس سے زائد مال مسلمان لے سکتا ہے۔ یہ حکم شرع ہے جسے امام اہل سنت نے بحیثیت ایک مفتی بیان فرمایا۔ مگر اس مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف لوگ اہل علم وفضل اور صاحبان تقویٰ وطہارت پر الزام لگا سکتے ہیں کہ یہ تو سود کی شکل ہے۔ عالم، مفتی اور متقی ہو کر اسے کیوں کر لے سکتے ہیں؟ دامن تقویٰ و پرہیزگاری پر داغ تہمت کا امکان تھا۔ مجدد اعظم اسے کیسے گوارا کر سکتے تھے اس لیے آپ نے اصل حکم کے بیان کے معاً بعد تحریر فرمایا۔

''اصل حکم یہ ہے۔ مگر اہل تقویٰ خصوصاً مقتدا کو ان دونوں، خصوصاً اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے تہمت کی جگہوں سے بچو''۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۷، ص ۳۸۸، ۳۸۹، پوربندر، گجرات)

یہ ہے امام اہل سنت کا اصلاحی کارنامہ جہاں آپ نے عوام کے لیے رخصت اور آسانی پر فتویٰ دیا وہیں خواص اور مقتدا حضرات کو عزیمت وتقویٰ کا مشورہ دیا۔

{سود سے بچنے کا طریقہ}

نوٹ اور بینک کا ذکر چل پڑا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایک فتویٰ کا تذکرہ دلچسپی سے خالہ نہ ہوگا۔ اس سے مجدد اعظم کی دقت نظر اور تبحر علمی بھی آشکارا ہوگی کہ بینک سے نوٹ لین دین کی جو شکل ناجائز تھی، آپ نے اس کی سخت مذمت کی اور مجبور مسلمان جس کا لوگ سودی قرض کے بغیر تعاون نہ کرتے ہوں، اس کے سر سے بار قرض اتارنے کے لیے آپ نے وہ طریقہ بتایا کہ نفع بھی ہاتھ آئے اور گناہ سے دامن داغدار بھی نہ ہو۔

واضح ہو کہ سوال وجواب فارسی میں ہے، ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

سائل نے سوال کیا کہ

''ریاست بہاول پور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لیے ہر بستی اور گاؤں میں بینک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے'' ...... الخ (کتاب مذکور ج ۱۷،

ص ۳۸۷، ۳۸۶) سائل نے جو صورت بیان کی ہے وہ سود کی تھی اس لیے اولاً آپ نے اس کی سخت مذمت کی۔

''سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے (چند سطر بعد)

اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں''۔

پھر آپ نے وہ طریقہ بیان کیا کہ مسلمان نفع بھی اٹھائے گا اور سود بھی نہ ہوگا۔ اب آپ امام اہل سنت کا فتویٰ پڑھئے اور آپ کے فضل وکمال پر جان و دل لٹایئے، تحریر فرماتے ہیں۔

''اس بینک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں تو ایسی صورت مہیا ہے وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں، جو کوئی مثال کے طور پر سو روپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زر نہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے۔ اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوگا۔ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سو روپے کا نوٹ اس نفع کے لیے جس پر دونوں باہم رضا مند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لیے ایک سو روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع، بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جب کہ قرض کا نفع حرام''۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۷، ص ۳۸۸، ۳۸۷، پوربندر، گجرات)

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امام اہل سنت، مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ و الرضوان نے بے شمار غیر شرعی تجارت کی اصلاح فرمائی ہے۔ کبھی تو اصل حکم حلت وحرمت کا بیان کر کے اور کبھی ناجائز صورتوں کی صحیح شکل بتا کر۔ فتاویٰ رضویہ مترجم کی سترہویں جلد کے پانچ سو سے زائد صفحات اس بات پر گواہ ہیں۔ آپ نے عوام کی اصلاح کی تو کبھی علما اہل سنت کی اصلاح فرمائی اور کبھی بدعقیدوں کے وہ فتاویٰ جو تجارت کی جائز صورتیں بتانے سے عاجز و درماندہ تھے ان کی بھی آپ نے اصلاح فرمائی ہے۔ اس کی اتنی زیادہ تفصیلات ہیں کہ ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیئے۔ یہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے اس کی گہرائی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے، ہاں! البتہ اس سے استطاعت کے مطابق گوہر علوم و معارش سے اپنے دامن بھرے جا سکتے ہیں۔

# اسلامک بینک کا مؤجد امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔ یونیورسٹی کراچی، پاکستان
ای میل:majeedgeol-pk@yahoo.com

برصغیر پاک و ہند میں 1856ء میں انگریز مسلط ہو چکے تھے، جس کے باعث یہاں کے مسلمان، ہندوؤں اور انگریز کے دباؤ میں زندگی گزار رہے تھے۔ دوسری طرف سائنسی دنیا میں ترقی کی بے شمار راہیں کھل رہی تھیں، مگر سب کا سب غیر مسلموں کے ہاتھوں ترقی پا رہا تھا۔ 1856ء کے بعد حجاز و عرب کے اندر بھی مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت سلطنتِ عثمانیہ بھی دم توڑ رہی تھی اور مسلمانوں کی بڑی سلطنت میں حکومت تتر بتر ہو رہی تھی۔ مسلمان بحیثیت قوم پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ تنزلی کا شکار ہو رہے تھے۔ سب سے زیادہ جو مسلمانوں کے درمیان پریشانی بڑھ رہی تھی وہ جدید معاشی مسائل تھے۔ مسلمان سربراہوں سمیت مسلمان حکومت کے پاس کوئی ٹھوس معاشی ترقی کا پروگرام نہ تھا۔ معیشت اپنا رنگ بدل رہی تھی، سادہ تجارت اب نئے سسٹم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی اثنا ہمیں جدید معاشیات کو ترقی دینے کے لیے بینک کا قیام ناگزیر ہو چکا تھا اور درہم و دینار کی جگہ اور لین دین کے لیے اب کاغذی نوٹ رواج پانے لگا تھا۔ بینک جو اس زمانے میں قائم ہو رہے تھے وہ سب کے سب سود (Interest) کی بنیاد پر رواج پا رہے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں پہلا با قاعدہ بینک ''بینک آف کلکتہ'' 1806ء میں قائم ہو چکا تھا اور پھر برصغیر کے کئی شہروں میں اس کی شاخیں انگریز حکومت کے دوران قائم ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف بینک کے اندر لین دین سکوں کی بجائے کاغذی نوٹ کے ذریعے شروع ہو چکا تھا۔ 1856ء تا 1912ء برصغیر سمیت پورے عالم اسلام میں کسی بھی مسلمان نے یا مسلمان حکومت نے نہ تو کوئی بینک قائم کیا اور نہ ہی ایک اہم ایجاد یعنی کاغذی نوٹ کے ذریعے تجارت کو شرعی حیثیت دے سکا۔ بلکہ اکثر علما و مفتیان نے کاغذی نوٹ کو مال ہی تسلیم نہ کیا جس کے باعث مسلمان تاجر بھی بے حد متاثر ہو رہے تھے۔ اس زمانے کے علما و مفتیانِ اسلام کے فتاویٰ میں نوٹ کے سلسلے میں عدم جواز کا فتویٰ ملتا ہے جب کہ برصغیر کے کسی بھی مفتی یا عالم دین نے مسلمانوں کو اپنا اسلامی

بینک قائم کرنے کی کوئی ترغیب بھی نہیں دی۔

راقم الحروف حیران ہے کہ مفتیان اسلام ان دو اہم معاشی نظریات یعنی اسلامی بینک کا قیام اور کاغذی نوٹ کے ذریعے تجارتی لین دین پر اسلام کا موقف دینے میں کیوں پیچھے رہے اور جلد ہی ان دونوں اہم معاملات کا حل پیش کر کے Leading پوزیشن کیوں کر حاصل نہ کر سکے، جب کہ ہمارا بحیثیت مسلم قوم یہ دعویٰ ہے کہ ہمارا قرآن اور احادیث کا مجموعہ رہتی دنیا تک ہر زمانے کے ہر قسم کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر ترقی کی اس ابتدائی دور میں ان کا حل نہ پیش کر کے دنیا کی ترقی کی رفتار سے ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالنے سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ 1856ء تا حال مسلمان دینِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے میں تو بہت ترقی کر گئے۔ مگر دنیا کی ترقی میں اپنا کردار نہ ادا کر سکے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے ساری توانائی اپنے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے منصبِ نبوت اور اختیاراتِ نبوت کی بحث میں صرف کردی اور ہم معاشی اور معاشرتی مسائل حل کرنے میں بہت پیچھے رہ گئے۔ اللہ عزوجل نے ان دو عالمی مسائل (مسلم بینک کا قیام اور نوٹ کی شرعی حیثیت) کے حل کے لیے عالم اسلام میں بریلی کی ایک شخصیت امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی المعروف بہ ''اعلیٰ حضرت'' کا انتخاب فرمایا اور ان کو وہ فہم وفراست عطا کی جو مومن کا کھویا ہوا خزانہ ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے 55 سالہ قلمی دور میں دینِ اسلام کی قلم کے ذریعے وہ خدمت انجام دی جو ان کے ہم عصروں میں کوئی بھی نہ کر سکا۔ آپ نے اپنے رشحاتِ قلم سے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ یہ رہنمائی صرف اسلامی مسائل تک محدود نہ تھی بلکہ سائنسی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، سیاسی، ادبی، طبی گویا زندگی کے تمام پہلوؤں پر قرآن واحادیث کی روشنی میں مسلمانوں کے مسائل کا حل پیش کیا۔ یہاں صرف ان دو اہم ترین مسائل جو اوپر پیش کیے گئے، ان پر امام احمد رضا کے موقف کو پیش کروں گا یعنی (۱) مسلمانوں میں اسلامی بینک قائم کرنے کی ترغیب اور اسلامی بینک کے قیام کے سلسلے میں ان کی تحقیقات۔ (۲) ''تجارتی لین دین کاغذی نوٹ کے ذریعے'' آپ نے مسلمانوں کے لیے جواز کا فتویٰ دے کر دین اسلام کی خدمت کا ایک اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ ان دونوں نکات پر امام احمد رضا کا موقف اور تحقیق پیش کی جائے

گی۔امام احمد رضا عالم اسلام میں پہلے محقق ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو ان کا اپنا بینک، شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنے کی ترغیب دی اور تجارتی لین دین کو کاغذی نوٹ کے ذریعے جائز ثابت کر کے مسلمانوں کو ایک بڑی الجھن سے نکال کر ان کو ترقی کرنے والی قوم کے ساتھ لاکھڑا کیا۔مگر افسوس ان دو اہم کارناموں کو مسلمانوں نے دنیا کے سامنے مخفی رکھ کر ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھ کر مسلمانوں پر ظلم کیا اور اب اس ترقی کے دوڑ میں کہیں کسی مسلمان کا نام تک نہیں آتا اور جس مسلمان نے فرضِ کفایہ ادا بھی کیا تو خود مسلمانوں نے اس کی پذیرائی سے اجتناب کیا۔پچھلی دو صدیوں میں غیر مسلموں نے ترقی کر کے دنیا کو ہماری ہتھیلی میں رکھ دیا اور مسلمانوں نے آپس میں تفرقہ بازی میں ترقی کر کے غیر مسلموں کے سامنے مسلمانوں کو ایک غیر ترقی یافتہ قوم کی صورت میں پیش کیا۔

(ا) کرنسی نوٹ کا مسئلہ اور امام احمد رضا کا موقف۔

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی جب اپنے دوسرے حج کے موقع پر مکّۃ المکرمہ میں قیام پذیر تھے، اسی دوران مکۃ المکرمہ کے حنفی عالمِ دین الشیخ عبداللہ میر داد نے کرنسی نوٹ سے متعلق 12 سوالات استفتاء کی صورت میں پیش کیے۔اس وقت تک یعنی 1324ھ /1905ء تک عرب وعجم میں کرنسی نوٹ علمائے کرام کے درمیان زیرِ بحث تھا اور اس کے جواز کی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔اکثر مفتیانِ کرام نے عدمِ جواز کا ہی فتویٰ دیا تھا۔امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان 12 سوالات کا جواب ایک رسالے کی صورت میں دیا۔یہ رسالہ عربی زبان میں بعنوان ''**كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم**'' لکھا جب کہ سفر کی وجہ سے کوئی علمی کتاب بھی آپ کے پاس نہ تھی۔مگر اپنے مطالعہ اور حافظے کی بنیاد پر یہ تفصیلی فتویٰ عربی زبان میں لکھ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا۔آپ نے یہ رسالہ جو 1324ھ /1905ء میں لکھا اس میں نہ صرف 12 سوالات کے جواب ہیں۔بلکہ اس زمانے میں مروجہ انگریزی قوانین کا رد کرتے ہوئے اسلامی اصول کے مطابق ہر قسم کی تجارت اور بینکنگ سسٹم کے اصول وضوابط قلم بند کر کے امّتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم کیا اور اسلام کا علم بلند فرمایا۔اس رسالے کی تفصیل تو قاری عربی زبان میں یا اس کے ترجمے میں پڑھ سکتا ہے؛ یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں،البتہ اس رسالے میں پوچھے گئے

12 سوالات میں سے اول سوال سے متعلق جواب کے چند اقتباسات یہاں پیش کروں گا تا کہ امام احمد رضا کے اس عظیم کارنامے سے قارئینِ کرام کو آگاہ کیا جاسکے اور یہ معاملہ مسلم قوم کے سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں نے اس رسالے سے 100 سال پہلے کیوں کر فائدہ نہ اٹھایا اور کیوں اس عظیم تحقیق کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا اور اب اسی رسالے سے استفادہ کر کے لوگوں کے سامنے اسلامک بینکنگ کا چیمپئن بنا جا رہا ہے جب کہ اس کا موجد کوئی اور (یعنی امام احمد رضا خاں محدث بریلوی) ہے۔

سوال نمبر(۱) کیا وہ (کرنسی نوٹ) مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند۔ا ہے

**الجواب!** ''جان! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری، تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پید چیز ہے۔تو تالیفات علما میں اس کا اصلاً نام ونشان نہ پائے گا یہاں تک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا۔لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے )اس دینِ حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔''

آگے چل کر مزید رقم طراز ہیں:

''الحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جد اجداد کھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بے شمار جزئیوں پر منطبق آئیں۔تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے اس سے کوئی بات باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی۔اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے۔''۲ ہے

ا۔ان تمہیدی کلمات کے بعد کاغذی نوٹ سے متعلق پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ ''کاغذ کا ایک ٹکڑا'' ہے اور کاغذ مالِ متقوم ہے اور اس سکّہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہ ہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا۔مال کے معنیٰ ہی یہ ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل

کرے اور حاجت کے لیے اٹھائے رکھنے کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے۔''

اور معلوم ہو کہ شرع مطہرہ نے کبھی مسلمانوں کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں جس طرح چاہے صرف کرے۔جیسا کہ شراب و خوک (خمر و خنزیر) کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کی قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اس میں تلویح سے نقل فرمایا: مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لیے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے'' اور اسی میں بحوالہ بحر الرّائق حاویقدسی سے ہے، مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لیے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور بااختیار خود اس میں تصرف کریں اور بے شک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

''لَوبَاعَ کاغذۃ بالف یَجُوز وَلَاَیکرہ''

یعنی اگر کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔''[۳]

مندرجہ بالا کلمات کے بعد امام احمد رضا کاغذی نوٹ سے متعلق اپنا فتویٰ اور حاصل کلام پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

'' اور اگر تحقیق کیجیے تو (اوپر بیان شدہ) یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام (مصنف فتح القدیر) نے اس (کاغذی نوٹ) کی پیدائش سے 5 سو برس پہلے فرمایا کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار روپے کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں کہ ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے آمین۔

تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود وہ مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری رہتی ہیں۔''[۴]

امام احمد رضا نے جب یہ رسالہ ''کفل الفقیہ الفاھم'' لکھ کر علمائے عرب کے سامنے پیش کیا تو سب کے سب دنگ رہ گئے۔ایسا ہی ایک واقعہ خود مصنف کی زبانی سینے جو ان کے ملفوظات میں محفوظ کر لیا گیا ہے:

ان ہی دنوں میں مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا حامد احمد جدّادی نے نوٹ کے

بارے میں فقیر سے استفادہ کیا تھا جس میں بارہ سوالات تھے اور میں نے بکمال استعجال اس کے جواب میں رسالہ ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم'' تصنیف کیا تھا، وہ تبییض کے لیے حرم شریف کے کتب خانے میں سید مصطفیٰ برادرِ خرد مولانا سید اسمٰعیل مکی کے پاس تھا کہ وہ نہایت جمیل الخط ہیں۔ زمانہ سابق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مفتیِ حنفیہ تھے ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ علم گردنوں علما میں امانت ہے۔ مجھے اس (کاغذی نوٹ) کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ ایک دن میں (خود مصنف احمد رضا) کتب خانے میں جاتا اور ایک صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا یہ ہی رسالہ ''کفل الفقیہ الفاھم'' مطالعہ کر رہے ہیں جب اس مقام پر پہنچے جہاں میں نے فتح القدیر سے یہ عبارت (لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ) نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے جائز ہے، مکروہ نہیں، پھر اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا:

''این جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح'' حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے!''[۵]

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس رسالے ''کفل الفقیہ'' میں تفصیل سے نوٹ کے متعلق بقیہ سوالات کے جواب دیے ہیں۔ یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ان 12 سوالوں میں سے چند سوالات و جوابات پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین اور اس سے متعلق رکھنے والے حضرات اس اہم تحقیق سے آگاہ ہو سکیں۔ چنانچہ ان 12 سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ کیجیے:

سوال نمبر 1: کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

جواب: نوٹ قیمتی مال ہے، رسید نہیں۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار روپے کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔

سوال نمبر 2: اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہاں! شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ ذاتی طور پر مالِ متقوم ہے۔
سوال نمبر 3: کیا اسے مہر میں دینا صحیح ہے؟
جواب: ہاں !اسے مہر میں مقرر کرنا اور دینا صحیح ہے جب کہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔
سوال نمبر 4: اگر اسے محفوظ جگہ چوری کر لیا جائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا؟
جواب: ہاں! اگر ہاتھ کاٹنے کی شرائط پائے جائیں تو واجب ہوگا۔
سوال نمبر 5: کیا اسے ضائع کرنے کی صورت میں اس کے بدلے تاوان ہوگا؟
جواب: ہاں! اسے ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی مثل کے ساتھ تاوان واجب ہوگا۔
سوال نمبر 6: کیا اسے درہموں، دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟
جواب: ہاں جائز ہے، جیسا عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔
سوال نمبر 7: اگر اسے کپڑوں کے بدلے لیا جائے تو بیع مقایضہ یا مطلق بیع؟
جواب: یہ اصطلاحی ثمن ہے لہٰذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا مقایضہ نہیں، بلکہ بیع مطلق ہوگی۔
سوال نمبر 8: کیا اسے قرض دینا جائز ہے؟
جواب: اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کے مثل سے ہوگی۔
سوال نمبر 9: کیا اسے بطور ادھار مقررہ مدت درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟
جواب: ہاں! جائز ہے، بشرط یہ کہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تا کہ دَین کے بدلے دَین نہ ہو۔
سوال نمبر 10: کیا اس میں بیع سلم جائز ہے؟
جواب: ہاں! نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔[٦]

امام احمد رضا نے جب یہ رسالہ لکھ کر علما کے سامنے پیش کیا تو مکہ مکرمہ کے جلیل القدر علمائے کرام مثلاً شیخ الائمہ والخطبا علامہ احمد ابوالخیر مرداد حنفی، سابق مفتی و قاضی شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب حرم الفاضل سید اسماعیل خلیل حنفی اور مفتی احناف عبداللہ صدیقی رحمہم اللہ نے اسے سنا اور اس کی تحسین فرماتے ہوئے اسے نقل کر لیا۔

امام احمد رضا نے کفل الفقیہ کا رسالہ لکھ کر اس امت پر اپنا بڑا احسان کیا کہ جس کی کوئی نظیر نہیں۔ آپ نے اس وقت اٹھائے گئے تمام سوالات کا جواب دے کر قیامت تک کے

لیے امّتِ مسلمہ کو ایک بڑے بحران سے بچالیا اور اگر یہ مسئلۂ نوٹ اس وقت حل نہ ہوتا تو نہ جانے آج ہم کہاں کھڑے ہوتے۔آپ نے نوٹ کا مسئلہ حل کر کے اس وقت تجارت سے متعلق تمام امور کا حل پیش کر کے ملت اسلامیہ کی بھرپور رہنمائی فرمائی،مگر افسوس کے فرقہ وارانہ جنگ کے باعث امام احمد رضا کا اس صدی کا عظیم ترین کارنامہ لوگوں کی نظروں سے دور کردیا گیا اور لگتا یہ ہے کہ اس اہم مسئلے کا حل شاید کسی ایسی مخلوق نے کیا جس کو ہم جانتے بھی نہیں،لیکن حق ہمیشہ حق ہوتا ہے۔اسی حقانیت کو امام احمد رضا کے مخالفین میں سے ندوۃ العلماء کے محقق اور مورخ محترم جناب شیخ ابوالحسن ندوی اپنی اہم تالیف نزھتہ الخواطر میں امام احمد رضا کے اہم رسالے کو پذیرائی دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انھوں (امام احمد رضا) نے بعض فقہی اور کلام مسائل میں علمائے حجاز سے گفتگو کی اور حرمین شریفین میں قیام کے دوران بعض رسائل لکھئے علمائے حرمین کے سامنے پیش کیے جانے والے بعض مسائل کے جوابات دیے۔چنانچہ وہ آپ کی وسعتِ علمی ،فقہی متون اوراختلافی مسائل سے واقفیت،سرعتِ تحریر اور ذہانت سے بہت تعجب میں آئے۔فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر اطلاع کے حوالے سے آپ نادرِروزگار تھے۔آپ کے مجموعہ فتاوی اور کفل الفقیہ الفاھم جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں مرتب کیا اس بات پر شاہد ہیں۔'' ۷؎

(2) امام احمد رضا کا دوسرا عظیم کارنامہ مسلمانوں کے لیے اسلامی بینک قائم کرنے کی تجویز تھی۔امام احمد رضا نے 1324ھ/ 1905ء میں کرنسی نوٹ کا مسئلہ حل کر کے مسلمانوں کے لیے تجارت کے مسائل کا حل تو پیش کر ہی دیا تھا،مگر اب اس امر کی ضرورت شدت اختیار کر رہی تھی کہ مسلمانوں کی رقم محفوظ ہاتھوں میں رہے اور ابھی تک اس کا کوئی معقول سسٹم نہ تھا۔تمام دنیا میں تجارت کا کنٹرول غیر مسلموں کے پاس منتقل ہو رہا تھا اور انھوں نے اپنے لوگوں کے فائدے کے لیے بینک بھی قائم کر لیے تھے اور زیادہ تر تجارت وہ آپس میں کیا کرتے تھے تاکہ ان کی رقم ان ہی کے لوگوں کے درمیان گشت کرے۔امام احمد رضا کو اللہ نے اس دور کے مسائل کے حل کے لیے پیدا کیا تھا،چنانچہ جب ان سے ایک موقع پر محترم منشی لعل خاں نے 1331ھ/ 1912ء میں سوال کیا تھا تو اس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' کے نام سے لکھا،جس میں مسلمانوں کی فلاح ونجات کا

حل پیش کیا۔امام احمد رضا کے ان پیش کردہِ نکات سے قبل خود امام احمد رضا کے قلم سے ،زمانے میں مسلمانوں کی مسلمانوں کے معاملات میں عدم دلچسپی ملاحظہ کیجیے کہ جب سلطنتِ عثمانیہ کا زوال ہورہا تھا،تو یہاں یعنی ہند کے مسلمانوں کو ان کی کسی قسم کی مالی یا دیگر ذریعے سے مدد دینے میں کوئی دلچسپی نہ تھی ،ملاحظہ کیجیے مسلمانوں کی عدم دلچسپی کا منظر نامہ امام احمد رضا کی تحریر میں:

''مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال و اہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اورمیدانِ جنگ میں (ترکی حمایت میں ) مسلمانوں کا ساتھ دیں،مگر مال تو دے سکتے ہیں ،اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں ،وہاں مسلمانوں پر کچھ گزررہی ہے؛ یہاں وہی جلسے ،وہی رنگ،وہی تھیڑ،وہی امنگ ،وہی تماشے بازیاں،وہی غفلتیں،وہی فضول خرچیاں،ایک بات کی بھی کمی نہیں،ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے 50 ہزارروپے دیے،ایک عورت نے ایک چین و چناں جرگہ کو 50 ہزار دیے،ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑ لاکھ روپے دیے -------اورمظلوم اسلام کی مدد کے لیے جو کچھ جوش دکھا رہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں اور اصل کارروائی ہورہی ہے زمین کی تہہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے ،بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو،میں اسے پسند نہیں کرتا ،نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں نافع پاتا ہوں۔اوّل تو یہ بھی کہنے کے الفاظ ہیں۔نہ اس پر اتفاق کریں گے،نہ ہرگز اس کو نباہیں گے۔اس عہد کو پہلے توڑنے والے جینٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں۔یہ تو سارا یورپ ہے، پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا۔۸؎

امام احمد رضا ان تمہیدی کلمات کے بعد مسلمانوں کو معاشی بحران سے نکالنے کی نصیحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں،کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں،اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں،ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں پر ہی موقوف تھا ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

**اولاً:** باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات

اپنے ہاتھوں میں لیتے ،اپنے سب معاملات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔

**ثانیاً:** اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

**ثالثاً:** بمبئ، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے، سود شرع نے قطعی حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصّل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ''کفل الفقیہ الفاھم'' میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت بر آتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں (ہندو تاجر) کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی۔ یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

**رابعاً:** سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصلِ اعظم وہ دینِ متین تھا، جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چاردانگِ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا، اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا----- دینِ متین علمِ دین کے دامن سے وابستہ ہے؛ علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انھیں بتا دیا، اندھوں! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزلی ہے جسے عزت جانتے ہو اشید ذلت ہے۔''[9]

امام احمد رضا یہ 4 نکات پیش کرنے کے بعد ہی تحریر فرماتے ہیں کہ ''مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کرلیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی۔ آپ کے (مخاطب مفتی منشی لعل ہیں) سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمائیں کہ سوال و جواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو۔''

امام احمد رضا خاں چونکہ مسلمانوں کی بہبود کے خیر خواں ہیں، اس لیے ان چار نکات

پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کی تفصیل بتاتے ہیں۔جو ان کے رسالے ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔یہاں موضوع سے متعلق صرف ایک نکتے کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ 1912ء میں امام احمد رضا کے ہم عصروں میں برصغیر پاک و ہنداور بلادعرب میں ایک سے ایک بلند پایہ مفتی اور عالمِ دین موجود تھے،مگر اس وقت کے مسلمانوں کے معاشی حالات و معاملات کے پیش نظر کسی نے بھی مسلمانوں کو مسلم یا اسلامی بینک قائم کرنے کی رغبت نہ دلائی اور کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ فرمائی۔اس لحاظ سے امام احمد رضا کو اسلامی بینک کا موجد قرار دیا جاسکتا ہے، جہاں انھوں نے متعدد علوم وفنون میں تجدیدی کارنامے انجام دیے،وہیں علمِ معاشیات میں انھوں نے اسلامی بینک کے قیام کا نظریہ پیش کرکے اس فن میں بھی موجد ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔امام احمد رضا کے اس اہم نکتے کی وضاحت پاکستان کیماہر معاشیات پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے ایک مقالے میں کی تھی، یہ مقالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے قیام (1980ء) کے بعد ''معارف رضا'' کے نام سے شائع ہونے والے پہلے شمارے میں شائع ہوا تھا۔مقالے میں اس نکتہ کی تفصیل پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ مقالہ طوالت اختیار کرگیا ہے اس لیے یہ اقتباسات اصل مقالے میں ملاحظہ کریں۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے امام احمد رضا کے الم-------

''بمبئی،کلکتہ،رنگون،مدراس،حیدرآباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔'' ۱۰؎

وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یہ نکتہ معاشی نقطۂ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خاں کی اقتصادی سمجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔1912ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے،جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔برصغیر میں 1940ء تک کوئی مسلم بینک موجودہ نہ تھا۔1912ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی،لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انھوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔'' ۱۱؎

پروفیسر صدیقی صاحب اس سلسلے میں مزید تحریر فرماتے ہیں:

''1912ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی، کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی، نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی، بلکہ صاحبِ حیثیت اور دولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم ہوسکے اور صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کرسکیں۔'' ۱۲؎

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے آخر میں امام احمد رضا کو اسلامی بینک قائم کرنے کی حکمتِ عملی پر زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''میں سوچتا ہوں کہ کاش 1912ء میں ایک ہی ایسے اہلِ دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نا مساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا، ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مردِ مومن کا کمال ہے۔ اس مردِ مومن نے تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کروتا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہ ہی بات 1946ء میں قائدِ اعظم نے دہرائی (جن کے باعث کلکتہ میں 9 جولائی 1947ء میں مسلم کمرشل بینک قائم ہوا)۔ اگر 1912ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہائی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضلِ بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے، بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔ ۱۳؎

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے اس نظریہ اور اپیل کو مسلمان اگر اس وقت سمجھ لیتے اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو آج مسلم ممالک کی عربوں ڈالر کی

رقم مغربی ملکوں کی بینک کی زینت نہ ہوتی ، بلکہ ساری رقم ہمارے مسلم بینکوں میں ہوتی ۔امام احمد رضا نے 1912ء میں جب یہ چار نکاتی فارمولا پیش کیا اس وقت سلطنتِ عثمانیہ زوال کی طرف تھی اور برٹش کوشش کر رہے تھے کہ اس آخری اسلامی سلطنت کو توڑ دیں۔ وہ کسی حد تک 1924ء میں کامیاب بھی ہو گئے چنانچہ سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی چھوٹی مختلف ناموں سے اسلامی ریاستیں قائم کر کے مسلمانوں کی قوت کا شیرازہ بکھیر دیا ۔یہ اس لیے ہوا کہ انگریز عرب کے علاقوں میں تیل ،گیس تلاش کرنا چاہتا تھا اور بہت جلد 1930ء قبل عرب میں تیل دریافت بھی ہو گیا۔تیل دریافت ہونے کے بعد اس عربوں سے کوڑیوں کے دام تیل خریدا اور جو رقم ان کو دینا تھی وہ بھی اپنے بینکوں میں جمع کروائی مسلمانوں کے پاس اس وقت کوئی بینک نہ تھا۔انگریز نے اس رقم سے اپنے ملکوں میں ترقی کی اور پھر عربوں کو ترقی کی لالچ دے کر تیل کے پیسوں سے وہاں ترقی کا کام شروع کیا۔وہ ساری رقم ترقی پر جو خرچ ہوئی وہ سب کی سب انگریز کمپنی والے لے گئے۔اس طرح عربوں کے تیل سے پورا یورپ اور امریکہ پلا بڑھا اور آج بھی ان ملکوں کے بینکوں میں ایک بڑی رقم کو سیل کر دیتے ہیں جیسا کہ عراق ،لیبیا،کویت،مصر،شام،لبنان کے عربوں کی رقم وقتاً فوقتاً سیل کر دی گئی ۔کاش امام احمد رضا کی آواز پر اس وقت مسلمان لبیک کہتے ہوئے اسلامی بینکوں کا جال بچھا دیتے تو یہ ساری رقم مسلمان ملکوں میں خرچ کرتے اور آج جس طرح یورپ ترقی یافتہ Continent ہے، مڈل ایسٹ بھی اور دیگر مسلم ممالک بھی ترقی یافتہ ہوتے۔مگر افسوس کہ ملتِ اسلامیہ میں کوئی بھی صلاح الدین ایوبی کے کردار کا آدمی سامنے نہیں آیا۔ اللہ نے ایسی فہم وفراست والی شخصیت یعنی امام احمد رضا مسلمانوں کو دی جس نے علم وقلم کے ذریعے رہنمائی کی،مگر ہم مسلمانوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ یہ ہی شخصیت اگر غیر مسلموں میں ہوتی، اس کو نہ جانے لوگ کیا سے کیا بنا دیتے مگر ہم نے اپنے ہیرو کی قدر نہ کی۔اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو عقلِ سلیم عطا کرے۔آمین!

## ماٰخذ ومراجع:


۱۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۷،ص ۱۲۶،مکتبہء رضویہ کراچی۔

۲۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۷،ص ۱۲۷،مکتبہء رضویہ کراچی۔

۳۔ فتاویٰ رضویہ،جلد ۷،ص ۱۲۸،مکتبہء رضویہ،کراچی۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص ۱۲۹، مکتبہء رضویہ، کراچی۔

۵۔ ملفوظات، حصّہ دوم، ص 137-138،، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۶۔ کفل الفقیہ الفاھم''، ص ۷۔۸، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔

۷۔ ابوالحسن علی الندوی، نزھتہ الخواطر، ج ۸، ص ۴۲، مطبوعہ کراچی۔

۸۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، ص ۱۴۵، مطبوعہ لاہور۔

۹۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، ص ۱۴۵، مطبوعہ، لاہور۔

۱۰۔ معارفِ رضا 1981ء، ص ۵۷۔

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۵۸۔

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۵۹۔

۱۳۔ ایضاً، صفحہ ۵۹ تا ۶۰۔

# امام احمد رضا اور جدید اسلامی بینکاری

مفتی ڈاکٹر محمد ابوبکر صدیق قادری عطاری (پاکستان)

دور حاضر میں نظام بینک کاری کسی بھی معاشرے کی معیشت میں ڈھانچے کی حیثیت رکھتا ہے حتیٰ کہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ساری دنیا کی جدید معیشت نظام بینکاری ہی کی مرہون منت ہے۔ اگر جدید معیشت سے نظام بینکاری کو ختم کر دیا جائے تو ساری دنیا کا نظام معیشت ناممکن ہو جائے۔ مگر موجودہ بینکاری کی بنیاد سود پر ہے۔ اور سود انسانی معاشرے کے لئے کسی طرح بھی سودمند نہیں ہے۔ یہ ازروئے عقل بھی قبیح ہے کہ اس میں انسانی مجبوریوں سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور ازروئے شرع بھی ممنوع وحرام کہ سودی معاملہ کرنا رب کائنات سے اعلان جنگ کرنا ہے اور اس کا کم ترین گناہ اپنی ماں سے زنا کرنا ہے۔ چنانچہ موجودہ نظام بینکاری کی تمام تر اہمیت کے باوجود یہ حقیقت چھپی ہوئی نہیں ہے کہ سودی نظام ساری انسانیت کے لئے عمومی طور پر اور متوسط اور غریب طبقے کے لئے خصوصی طور پر نفع سے خالی اور سخت ضرر پر مبنی ہے۔ شیخ الاسلام امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمن نے سودی نظام کی تباہ کاریوں کا اسی وقت اندازہ کر لیا تھا کہ جب کہ ہندوستان میں بہت ہی کم تعداد میں بینک تھے۔ لہذا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ شریف میں متعدد مقامات پر اس کا عقلاً اور شرعاً رد فرمایا اور امت مسلمہ کو اس کی ہلاکتوں سے آگاہ فرما کر اس سے بچنے کا مشورہ دیا۔ اور اس سلسلے میں کئی آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے سود کی شناخت کو واضح فرمایا۔

اسی طرح فتاوی رضویہ شریف میں متعدد مقامات پر سود اور سودی نظام کا شدت سے رد فرمایا اور مسلمانوں کو اس کی مضرت سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں بعض نام نہاد علماء نے اپنے غلط فتاویٰ کی بنیاد پر ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر مسلمانوں ہی کے مابین سود کو حلال کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر شیخ الاسلام امام احمد رضا خان دنیائے اسلام کے ایک بے مثال مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مجدد اور مصلح بھی تھے۔ چنانچہ ایک جانب تو بحیثیت مفتی اسلام آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلائل شرعیہ سے یہ ثابت کیا کہ ہندوستان دار الاسلام ہے دار الحرب نہیں ہے اور اس سلسلے میں کئی فتاویٰ

جاری کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مستقل رسالہ ''اعلام الا علام بان ہندوستان دار الاسلام '' تصنیف فرمایا۔اور دوسری جانب بحیثیت مصلح ومجدد سودی نظام کی مذمت میں نہ صرف کئی درجن فتاویٰ صادر فرمائے بلکہ اس کے جائز متبادل نظام کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔جب ایک مستفتی نے دریافت کیا کہ کیا مسلمانوں کی معاشی حالت سنوارنے کے لئے سودی لین دین جائز ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں سود کی مذمت بیان فرمائی پھر اس کے متبادل نظام کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقینا تباہی وبربادی ہے۔سائل لین دین پوچھتا ہے مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مال دار ہیں انہیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی اگر ہوگی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں۔اور سود لینے دینے سے قوم (مسلمانوں) کا نفع ہے یا کفار کا؟ سود دینے سے قوم کی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائیدادوں کو تباہ کرتے ہیں۔ہزار کا مال دوڈھائی سو میں بہہ جاتا ہے اسی حالت کو سنورنا کہتے ہیں؟ نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں سے بعض تو ہمارے فتاویٰ میں ذکر کر دی گئی ہیں اور بہت کا ذکر ہمارے رسالہ نوٹ میں کیا گیا ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے۔''

(سود ایک بدترین جرم صفحہ ۴۲ مطبوعہ: پروگریسو بکس لاہور)

سودی نظام کی جن برائیوں اور خرابیوں سے شیخ الاسلام امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمن نے آج سے تقریباً نوے سال پہلے خبردار کر دیا تھا آج الحمد للہ تعالیٰ امت مسلمہ کے ہوشمند طبقے نے بھی اس کا اندازہ کر لیا ہے۔چنانچہ اس وقت دنیا بھر میں ڈیڑھ سو سے زائد ادارے غیر سودی بنیادوں پر نظام بینکاری چلا رہے۔ان میں سے بعض کا تعلق عرب ریاستوں، بحرین، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، سعودی عرب اور اردن وغیرہ سے ہے۔بعض کا تعلق ایشیائی ریاستوں مثلاً ایران، بنگلہ دیش اور ملائیشیا وغیرہ سے ہے۔بعض کا تعلق افریقی ممالک مثلاً مصر، سوڈان، ساؤتھ افریقہ، سینیگال، کینیا وغیرہ سے ہے اور بعض کا تعلق مغربی ممالک مثلاً ترکی، سوئزرلینڈ، برطانیہ، ڈنمارک اور لگزمبرگ وغیرہ سے ہیں۔

جب 1912ء میں منشی لعل محمد نے امت مسلمہ کی اس زبوں حالی اور معاشی تنزلی کا حل

دریافت کیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح امت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اپنی خداداد فہم وفراست سے ایک عظیم چار نکاتی معاشی منصوبہ پیش فرمایا جو کہ مسلمانوں کی دنیاوی اور اخروی ترقی کا بہترین ذریعہ تھا۔ان چار نکات میں سے تیسرا نکتہ اسلامی بینک کاری کی ابتداء سے متعلق تھا۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بمبئی ،کلکتہ ،رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لئے بینک کھولتے ۔سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا مفصل بیان کتب فقہ میں ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے ۔ان جائز طریقوں سے نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور مسلمان بھائیوں کی بھی حاجت برآتی ۔اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذ رہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے ۔اگر بنیوں کی جائدادہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی ، یہ تو نہ ہوتا مسلمان ننگے اور بنئے چنگے (خوشحالی)

(تدبیر فلاح ونجات صلاح مع حاشیہ معاشی ترقی کا راز ،صفحہ ۱۲ مطبوعہ :المدینۃ العلمیہ )

چنانچہ یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ مسلمان مفکرین میں سے شیخ الاسلام امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ہی وہ عظیم مدبر ہیں کہ جنہوں نے امت مسلمہ کو سب سے پہلے اسلامی بینکاری کی طرف رہنمائی فرمائی اور اس کے چلانے کے جائز طریقے بھی بیان فرمائے ۔مذکورہ بالا سطور میں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خط کشیدہ الفاظ میں مشارکہ ،مضاربہ ،اجارہ، بیع مؤجل ،بیع مرابحہ اور بیع استصناع کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ان تمام طریقوں سے نفع لینے کی عملی مثالیں فتاویٰ رضویہ شریف کی ساتویں اور آٹھویں جلدوں میں مفصل موجود ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں ۔

بیع مؤجل کے ذریعے حصول نفع کی جائز صورت:

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمن سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ کیا تجارتی غلہ کو ادھار میں موجودہ تجارتی قیمت سے زیادہ میں بیچنا درست ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتوی صادر فرمایا کہ درست ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۴۷ مطبوعہ : مکتبہ رضویہ کراچی )

یونہی اگر کوئی اپنے سامان کی نقد قیمت کچھ بتائے مگر ادھار بیچنے پر کل نقد قیمت کا دس فیصد اضافہ کر کے بیچے اور خریدار اس قیمت پر عقد کے وقت راضی ہو جائے تو بھی جائز ہے۔مثلاً ایک کتاب سو روپے کی نقد ملتی ہے مگر کتاب کا مالک ادھار خریدنے والے سے کہے کہ اگر ایک ماہ کی ادھار پر لو گے تو اس کی کل قیمت سے دس فیصد زائد دام میں فروخت کرونگا یعنی ایک سو دس میں دونگا۔اگر خریدار اس پر راضی ہو جائے تو یہ بیع درست ہے۔فقیہ اسلام امام اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواز کا فتوی دیا جو کہ درج ذیل ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیپاری (بیوپاری) موتیوں کی خرید فروخت کرتے ہیں قیمت سو روپیہ اور بر وقت قیمت (Cash payment) لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فیصد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے تک کی میعاد (Period) کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم دینے لینے کا رواج ہے۔ایا (آیا کہ) اسطرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جبکہ باہمی تراضی (Mutual Agreement) سے ایک مر (Form) متعین (Fix) منقطع (Done) ہو کوئی حرج نہیں **قال اللہ تعالی الا ان تکون تجارتہ من تراض منکم۔واللہ تعالیٰ اعلم۔** (فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۲۴ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی)

## بیع مرابحہ کے ذریعے حصول نفع کی جائز صورت:

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیع مرابحہ کے ذریعے سے حصول نفع کے سلسلے میں استفتاء کیا گیا کہ زید نے عمر سے کہا کہ تم ایک روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خرید تمہارے کے میں تم سے ایک روپیہ ایک آنہ دیکر خریدلوں گا اور ایک ماہ میں دونگا۔کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توا جروا۔تو امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے قوانین شریعت کی رو سے اس کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔آپ نے فرمایا کہ "جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بنا پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خریدتا ہے تو بہتر نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی)

## مضاربت کے ذریعے حصول نفع کی جائز صورت:

۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ کو محمد صدیق بیگ نے سیدی اعلیٰ حضرت، شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقد مضاربت کے ذریعے سے حصول نفع کے سلسلے میں استفتاء کیا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقے سے روپیہ دیا تھا؟ تو امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔ مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کر لینا جائز لانہ من عقد فاسد وہم لیسوا باہل ذمتہ ولا مستا منین (کیونکہ یہ عقد فاسد کے ذریعے سے ہے اور ہندوستان کے کفار نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں)۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۸ صفحہ ۱۶ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ، کراچی)

## ہنڈی کے ذریعے حصول نفع کی جائز صورت:

۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ کو حاجی عیسیٰ خان محمد صاحب نے ہنڈی سے متعلق کئی سوالات کئے اور اس کے جواز کی صورت دریافت کی تو امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے تو ہنڈی کی تعریف اور شرعی حکم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا:

''زید عمر کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں اس کا نام ہنڈی ہے یہ ناجائز و گناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نرا سود اور حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے یہ مراد نہیں کی قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہو کہ اگر یہ روپیہ عمر کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے، چوری ہو جائے، کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھر والے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمر کو ہر طرح اس روپیہ کا دین دار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے۔ امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا مع ہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ

خود ہی حاصل قرض ہے۔ امانت تو بعینہ واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے جو زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے حدیث میں ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **کل قرض منفعت فھو ربا** قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، صفحہ ۲۸۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ، کراچی)

## پھر اس کے جواز کی درج ذیل صورت بیان کی:

ہاں ممکن ہے روپیہ (فتاویٰ رضویہ شریف میں روپیہ سے مراد چاندی کا روپیہ ہوتا ہے) نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے وکیل کے ذریعے سے وہاں وصول کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سو کا نوٹ ننانوے سے بیچیں یا ایک سو ایک سے کما حققناہ فی کفل الفقیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنی کتاب کفل الفقیہ الفاہم میں کی ہے۔(ایضا)

یہ اسلامی بینک کے لئے حصول نفع کی چند عملی مثالیں ہیں ۔ اب درج ذیل سطور میں حصول نفع کی وہ جائز صورتیں بیان کی جاتی ہیں کہ جنہیں شیخ الاسلام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کفل الفقیہ میں فقہ حنفی کے عظیم ائمہ مجتہدین مثل قاضی خان اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہما کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

''جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو وہ تو بالکل واضح ہے کہ سود (Usury) کو ساقط کرنے کا حیلہ سود (Usury) سے بھاگنے کا ذریعہ ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو سود (Usury) میں پڑنا ہے اور بے شک ہمارے علماء کرام رضی اللہ عنھم نے اس کے متعدد حیلہ بیان فرمائے ہیں کہ زیادہ چیز لیں مگر سود (Usury) نہ ہو۔ نیز امام فقیہ النفس قاضی خان نے تو اپنے فتاویٰ میں اس کے لئے ایک مستقل فصل مقرر فرمائی اور فرمایا کہ یہ فصل (Chapter)

سود (Usury) سے بچنے کے حیلوں کے بیان میں ہے۔''
اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے کسی شخص پر دس روپے قرض ہوں اور وہ اس قرض کو ایک معینہ مدت (Term) تک موخر کر کے دس کی جگہ تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے چاہئے کہ وہ مقروض سے کوئی چیز ان دس روپوں کے عوض خرید کر اس پر قبضہ کرے پھر یہی چیز اس مقروض کو ایک سال کی مدت کے لئے تیرہ روپے میں بیچ دے اس طرح یہ حرام سے بچ جائے گا اور اسے تیرہ روپے بھی حاصل ہوجائیں گے نیز اس طرح کا عمل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔''انتھی۔''

یہی حیلہ بحر الرائق میں بھی خلاصہ اور نوازلِ امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے موجود ہے۔

دوسرا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کسی سے دس روپے یہ کہہ کر قرض مانگے کہ میں ان کے عوض تمہیں بارہ روپے دوں گا تو اس کا حیلہ یہ ہوگا کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی سامان (Chattel) رکھ کر کہے کہ میں نے تجھے یہ سامان سو روپے کے عوض بیچا قرض دینے والا وہ سامان خرید کر قرض لینے والے کو اس کی قیمت ادا کر دے اور سامان پر قبضہ کر لے پھر قرض لینے والا کہے یہ سامان مجھے ایک سو بیس روپے میں بیچ دو تو قرض دینے والا وہ سامان اسے فروخت کر دے تاکہ اسے سو روپے وصول ہوجائیں اور سامان قرض لینے والے کو واپس مل جائے اور قرض دینے والے کے لینے والے پر ایک سو بیس روپے لازم ہوجائیں نیز احتیاط اس صورت میں زیادہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ ''ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جو شرائط طے پائیں میں نے انہیں ترک کیا'' پھر سامان کی خرید وفروخت کریں۔''انتھی۔''

تیسرا حیلہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سامان بھی قرض دینے والے ہی کا ہو اور وہ دس روپے دے کر ایک معینہ مدت (Trem) پر اس سے تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو قرض دینے والے کو چاہئے کہ وہ کوئی چیز قرض لینے والے کو تیرہ روپے میں بیچ دے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا وہ سامان کسی اجنبی سے دس روپے میں بیچ کر وہ چیز

اس اجنبی کے قبضہ میں دیدے اوروہ اجنبی قرض دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ دے اور اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو وہ دس روپے ادا کر دے اس طرح اجنبی پر جو قرض لینے والے کے دس روپے ادھار تھے وہ بھی ادا ہو جائیں گے اور وہ چیز بھی دس روپے میں قرض دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی اور اس کے تیرہ روپے قرض لینے والے پر ایک معینہ مدت تک کے لئے قرض ہو جائیں گے۔''

چوتھا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ چیز ایک معینہ مدت تک کے لئے تیرہ روپے میں فروخت کر کے وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے اور قرض لینے والا وہ چیز کسی اجنبی سے بیچ دے پھر قرض لینے والا اس اجنبی سے بیع فسخ کر دے خواہ وہ چیز اجنبی کے قبضہ میں دی ہو یا نہیں اس کے بعد قرض لینے والا دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ کر دس روپے اس سے وصول کرے اس طرح قرض دینے والے کو تیرہ اور لینے والے کو دس روپے حاصل ہو جائیں گے اور متاع (Chattel) اصل مالک کے پاس پہنچ جائے گی اگر قرض دینے والے نے اپنی شئی قیمت ادا کرنے سے پہلے جس قیمت میں بیچی تھی اس سے کم قیمت میں خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے کیونکہ بیچ میں دوسری بیع آ گئی جو قرض لینے والے اور اجنبی کے درمیان ہوئی تھی۔''انتہی۔''

اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی سامان ادھار بیچے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے پھر قرض لینے والا اس سامان کو کسی دوسرے کے ہاتھ قیمت خرید سے کم قیمت کے عوض بیچ دے پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے سے وہ سامان اسی قیمت میں بیچے جس میں اس نے خریدی تا کہ وہ متاع (Chattels) اس کو مل جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔''انتہی۔''

میرے خیال میں یہ وہی حیلہ ہے جس کا ذکر گزر چکا امام قاضی خان نے فرمایا کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ (Credit Sale)) ہے جسے امام محمد علیہ الرحمتہ نے ذکر فرمایا نیز مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ بیع عینہ (Credit Sale) ہمارے بازاروں میں رائج آج کل کی بیعوں سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیع عینہ

(Credit Sale)) کو جائز فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس پر ثواب ملے گا ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس میں حرام یعنی سود (Usury) سے بھاگنا ہے۔"

پانچواں حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس کھرے چاندی کے روپے (Silver Coins) ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ کھوٹے روپوں کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سود (Usury) ہے پھر اگر وہ حیلہ کرنا چاہیے تو اسے چاہیے کہ خریدار سے بارہ کھوٹے روپے بطور قرض لے لے پھر دس کھرے روپے اسے ادا کردے پھر وہ خریدار اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ حیلہ جائز ہے۔"انتہی۔"

چھٹا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص پر دس کھوٹے روپے ایک معین دن (Term) تک کے لئے قرض تھے جب وہ معین دن (Term) آیا تو قرض خواہ شخص نو کھرے روپے لایا اور کہا کہ ان دس کھوٹے روپوں کے بدلے یہ نو کھرے روپے لے لو تو یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس میں سود (Usury) ہے لہذا اگر وہ حیلہ کرنا چاہے تو نو کھوٹے روپوں کے بدلے نو کھرے روپے لے لے اور ایک روپیہ معاف کردے اس صورت میں مقروض کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ قرض خواہ ایک روپیہ معاف نہیں کرے گا تو قرض خواہ کو نو کھرے روپے ادا کرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور چھوٹی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دیدے تو اب یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی اور وہ اندیشہ بھی جاتا رہے گا۔"انتہی۔"

(کفل الفقیہ المعروف کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات صفحہ ۷۷ تا ۸۰ ناشر: المدینۃ العلمیہ)

آج بھی امت مسلمہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ معاشی نکات کو اپنا لیں تو پھر سے اسلامی نظام معیشت کی برتری ساری دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور نہ صرف مسلمان بلکہ ساری انسانیت سود کی لعنت سے چھٹکارا پا جائے گی۔

☆☆☆

# امام احمد رضا اور تجارت و بینکنگ کا نظریہ

{ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی مرحوم۔ ۱۰۴ جسولی بریلی، انڈیا}

تجارت کی اہمیت وافادیت ہر قوم کے نزدیک مسلم ہے۔ ملک وقوم کی خوشحالی اور معاشی استحکام میں تجارت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک جیسے برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، اور جرمنی نیز ایشیا میں جاپان تجارت ہی کے سبب دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے صنعت وحرفت، معاشیات، اکنامک سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے میدان میں بھی انقلابات رونما ہورہے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے معاشی طور پر مستحکم ممالک سیاسی اعتبار سے بھی طاقت پکڑ رہے ہیں۔

اسلام میں بھی تجارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ بعض نے جہاد کے بعد تجارت کو سب سے افضل بتایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث پاک سے تجارت کی فضیلت واضح ہے۔ ''سچا اور دیانت دار تاجر انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا'' (حاکم وترمذی)

خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابۂ کرام اور دوسرے بزرگان دین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی تجارت فرمائی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ تجارت ہی کی غرض سے مسلمان عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں پہنچے اور تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا زبردست کارنامہ بھی انجام دیا۔ البتہ اسلامی اور غیر اسلامی تجارت میں فرق ہے۔ اسلام نے تجارت میں بدعہدی، خیانت، فریب، مال میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی بیشی، ذخیرہ اندوزی (Hording) اور کالا بازاری (Black-Marketing) اور سودی کاروبار کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو چیزیں اسلام میں حرام وناجائز ہیں، ان کی تجارت بھی حرام وناجائز ہے۔ البتہ سونے اور ریشم کی تجارت میں حرج نہیں کہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں۔

اسلام نے اس آیت کریمہ:

**ترجمہ:** ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضا مندی کا ہو۔'' (سورۃ النساء:۲۹۔ کنزالایمان) کے مطابق تجارت کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ (۱) باہمی رضامندی (۲) ایک فریق کا فائدہ دوسرے

فریق کے نقصان پر مبنی نہ ہو۔

تجارت کے فروغ میں بینک کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔اس لیے کہ سرمایہ کے بغیر تجارت کا تصور بیکار ہے۔اور بینک نئے نئے کاروباری امور کو بڑھاوا دینے کل کارخانوں، ملوں، نیز گھریلو صنعت وحرفت وغیرہ کے لیے تاجروں کو سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔موجودہ دورا قتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔مختلف ممالک میں ماہرین اقتصادیات ملکی وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندیوں میں لگے ہوئے ہیں۔اقتصادی منصوبہ بندی میں منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جا سکتی ہے اس پر بھی خیال رکھا جاتا ہے۔اوراس کا سب سے آسان طریقہ ہے ملکی بچت یعنی ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے۔

آج ہندوستان میں بھی شہر شہر گاؤں گاؤں بینکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔بینک عوام کی بچت کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کرتے ہیں اوران کی رقوم ایک متعین منافع کی شرح پر بینکوں میں جمع کراتے ہیں اور پھراس کثیر سرمایہ کو تاجروں ،صنعت کاروں کو اپنے متعینہ سود کی شرح پر قرض دیتے ہیں۔یہاں تک کہ اب حکومت چھوٹے چھوٹے کاریگروں اور معمولی دکانداروں اور گاؤں میں عورتوں تک کو چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے کے لیے قرض دے رہی ہے اور جانے کتنے تجارتی وصنعتی یونٹس قائم ہیں اور کتنی اسکیمیں چلائی جارہی ہیں۔

اس تمہید سے بتانا مقصود یہ ہے کہ روز بروز تجارت اور بینکاری نظام کی اہمیت وافادیت بڑھتی چلی جارہی ہے۔تجارت کی اہمیت وافادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۴ ویں صدی ہجری کے عظیم مجدددین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نوراللہ مرقدہ نے بھی مسلمانوں کو تجارت ،صنعت،حرفت اور اپنے اپنے اسلامی بنکاری کو فروغ دینے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ ..،جلد نمبر:۷،ص۱۱۱ تا ۱۱۹ حصص بیمہ برطانوی ہند میں گورنمنٹ بنکوں اورڈاک خانوں میں جمع کردہ رقم پر منافع کے حصول پر بحث کی

ہے۔

امام موصوف قدس سرہ العزیز نے اپنی تصنیف :’’تدبیر فلاح ونجات واصلاح ‘‘میں ملت کی بحالی کے لیے جو چار نکات پیش فرمائے ہیں وہ تجارت ،معاشیات اور بنکاری

نظریہ کے اعتبار سے بڑے ہی گراں قدر ہیں۔جناب امام علیہ الرحمۃ نے بے سودی اسلامی بینک کے ذریعہ نفع لینے کے مختلف جائز طریقوں کی بات اپنی ایک تصنیف ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔امام احمد رضا رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح میں جو چار نکات پیش فرمائے ہیں وہ اس طرح ہیں:

(۱) باستثنا ان محدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے ،اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے۔یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہوئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔

(۲) اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکا والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اوراس بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

(۳) بمبئی ،کلکتہ ،رنگون، مدارس ،حیدرآباد وغیرہ کے تو انگر مسلمان، اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے ۔سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے۔مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اس کا ایک نہایت آسان طریقہ۔کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے۔ان جائز طریقوں سے نفع بھی لیتے کہ انھیں فائدہ پہنچتا اوران کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اورآئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں، بنیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ان سے بھی محفوظ رہتے ۔اگر مدیون کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

(۴) سب سے زیادہ اہم،سب کی جان ،سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا ،نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اس کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا ۔**فانا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ اِلا باللہ العلی العظیم**۔دین متین علم دین سے وابستہ ہے۔علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہان کی زندگی جانتے وہ انہیں بتا دیتا اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے۔جسے عزت

جانتے ہوا شد ذلت ہے۔

گو چوتھا نکتہ تجارت یا بینکنگ نظام سے متعلق نہیں ہے،لیکن قوم مسلم کے لیے اصل اوراہم نکتہ یہی ہے۔مسلمان کا حقیقی معنی میں مسلمان بن کر رہنا نہایت ضروری ہے۔دین سے بے بہرہ ہوکر مسلمان دنیوی ترقی بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی وقار کی زندگی گزارسکتا ہے۔دین سے وابستہ رہ کر جو دنیوی ترقی حاصل ہوتی ہے وہی اصل ترقی اور کامیابی وکامرانی ہے۔اور غلبۂ اسلام کے ساتھ زندگی گزارنے ہی میں عزت ووقار ہے۔دین،علم دین سے وابستہ ہے۔اور علم دین مسلمان کے لیے زندگی کے ہر موڑ اور ہر شعبہ میں ضروری ہے۔تجارت میں بھی علم دین سے واقفیت ضروری ہے۔تاکہ مسلم تاجر حلال اور حرام کی تمیز کو قائم رکھ سکے۔

امام احمد رضا کے ان چار نکات کے تجزیے میں اقتصادیات ومعاشیات کے ماہر پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے ''فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' نام سے مقالہ پیش فرمایا ۔جس میں انھوں نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی علم معاشیات میں بصیرت،ان کے مسلم بینک کے قیام کے نظریہ کی تابانی،ان کی دوراندیشی اور تفکر وتدبر کو واضح کیا ہے۔اور یہ حقیقت عیاں کردی ہے کہ جب جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا بھی نہ ہوئی تھی اور بنکاری نظام کو مغربی ماہرین تجارت واقتصادیات نے اس شدت سے محسوس تک نہ کیا تھا جو آج وہ عمل میں لارہے ہیں۔حضرت فاضل بریلوی نے اس سے تقریباً ۲۵ سال قبل اپنے معاشی نکات اور بینکاری نظام کا نظریہ پیش فرمادیا تھا۔اور برطانیہ کے مشہور ماہر اقتصادیات جے ایم کینز کے مشہور زمانہ نظریۂ ''روزگار وآمدنی'' کے پیش کرنے سے قبل اقتصادیات کا یہ مساوات ''پس اندازی'' سرمایہ کاری اپنے اس چار نکاتی پروگرام کے نکتہ اول کے ذریعہ پیش فرمادیا تھا۔

کتنی عجیب بات کہ جے۔ایم۔کینز (J.K. Kegenes) کو اس کے نظریۂ ''روزگار وآمدنی'' پر تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نواز (۱۹۳۶ء) جب کہ ۱۹۱۲ء میں پیش فرمودہ معاشی وتجارتی نظریات کی طرف امام احمد رضا کی قوم نے دھیان تک نہ دیا۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی شدید رنج وقلق کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا

خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پر ہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں جب کہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے؟ کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگا ہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھے کنیز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بناء پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کر لی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کر واچکے تھے،لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔''

(فاضل بریلوی کے معاشی نکات)

حضرت امام احمد رضا بریلوی کے بینکاری نظام کے نظریے کے بارے میں مزید تحریر کرتے ہیں: ۱۹۱۲ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی، کسے معلوم تھا کہ بیس چالیس سال کے بعد بچت اور بنک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی ،نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی، بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

(فاضل بریلوی کے معاشی نکات)

عصر حاضر کے ایک دانش ور برطانوی نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے اپنے پانچ انگر یزی مقالات کے توسط سے حضرت فاضل بریلوی کے اس چار نکاتی پروگرام کا جائزہ وسیع کینوس پر لیا ہے۔انھوں نے ان چار نکات کے ذریعہ امام کے سیاسی،معاشی اور معاشرتی نظریات کو اجاگر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ عہد رضا میں رضا کا یہ چار نکاتی فارمولہ،قوم

مسلم کی بحالی کا واحد حل تھا اور آج بھی یہی پروگرام ملت کی بحالی کا کلید ہے اور آئندہ بھی اس منصوبۂ رضا پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

راقم الحروف نے ڈاکٹر محمد ہارون کے ان انگریزی مقالات کا اردو ترجمہ کر کے۔ ''امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ'' نام سے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے اور راقم کا یہ ترجمہ ادارہ مسعودیہ کراچی سے بھی شائع ہو گیا ہے۔

اب پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اور ڈاکٹر ہارون صاحبان کے جائزوں سے الگ ہٹ کر ان چار نکات نیز رسالہ کفل الفقیہ الفاہم (اردو ترجمہ) کی روشنی میں امام احمد رضا کے تجارتی اور بنکاری نظریات کا جائزہ لیتے ہیں:

تجارت کے لیے سرمایہ اور تجارتی اشیاء دونوں لازمی ہیں:

تجارتی اشیاء کے لیے زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمین کے لیے غلہ، پھل، پھول ،سبزی نیز دیگر خام مال، جیسے کپاس، مختلف قسم کے دھات وغیرہ اور پھر خام مال وہ زمین سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور ذریعہ سے، اس کی تیاری اور اس سے مصنوعات بنانے کے لیے صنعت وحرفت ضروری ہیں۔

سرمایہ کے حصول کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ یعنی آدمی کے پاس خود کاروبار کے لیے ضروری سرمایہ ہو جیسا ظاہر ہے۔ اس نے پس انداز کر کے ہی جمع کیا ہو گا یا پھر دوسرا ذریعہ ہے قرض اور ظاہر ہے مہاجنی قرض تباہی کا باعث بھی ہے اور سود کی لعنت میں بھی گھیرنے والا ۔تیسرا طریقہ ہے بینک سے قرض۔ لیکن یہ اگر آج کی طرح گورنمنٹ بینک سے قرض لیا جاتا ہے تو انٹرسٹ یہاں بھی دینا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہر کسی وناکس کے بس کی بات نہیں کہ اس بوجھ کو برداشت کر سکے۔

اب آیئے مسلمانوں کی تجارت، صنعت وحرفت اور بنکاری نظام کو امام احمد رضا کے نکات کی روشنی میں دیکھیں کہ کس طرح مسلمانوں کو سود کی لعنت، مہاجنی قرض کی تباہی اور نوکری کرنے یا نوکری تلاش کرنے وغیرہ جیسی زحمتوں سے امام نے بچے رہ کر آزاد اور خوش حال بنے رہنے کا فارمولہ عطا کیا ہے۔

پہلا نکتہ ہے۔ ''ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے

معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں، پس انداز ہوسکیں،،

اس نکتہ میں ایک تو فضول خرچی کی مذمت ہے جو بذات خود ایک لعنت ہے۔

دوسرے مقدمہ بازی وغیرہ سے رکنے اور معاملات کو باہم فیصل کرنے میں آپسی محبت، قومی اتحاد، کا درس بھی ہے اور الجھنوں سے بچاتے ہوئیذہنی سکون کے حصول کا راستہ بھی۔

امام نے اس نکتہ کے ذریعہ ''پس اندازی'' کا جونظریہ واضح کیا ہے وہ جدیدا قتصادیات کی جان ہے، علم معاشیات کی رو سے سرمایہ کاری بچت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ یعنی بچت سرمایہ کاری۔

مسلمانوں کی یہ بچت انفرادی طور سے بھی ہر ایک کے لیے فائدہ مند ہے اور مجموعی طور سے پوری قوم کے لیے۔ اور یہی قومی سرمایہ افراد قوم کے کاروبار میں کام آسکتا ہے۔ انھیں قرض دے کر۔ لیکن اس قومی سرمایہ کے لیے مسلم بینک کا قیام بھی ضروری ہے اور اس سے ایک فائدہ بھی ہے کہ انسان سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرکے اسے گردش میں رکھے گا جو ہر ایک کے کام آئے گا اور سرمایہ دارانہ ذہنیت رفتہ رفتہ ختم ہوگی اور سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت نہیں ملے گی اور یہی سبب ہے کہ اس نکتۂ اول میں بچت کی ہدایت کرتے ہوئے نکتۂ دوم میں امام نے ''تو انگر مسلمانوں سے بمبئی ،کلکتہ ،رنگون، مدراس اور حیدرآباد وغیرہ میں اسلامی بینک کے قیام کی اپیل کی تھی۔،،

مسلمان حکومتی بینک میں جو رقم جمع کرتا ہے۔اس سے قوم کو برائے نام فائدہ پہنچتا ہے اور دوسری قومیں پورا پورا فائدہ اٹھارہی ہیں۔اپنے اسلامی بینک میں اپنی رقم جمع ہوتی تو بھلے منافع اتنا ہی یا اس سے کم بھی ملتا،لیکن اپنا سرمایہ اپنوں کے کام آتا اور پوری قوم معاشی طور سے مستحکم ہوتی۔ دوسرے نکتہ میں امام احمد رضا نے یہ کہہ کر اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسرے قوم کے محتاج نہ رہتے یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹا نک بھر تانبا کچھ صنائی کی گڑھت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دیجائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاند ی آپ سے لے جائیں،، تجارت کا زریں اصول مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے یا یوں کہ

تجارت کا پورا اگر اوراس کی روح نکال کر پیش کر دی ہے۔

(۱) مسلمانوں کو صرف اپنی ہی قوم سے خریداری کی تلقین کی ہے تا کہ اپنی رقم اپنوں ہی میں جائے لیکن دوسرے کو اپنا مال بیچنے کی پابندی نہیں لگائی ہے یعنی اگر اپنوں میں مال کی کھپت نہ ہو سکے تو دوسروں کو فروخت کر سکتے ہیں تا کہ ان کی رقم اپنے پاس آئے آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنا خام مال دوسروں کو بالخصوص دوسرے ممالک کو ان کے کسی سامان یا مصنوعات کے بدلے نہ دیا جائے یعنی درآمد نہ کیا جائے البتہ اپنی مصنوعات کی برآمد کی جا سکتی ہے یعنی اکسپورٹ اور اس طرح زرمبادلہ میں اضافہ ہوگا یعنی قومی معیشت میں اضافہ ہوگا اور اسے استحکام حاصل ہوگا۔

اپنوں ہی میں کاروبار کا نظریہ دراصل نظریہ تامین ہے۔اور تامین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت یا قومی سرمایہ ملک یا قوم ہی میں رہے اس سے روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ جب الوطنی یا ملی وقومی محبت کے فروغ کا باعث ہے۔

امام کے اس نکتہ پر برسوں بعد یورپین نے عمل کیا اور یوروپین مشترکہ منڈی قائم کی جس میں انھیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور معاشی استحکام کی بدولت انھیں سیاسی استحکام بھی حاصل ہوا۔

(۲) ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا کی نگاہ اس پر بھی تھی کہ آج جو مسلم روسا نوابی اور زمینداری میں چور ہیں اگر کل یہ چھن گئیں تو یہ ناکارہ محض ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری قوم ان پر پوری طرح حادی ہو جائے گی۔آخر زمانہ نے دیکھا کہ ملک کی آزادی اور ملک کی تقسیم کے بعد جب ریاستیں ختم ہوئیں اور زمین داری ٹوٹی تو غیر مسلم راجاؤں اور زمین داروں نے کمپنیاں اور فیکٹر یا ں قائم کر لیں لیکن مسلمانوں میں شاید ہی معدودے چند کاروبار یا تجارت کے میدان میں آئے ہیں۔

(۳) عہد امام رضا میں اس سے پہلے اور آج بھی ہر طرح کی گرفت اور کاریگری مثلاً کپڑا سازی (،ہر طرح کا کپڑا،ساڑی،تہبند،رومال،دری،قالین،کشمیری شال،وغیرہ) کپڑوں کی رنگائی و چھپائی ،دباغت (چمڑاسازی) ادویات سازی،عطر سازی،روغن سازی،سرمہ سازی ،لکڑی کے فرنیچر،بیت کے کام،زری،زردوزی،پولٹری فارمنگ (مرغی وانڈے کے کام)

فشریز (مچھلی وغیرہ کے کام۔) ہرطرح کی برتن سازی،سونے چاندی کے کام،شیشے کے کام،ہیرے و پتھرتراشنے کے کام اور بہت ساری حرفت وکاریگری نیز،الیکٹریکل ومکینکل (بجلی ومکینک) کے کام میں بھی مسلمان کاریگر یا مستری کافی آگے تھے۔اگران کے اپنے انڈسٹری قائم کرتے ۔کاریگری کے کاموں میں انھیں سرمایہ فراہم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تو ہرطرح کی تجارت اور انڈسٹری پر مسلمان ہی چھائے رہتے اور دوسرے لوگ ان مسلم کاریگروں کا استحصال نہ کر سکتے ۔آج مسلم کاریگروں کا یہی حال ہے۔ان کی محنت ،ذہانت اور کاریگری کا دوسری قومیں استحصال کر رہی ہیں اور انکے حصے میں صرف مزدوری آتی ہے۔اور بیچارے ایسے عالم میں استعمال ہونے اور اپنے استحصال کرانے کے لیے مجبور ہیں۔

امام نے مسلم صنعت کاروں کے سرمایہ کے لیے اپنے دونکات ۔بچت کرنے اور بینک کے قیام میں پوشدہ کر دیا تھا۔کاش!اس پر سے پردے اٹھائے جاتے اور امام کے نکات پر عمل کیا جاتا تو آج عالم ہی کچھ اور ہوتا۔

امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء کے منصوبہ کی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی ملک (مسلم ملک یا سیکولر اسٹیسٹ) میں آج یا مستقبل میں (کسی بھی عہد) میں عمل پیرا ہوکر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اب جناب امام احمد رضا کے بے سودی اسلامی بینک سے نفع حاصل کرنے کے چند طریقے بھی ملاحظہ کریں۔امام نے اپنے نکتۂ سوم میں صاف لکھ دیا ہے۔کہ’’سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے۔مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے۔اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ،کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے۔‘‘

’’**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الداھم**‘‘امام احمد رضا کی وہ معرکہ آرا تصنیف ہے جسے انھوں نے ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اپنے دوسرے حج وزیارت کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ایک روز اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرمایا تھا۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ حنفی امام شیخ عبد اللہ میرداد بن شیخ الخطباء شیخ ،احمد ابوالخیر رحمہا اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ سے متعلق امام کی خدمت میں بارہ سوالات پیش کیے تھے۔اس وقت کرنسی نوٹ وہاں ایک نئ چیز تھی اور فقہائے کرام اس کے احکام کے بارے میں حیران و پریشان تھے۔امام نے ہر سوال کا ایسا جواب دیا کہ فقہائے کرام مطمئن بھی ہوئے اور امام کی فقاہت اور ذہانت دیکھ کر

حیران بھی ہوئے اور ان کی علمی وفقہی وجاہت کے آگے عقیدت کی گردنیں خم کردیں۔

اسلامی نظام کے نفاذ اور اقتصادی نظام نیز بینکوں کو سود کی لعنت سے پاک کر نے کے لیے یہ ایک عظیم نظام ہے۔مسلم علماء میں امام احمد رضا ہی کی ذات ایسی ہے جنہوں نے پہلی بار کرنسی نوٹ کے جواز کا فتوی دیا۔یہ بھی عالم اسلام پر ان کا ایک عظیم احسان ہے۔امام بلا شبہ ۱۴ ویں اسلامی صدی کے عظیم مجدد تھے۔ان کی ہر تصنیف علم وتحقیق کا خزانہ ،سچائی کا آئینہ اور ہر تصنیف کا لفظ لفظ معتبر ہے۔ان کی ہر تصنیف سے ان کے کارنامہ تجدید کے مہر درخشاں کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔

امام نے یہ رسالہ فصیح عربی میں لکھا تھا۔شہزادۂ امام احمد رضا حجتہ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں قدس سرہ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔

سود سے بچنے کے طریقے کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو(رسالہ کفل الفقیہ الفاہیم سے ) امام احمد رضا نے اس طرح کے کئی طریقے بتائے ہیں کہ مسلمان اپنے روپیہ پر کسی مسلمان سے زیادہ لے اور وہ سود بھی نہ ہو۔

حیلہ نمبر ۱:ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ دس ۱۰ کے تیرہ کروں ایک میعاد تک علماء نے فرمایا مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ساتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا۔اور اس کا مثل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتہیٰ اور اس طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے‘‘(۶۸۔۶۹ اردو ترجمہ)

اس طرح اور بھی حیلے بیان فرمائے ہیں:

اس طرح کے حیلہ کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے۔حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے عینہ کو جائز کیا ہے اور اس پر ثواب بھی بتایا ہے اس لیے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔

(۲) نوٹ کی بیع کم اور زیادہ کو جائز ہے۔حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں۔ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضا مند ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے۔(ص ۵۷)

(۳) ایک روپیہ ایک اشرفی کو بلکہ ہزار اشرفیوں میں بیچنا جائز ہے۔‘‘ (ص ۶۱)

اب اگر مسلم بینک قائم کیا جائے اور کھا تا داروں کی جمع کردہ رقم پر امام احمد رضا کے بتائے ہوئے شرعی طریقہ سے زیادہ رقم دی جائے تو جائز ہے۔لہٰذا مسلم بنک کے ذریعہ بچت کھاتہ اور ایک مخصوص مدتی رقم پر نفع دیا جا سکتا ہے اور جمع شدہ سرمایہ سے مسلم تاجروں اور صنعت کاروں کو قرضے بھی نفع پر دئے جا سکتے ہیں اور اس طرح مسلم تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ دیکر قومی معیشت مستحکم کی جاسکتی ہے اور مسلمان حکومت یا کسی اور کے آگے نوکری کے لیے گڑ گڑانے کے بجائے خود تجارت ،اپنے ہی فرموں اور انڈسٹر یوں میں ملازمت کرسکتا ہے اور اپنی کاریگری،صلاحیت اور محنت کو زیادہ بہتر طریقہ پر زیادہ خوشحالی کے ساتھ بروئے کار لاسکتا ہے۔

زیر نظر رسالہ میں امام احمد رضا نے یہ بھی لکھا ہے کہ خرید وفروخت میں کوشش کرنا سنت ہے۔(ص ۷۰) امام احمد رضا قوم کو کفر وشرک کی ہر جکڑ سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو معاشی طور پر مضبوط ہو کر سیاسی اور سماجی اعتبار سے مضبوط اور طاقت ور ہونے کی تلقین کی ہے۔اور یہ تجارت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ ممکن ہے۔

☆☆☆

# کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کی شرعی حیثیت
# فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

{مفتی عبید رضا مدنی، کراچی ) پاکستان)}

## کریڈٹ کارڈ کا تعارف:

کریڈٹ کارڈ کو اعتمادی کارڈ بھی کہتے ہیں۔کریڈٹ کارڈ بینک کے ذریعے جاری شدہ ایک چھوٹا سا مطبوعہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر اجازت یافتہ دوکان، آفس، ہوٹل وغیرہ سے ضرورت کے سامان، رہائش کی سہولتیں، ہوائی جہاز کے ٹکٹ وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں۔

جس دوکاندار کو بینک کے ذریعے یہ کارڈ قبول کرنے کی منظوری حاصل ہوتی ہے، اس کے پاس ایک مشین ہوتی ہے جس میں وہ کارڈ کو ڈال کر اس کی کاربن کاپی نکالتا ہے ، پھر اس پر ''دستخط خریدار'' کے خانے میں صاحب کارڈ سے دستخط کراتا ہے اور اسے بل کے ساتھ منسلک کر کے کارڈ جاری کرنے والے بینک کو بھیجتا ہے ،تو بینک سے بذریعہ ڈرافٹ اسے رقم موصول ہوجاتی ہے۔اب صاحب کارڈ کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ ایک ماہ کے اندر بذریعہ چیک یا نقد بینک کو بل کا دام ادا کرے، اگر ایک ماہ میں پوری ادائیگی نہ ہو سکے تو کم از کم بقایہ کا 5% فیصدی ضرور ادا کرے اس صورت میں باقی 95% فیصد رقم کا سود ادا کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی ''سروس چارج'' کے نام پر سو روپے جرمانہ بھی دینا پڑے گا ،کارڈ کی سالانہ فیس جو 750 یا /1100 روپے ہے اس کے سوا ہے۔کریڈٹ کارڈ کے ذریعے کارڈ جاری کرنے والے بینک یا اس کے معاون بینکوں سے نقد روپے بھی بآسانی مل جاتے ہیں ،البتہ اس پر ہر ماہ سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

سامان وغیرہ کی ''ادھار بل'' اور بینک سے ''نقد روپے لینے'' میں فرق یہ ہے کہ نقد لینے پر بہر حال سود دینا پڑے گا اگر چہ اسے ایک ماہ کے اندر ہی ادا کر دیا جائے لیکن ادھار خریداری کی صورت میں ایک ماہ کے اندر بل ادا کر دینے پر سود نہیں دینا پڑے گا۔

کارڈ پر کئے جانے والے اخراجات لا محدود نہیں ہوتے بلکہ بینک اپنی صوابدید کے مطابق اس کی حد مقرر کر دیتا ہے مثلاً ((5000 پانچ ہزار روپے۔ یونہی کارڈ کے ذریعے بینک سے جو روپے لئے جاتے ہیں،اس کی بھی ایک حد مقرر ہوتی ہے مثلاً ((10000 دس ہزار روپے۔کریڈٹ کارڈ سٹی بینک (City Bank) جاری کرتا ہے لیکن یہ سہولت تقریباً حکومت کے ہر بینک سے یوں مل جاتی ہے کہ وہ ایک فارم پر کر کے سٹی بینک کو بھیجتا ہے اور سٹی بینک فارم بھیجنے والے بینک کی طرف سے درخواست دہندہ کے نام کارڈ جاری کر دیتا ہے جو اسے بینک سے وصول ہوجاتا ہے۔(جدید بینکاری صفحہ 82,83)

## کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت:

کریڈٹ کارڈ کے تعارف سے یہ بات سامنے آئی کہ بینک کارڈ ہولڈر کو کریڈٹ کارڈ کے ذریعے تین طرح کی سہولتیں مہیا کرتا ہے:

1-ادھار بل کی ضمانت۔

2- کارڈ ہولڈر (صاحبِ کارڈ) کی طرف سے ادھار بل کی ادائیگی۔

3- قرض کی حیثیت سے نقد روپیوں کی فراہمی۔

## 1-ادھار بل کی ضمانت:

اس شق میں بینک کا بنیادی کردار یہ ہے کہ وہ دوکاندار کو کارڈ ڈیلر کے ادھار بل کا دام ادا کرنے کی ضمانت لیتا ہے اور ثبوت کے طور پر یہ کارڈ جاری کرتا ہے تو یہ معاملہ ''باہم ضمانت کا معاہدہ'' ہے اور کارڈ ضمانت کی سند ہے۔ضمانت شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے لیکن یہاں ضمانت کے ساتھ دو ناجائز شرطیں ہیں،جس کی وجہ سے ناجائز وگناہ ہے۔وہ دو شرطیں یہ ہیں:

1- قیمت کی ادائیگی میں ایک ماہ کی دیر ہوجائے تو کارڈ ڈیلر (یعنی صاحب کارڈ) کو سود ادا کرنا پڑتا ہے اور سود یقینا حرام و گناہ کبیرہ ہے۔چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''واحل اللہ البیع و حرم الربوا'' یعنی اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔(پارہ 3 سورۃ البقرۃ آیت نمبر 275)۔

حدیث مبارک میں ہے:

''لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و

**شاھدیه قال وھم سواء**" یعنی رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے سود لینے والے سود دینے والے اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام لوگ برابر ہیں۔(**صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء جلد 2صفحه 27**،**مشکوۃ صفحه** 244 مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

**صدر الشریعه مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیه** تحریر فرماتے ہیں:
''قرض دیا اور ٹھہرا لیا کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے گا جیسا کہ آج کل سود خوروں (سود کھانے والوں) کا قاعدہ ہے کہ روپیہ دو روپے سیکڑا ماہوار سود ٹھہرا لیتے ہیں یہ حرام ہے یونہی کسی قسم کے نفع کی شرط کرے نا جائز ہے''۔(**بهار شریعت جلد دوم، حصه** 11،**مسئله نمبر** 21،**صفحه** 759 **مکتبة المدینه** کراچی)۔

2-دیر کی وجہ سے جرمانہ بھی دینا پڑتا ہے جو ناحق اپنے مال کا ضائع کرنا اور ناجائز و گناہ ہے۔چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''**تعزیر بالمال** منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں''۔

درمختار میں ہے:''**لا یاخذ مال فی المذھب بحر**۔''یعنی مال لینے کا جرمانہ مذہب کی رُو سے جائز نہیں ہے۔بحر اُسی میں ہے:''**وفی المجتبیٰ انه کان فی ابتداء الا سلام ثم نسخ**''یعنی اور مجتبیٰ میں ہے کہ (مالی جرمانہ )ابتدائے اسلام میں تھا،پھر منسوخ کر دیا گیا۔(ت)(**درمختار باب التعزیر جلد اول صفحه** 326 مطبوعہ مجتبائی دہلی)۔

ردالمختار میں بحر سے ہے:''**وافاد فی البزازیة، ان معنی التعزیز یاخذ المال، علی القول به، امساک شئی من ماله عنده مدة لینذ جر، ثم یعیده الحاکم الیه، لا ان یا خزه الحاکم لنفسه او لبیت المال، کما یتو همه الظلمة، اذلا یجوز لا حد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی**۔''

یعنی اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدّت کے لئے روک لینا تاکہ وہ باز آجائے،اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹا دے،نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیت المال کیلئے،جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں،کیونکہ شرعی سبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے

لئے روا نہیں۔(ت)(**رد المحتار باب التعزیر جلد سوم صفحہ 195، مطبوعہ مصطفی البابی مصر**)(**فتاوی رضویہ جلد 5 صفحہ 111، 112 رضا فاؤنڈیشن لاہور**)

**نوٹ**: البتہ اگر کسی شخص کا عزمِ مصمم ہو کہ وہ ایک ماہ کے اندر سود لازم ہونے سے پہلے ہی کریڈٹ کارڈ کی رقم لوٹا دے گا تب بھی سودی معاملہ طے کرنے اور اس پر راضی ہونے کی وجہ سے یہ نا جائز ہی ہوگا کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اگر مقررہ مدت تک رقم جمع نہ کروائی تو اضافی رقم یعنی سود دینا ہوگا گویا کریڈٹ کارڈ لینے والا یہ عہد و پیمان کر رہا ہے کہ اگر وقتِ مقررہ پر رقم جمع نہ کروائی تو اس پر اضافی رقم یعنی سود دوں گا اور سود کا لین دین تو مطلقاً حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کرلینی مثلا نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل و خلاف شرع مطہر ہے پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لیے جاتے ہیں یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں جب تو وہ نوکری ہی نا جائز و گناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا اور عقدِ فاسد حرام ہے اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررہ کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجرِ مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں۔ اجرِ مثل اگر مسمی (مقررہ) سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں''۔(**فتاوی رضویہ جلد 19 صفحہ 506، 507 رضا فاؤنڈیشن لاہور**)۔

کارڈ ہولڈر (یعنی صاحبِ کارڈ) کی طرف سے ادھار بل کی ادائیگی:

بینک کا دوسرا کردار یہ ہے کہ وہ کارڈ ہولڈر (یعنی صاحبِ کارڈ) سے روپے وصول کرتا ہے اور اس کے بل کی قیمت ادا کرتا ہے، اور اپنی اس خدمت کے بدلے سالانہ اس سے 750 روپے یا 1100 روپے فیس لیتا ہے، یہ فیس حقیقت میں بینک کے کام کی مزدوری ہے، مگر یہاں بھی وہی سود اور جرمانہ کی قباحت موجود ہے کہ بینک کی یہ تمام خدمات اس کی

ضمانت کے تابع ہیں اوراس کو ضامن بنانا سود و جرمانے کی شرط کی وجہ سے ناجائز ہے۔

**قرض کی فراھمی:** کارڈ کے ذریعے ضرورت کے وقت بینک سے قرض کی حیثیت سے روپے بھی وصول کئے جاتے ہیں جس پر بینک سود لیتا ہے تو یہ سہولت بھی سود کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلحضرت امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: **"یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوٰ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ"**

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کردو یعنی اللہ و رسول سے لڑنے کو تیار ہوجاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔(القرآن الکریم 2/79-278)

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درہم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔" بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے۔

**"اسیرھا مثل ان ینکح الرجل امہ"**

ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔**(المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت 2 / 37)** صحیح حدیث میں ہے:

**"لعن رسول اللہ ﷺ اٰکل الربوٰ و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء"**

لعنت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔**(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ وا لمذارعتہ باب الربوٰ جلد دوم صفحہ 27**، قدیمی کتب خانہ کراچی)۔**(فتاوی رضویہ جلد 17 صفحہ 363** رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کی مروجہ صورت حال ناجائز وگناہ ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

**نوٹ** : اس مقالہ کی تیاری میں محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی مدظلہ العالی کی کتاب ''جدید بینکاری'' سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔

**واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم کتبہ**

☆☆☆

# امام احمد رضا اور ترقی تجارت بذریعہ لون یا دین جائز یا ناجائز

مفتی ذو الفقار احمد رضوی نعیمی..... نوری دار الافتاء، کشی نگر (اترا کھنڈ)

تجارت کی ترقی کا کون خواہش مند نہیں ۔ ہر تاجر چاہتا ہے کہ اسے تجارت میں خوب ترقی ملے ۔ بہت کم تاجر ایسے ہوتے ہیں جو تجارت میں ترقی کو شریعت کی حد میں رہتے ہوئے حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ بہت سوں کو تو اس کی نا فکر ہوتی ہے نا خبر کے ان کی تجارت میں کس قدر شرعی خامیاں ہیں' ان کی تجارت میں کس قدر حرام کی آمیزش ہے۔ ان کی تجارت سے جہاں مال میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے وہیں ان کے نامہ اعمال میں گناہوں کا ڈھیر بھی اکھٹا ہوتا جاتا ہے ۔شریعت نے تجارت کے جو اصول اور قوانین بنائے ہیں یقیناً انہیں کو اپنا کر تاجر تجارت میں برکت حاصل کر سکتا ہے اس کے علاوہ برکت کا وجود محال شرعی ہے۔

فقیہ اسلام ناشر مذہب امام اعظم اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ القویٰ' نے جہاں فقہیات' عقائد و نظریات' سیاسیات' سماجیات' اقتصادیات' وغیرہ کے حوالے سے قوم کی رہنمائی فرمائی ہے وہیں معاشیات کے حوالے سے بھی آپ نے قوم مسلم کی رہبری و رہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔ تجارت چوں کہ معاشیات کا ایک اہم جز ہے اس لیے آپ نے اس پر خوب زور دیا ہے۔تجارت کے جائز و ناجائز پہلوؤں ،لون یا دین کے مفید و مضر اسباب اور ترقی تجارت کے اصول وضوابط پر آپ نے جس طرح تحقیقی بحثیں فرمائی ہیں وہ آپ کی کتابوں کے سوا دیکھنے کو نہیں ملتیں ۔ ہم یہاں اپنے عنوان کے مطابق لون یا دین کے ذریعہ تجارت کی ترقی کے جائز و ناجائز پہلوؤں پر آپ کی تحقیقات کے حوالے مشتے نمونہ از خروے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تجارت میں ترقی کی خاطر اگر کوئی کسی سے قرض لے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں یہ قرض بلاشبہہ جائز ہے ۔لیکن اگر اس میں کسی طرح کی قید جو خلاف شرع ہو پائی جائے گی تو حکم مختلف ہوگا۔

''قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہرہ نے حاجات ناس (لوگوں کی ضرورت ) کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا، بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے روپیہ خود اموال ربویہ

سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہوتو قدر وجنس دونوں موجود اور فضل ونسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

**یٰایھا الذین اٰمنو ااذاتداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ الایتہَ**

اے ایمان والو جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔" [ فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۱۷ ص ] ۳۲۴

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر کہ قرض حسن لینا شرعاً جائز ودرست ہے۔

البتہ قرض لینے میں اگر قرض سے زیادہ دینا پڑے جسے عام بولی میں لون کہتے ہیں تو اگر وہ بغیر عذر شرعی ہے تو ناجائز ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کہے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے' اور حدیث صحیح میں: "**ھم سواءفرمایایعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ھیں**"

[ فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۱۷ ص ] ۳۰۴

اور اگر عذر شرعی ہے تو جائز ہے جس کی مطلقا دو صورتیں ہیں۔

## لون کے جواز کی پہلی صورت:

محتاجی و مفلسی کے سبب لون یعنی سودی قرض لینا جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

"مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں)

اسی لئے علما فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

**فی الاشباہ و النطائر وفی القنیتہ و البغیتہ یجوز لمحتاج الاستقراض با لربح اھ قال فی الغمذو ذلک نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلاو یجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا۔**

الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے۔''

آگے فرماتے ہیں:

''محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا'' [فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۱۷ ص ۲۹۹]

مزید فرماتے ہیں:

''اگر واقعی ضرورت ہے کہ بے اس کے گزارا نہیں مثلاً کھانے پینے کو درکار ہے اور کسب پر قادر نہیں، نہ حاجاتِ ضروریہ سے زائد کوئی چیز قابل بیع پاس ہے یا قرض خواہ کی ڈگری ہوگئی پاس کچھ نہیں، ادا نہ کرے تو رہنے کا مکان یا جائداد کا ٹکڑا کہ ہی ذریعہ معاش ہے نیلام ہو جائے تو ایسی مجبوریوں میں قرض لے سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: **یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا**،ضرورت منداور مجبور کو سودی قرض لینا جائز ہے''

## دوسری صورت:

اگر کوئی سخت مجبوری یا ضرورت شرعی پائی جائے جیسے بسر اوقات مشکل ہو،مقروض ہے اور قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور قرض خواہ سے ہتک عزت،اسیری اور جسمانی اذیت کا اندیشہ ہو،تو ایسی صورت میں لون لینا جائز ہوگا۔

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

''والہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرض خواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل

ادا نہیں تو رخصت دی جائے گی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس وتحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت ومطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت اہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایں ہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام

[فتاوٰی رضویہ جدید: ج ۱۷ ص ]۳۰۰

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مطلقاً لون لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

اب ہم تجارت کی ترقی کی خاطر لون کے جائز و ناجائز ہونے کا بیان قلمبند کرتے ہیں۔

تجارت کے لیے سودی قرض یعنی لون لینے کی دو صورتیں عموماً پائی جاتی ہیں۔

## پہلی صورت:

ترقی تجارت

## دوسری صورت:

حفظ تجارت، یعنی ٹیکس، اور سرکاری کاروائیاں اس قدر پیچیدہ ہیں کہ سوائے سودی قرض لئے تجارت میں فائدہ نہیں، بلکہ تجارت میں نقصان کے امکانات زیادہ ہیں۔تو اگر تجارت بچانی ہے تو دوسری قرض ہی ایک سبیل ہے۔

پہلی صورت میں لون کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔کیوں کہ مذکورہ بالا لون کے جواز کی دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں یہ داخل نہیں ہے۔محض ترقی کی خاطر سودی قرض یعنی لون لینے کے ناجائز ہونے کے حوالے سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

’’یا سو دوسو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں۔

[فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۱۷ ص]۲۹۹

مزید رقم طراز ہیں:

''اوراگر بلا مجبوری شرعی سود دیتا ہے مثلاً تجارت بڑھانے یا جائداد میں اضافہ کرنے یا اونچا محل بنوانے یا اولاد کی شادی میں بہت کچھ لگانے کے واسطے سودی قرض لیتا ہے تو وہ بھی سود کھانے والے کے مثل ہے اور اسے امام بنانا بھی گناہ ،اور نماز کا وہی حال''۔[فتاویٰ رضویہ جدید: ج ۶ ص]۵۸۱

اورفرماتے ہیں:

''ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی لینا حرام ہے''[فتاویٰ رضویہ جدید :ج ۱۷ ص ]۳۵۵

**الحاصل**: پہلی صورت میں یعنی تجارت بڑھانے کی خاطر سودی قرض لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ یہاں ہم یہ بھی باور کرادیں کہ یہ ساری بحث مسلمان سے سودی قرض لینے کے سلسلے میں ہے۔حربی کافروں سے تجارت کے لیے سودی قرض لینا جب کہ اس میں مسلمان کا نقصان نہ ہو بلکہ فائدہ ہو شرعاً جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

''ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو''۔]فتاوی رضویہ جدید: ج ۱۷ ص]۳۰۵

اب رہی دوسری صورت کہ حفظ تجارت کی خاطر بینک وغیرہ سے سودی قرض لیا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ کیوں کہ یہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے۔

علاوہ ازیں سودی قرض نہ لینے کی صورت میں حکومتی پیچیدگیوں میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے اور نفع سے زیادہ ٹیکس وغیرہ کے حکومتی اخراجات ادا کرنے کے سبب تجارت میں نقصان بھی ہوسکتا ہے یا تجارت بالکل ختم ہوسکتی ہے اور اس طرح کاروبار معطل ہونے سے بسا اوقات میں مشکلیں پیش آسکتی ہیں اس لیے یہاں حفظ تجارت و دفع حرج کے سبب جواز کا حکم ہوگا کیوں کہ یہاں سخت مجبوری پائی جارہی ہے اور ایسی صورتوں میں جہاں سخت مجبوری ہونا جائز امر جائز ہوجاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''پھر اگر بلا ضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا۔اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الٰہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت وضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی لے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنا فرمادیا ہے۔''[فتاوی رضویہ جدید: ج۱۷ص ۳۴۳،۳۴۴]

**الحاصل**:فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کی روشنی میں چند باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) قرض حسن لینا شرعاً جائز ہے۔

(۲) سخت مجبوری، محتاجی ومفلسی کی حالت میں سودی قرض کی اجازت ہے۔

(۳) محض ترقی تجارت کی خاطر مسلمان سے سودی قرض لینا ناجائز وحرام ہے۔

(۴) حفظ تجارت جو کہ ایک معاشی اہم ضرورت ہے اس کے لیے بھی سودی قرض یعنی لون لینے کی شرعاً اجازت ہے۔تجارت میں ترقی کے جواز وعدم جواز کے حوالے سے یہ مختصر سی بحث فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کے حوالے سے سپرد قرطاس کی گئی ہے۔اللہ پاک ہمیں رزق حلال کمانے کھانے کی توفیق بخشے۔آمین **بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔**

# امام احمد رضا اور ترقی تجارت بذریعہ لون یا دین جائز یا ناجائز؟

مفتی محمد رفیق الاسلام رضوی، خادم الافتا دار العلوم رضائے مصطفی کولکاتا

حامدا ومصلیا ومسلما

اسلام چونکہ دین فطرت اور دین کامل ہے، حیات انسانی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ وجاری ہے، اسلام ایک طرف عبادات کا طریقہ بتاتا ہے تو دوسری طرف معاملات کے متعلق بھی انسان کی پوری رہنمائی کرتا ہے تاکہ زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ نہ رہ جائے اور مذہب اسلام کا پیرو کار کسی عمل میں اسلام کے سوا کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے۔ساتھ ہی عبادات ہوں یا معاملات ہر ایک کے لئے شریعت اسلامیہ نے کچھ اصول وضوابط متعین ومقرر کئے ہیں جن کی پابندی بہر صورت لازمی ہے۔جس طرح عبادات میں کچھ صورتیں جائز ہیں اور کچھ ناجائز اسی طرح تجارت وتحصیل مال میں بھی بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلال روزی کی تحصیل کے لئے حلال وحرام اور جائز وناجائز کو پہچانے اور جائز طریقے پر عمل کرے ناجائز سے دور بھاگے۔قرآن مقدس نے دونوں کا حکم بیان کیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء، آیت نمبر:۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو حرج نہیں۔

عصر حاضر میں جہاں انسان نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی وعروج کے بے شمار نت نئے طریقے ایجاد کئے وہیں تجارت کا شعبہ بھی ان جدید طریقۂ تجارت سے محفوظ نہ رہ سکا۔نتیجۃً جائز صورتوں کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی صورتیں بھی متعارف ہوئیں جن کی شریعت اسلامیہ عام حالات میں قطعا اجازت نہیں دیتی۔تجارت کی ترقی وعروج کے لئے ایک جدید طریقۂ تجارت ''لون'' یعنی سودی قرض کا لین دین ہے۔یہ ایسی بلا ہے جس میں پوری دنیا ملوث ہے، مسلمان بھی اس بلا میں ملوث نظر آرہا ہے بغیر یہ سوچے سمجھے کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی چودہویں صدی کے ایک ایسے

عالم، مفتی، محدث اور فقیہ ہیں جنھوں نے ہر موڑ پر امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی، تجارت کے قدیم اصول کے ساتھ ساتھ جدید تجارت کے جملہ اصول وفروع کا بھی انھوں نے بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور مسلمانوں کو جائز وناجائز صورتوں کی تفصیلی معلومات فراہم کی۔

ترقی تجارت بذریعہ لون جائز ہے یا ناجائز، آیئے اس کو ہم اس فقیہ بے بدل کے فتاویٰ کی روشنی میں حل کریں۔

مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان قرض یا خرید وفروخت وغیرہ کا معاملہ زیادت کے ساتھ اگر اس طرح ہو کہ نفع مسلمان کو ملے تو بالاتفاق یہ معاملہ جائز ہے سود نہیں، کیونکہ غیر مسلم کے مال میں اسلام کا قانون سود جاری نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر قرض (لون) یا دیگر معاملات میں نفع مسلمان کو نہیں بلکہ غیر مسلم کو ہو یعنی مسلمان غیر مسلم کو نفع دے، تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ کے نزدیک وہ زیادت ناجائز وحرام ہے، کیونکہ مسلمان احکام شرعیہ کا پابند ہے تو اس کے مال میں شرعی سود کا قانون بھی جاری ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام وسود ہے۔ **لان کل قرض جر منفعة فهو ربا**۔ اھ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷، ص:۳۵۰، باب الربا، کتاب البیوع)

ایک جگہ فرماتے ہیں: ایسی جگہ (ہندوستان مثلا) عقود فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷، ص:۳۶۵)

ان دونوں جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور حربی جو کہ ذمی یا مستامن نہ ہو، کے درمیان معاملہ زیادت کے ساتھ اس وقت مباح ہے جبکہ زیادت مسلمان کو ملے، اور اگر زیادت مسلمان کو نہ ملے بلکہ مسلمان کو غیر مسلم کو زیادہ دینا پڑے تو جائز نہیں بلکہ حرام ہے، اور یہاں کے بینکوں یا دیگر اداروں سے لون (سودی قرض) لینے میں نفع مسلم نہیں ہے بلکہ اُلٹا غیر مسلم کو نفع دینا پڑتا ہے اس لئے لون لینا اگر چہ تجارت کی ترقی ہی کے مقصد سے ہو جائز نہیں۔ کیونکہ مسلمان کا کسی کو سود دینا بغیر شرعی ضرورت ومجبوری کے ناجائز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ ایک سودی قرض ( لون ) کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کہے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے، اور حدیث صحیح میں: **هم سواء** فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ہیں۔(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷،ص: ۳۰۴)

آگے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: سود لینا مطلقا عموما قطعا سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی و مجبوری ہو تو جائز ہے۔ درمختار میں ہے: **یجوز للمحتاج الاستقراض بالربو** ۔محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔ ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے۔(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷،ص:۳۵۹، )

اب یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ترقی تجارت کے لئے لون(سودی قرض)لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ترقی تجارت ضرورت شرعی ہے یا نہیں؟

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے، **فی الاشباہ والنظائر وفی القنیہ والبغیہ: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح اھ قال فی الغمز وذلک نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا اھ** ۔(الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے اھ۔) اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا نو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا

سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ھذاالقیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگر چہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں، ولہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت۔(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷،ص:۲۹۹۔۳۰۰)

اس جزئیہ سے دن کے اجالے کی طرح صاف ہوگیا کہ تجارت کی ترقی کے نام سے لون لینا جائز نہیں کیونکہ وہ ضرورت شرعی نہیں ہے۔

اب یہاں کوئی یہ اشکال پیش کرسکتا ہے کہ یہاں لون لینا مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے اوردوسری طرف یہاں کے کفار بینکوں سے لون کے ذریعہ لمبی لمبی رقمیں لے کر اپنی تجارت وکاروبار کو کافی آگے بڑھالیتے ہیں اور معاشی اعتبار سے وہ لوگ بے حد مضبوط ہوجاتے ہیں اور مسلمان معاشی اعتبار سے بے حد کمزور اور غیروں کا دست نگر؟

اس اشکال کا جواب بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے دے دیا ہے چنانچہ اسی طرح کے سوال کے جواب میں آپ لکھتے ہیں: تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کے لئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے،اے مسکین! تجھے توکل کا دن سنوارنا ہے، ''**یَومَ لَا یَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ**۔جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد،مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے:**ولا تمدن عینیک الی ما متعنا به**

**ازواجامنھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقی۔** اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں وعورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔اھ(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷،ص:۳۶۰)واللہ تعالیٰ اعلم۔

# امام احمد رضا۔ بینک اور شیئر بازار

مفتی عبدالمالک رضوی مصباحی

{چیف ایڈیٹر رضائے مدینہ، جمشید پور (جھارکھنڈ) 8409987217}

امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۹۲۱۔۱۸۵۶ء) ایک عجوبہ روزگار شخصیت کا نام ہے ۔قسام ازل نے انھیں ایسی بے پناہ خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا جس کی نظیر ان سے صدیوں پہلے کے لوگوں میں نظر نہیں آتی ہے ۔اپنے اپنے میدان کے شہ سواروں نے ان کی فکری گہرائی و گیرائی کا جب جائزہ لینے کا ارادہ کیا تو عمریں کھپ گئیں مگر ان کے علوم وفنون کی متلاطم لہروں کا اندازہ نہیں لگا سکے ،تحقیق و تفتیش کے رخ تہ دار سے جیسے جیسے نقاب کشائی ہو رہی ہے حیرت و استعجاب کے نئے نئے دروازے وا ہوتے جا رہے ہیں۔سائنس وٹکنالوجی کو بام عروج تک پہنچانے والوں کی عقلیں حیران ہیں کہ آخر اس ایک انسان میں محاسن کے کتنے دریا موجزن ہیں اور علوم ومعارف کی کتنی نہریں جاری ہیں۔عام اہل علم کی رسائی جن علوم کے ابجد تک نہیں ان علوم میں بھی ان کے رشحات قلم کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں۔

امام احمد رضا کی حیات کا ایک ایک لمحہ انسانی فلاح وبہبود اور دینی و مذہبی خدمات سے لبریز ہے ۔اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی کسی ایک محور کے گرد طواف میں بسر نہیں ہوئی بلکہ آپ نے ہمہ جہت خدمات کا فریضہ انجام دیا۔آپ کی بارگاہ میں لوگ جس طرح کا سوال پیش کرتے آپ انھیں ان کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب دے کر ان کی فکری پریشانیاں حل فرمادیتے ۔آپ کی حیات مستعار کے یہ وہ تابندہ نقوش ہیں جن کی وجہ سے دنیا آپ کو اپنا قائد و رہ نما تسلیم کرتی ہے ۔دینی اور دنیاوی اصلاح کی کوششوں کا یہی وہ جذبہ فراواں تھا جس کی وجہ سے آپ منصب مجددیت پر پوری شان استغنا کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

اسلام دنیا کا وہ مقدس مذہب ہے جس کے وسیع دامن میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائی موجود ہے نیز یہ وہ مذہب مہذب ہے جو ہر دور اور زمانیکے ساتھ چلنے کی بدرجۂ اتم

صلاحیت رکھتا ہے۔نہ تو زمانہ کی طوالت اس کی روشن کرنوں کو مدھم کرسکی اور سائنس وٹکنالوجی کی صبارفتاری اس کے مستحکم اور اٹل قوانین کی افادیت پر قدامت کا ٹھپا لگا سکی۔زمانہ خواہ کتنا ہی نشیب وفراز سے دوچار ہوجاے اور زمانے میں خواہ کتنے عظیم انقلابات برپا ہوجائیں مگر کوئی انصاف پسند انسان اسلامی قوانین کی بالادستی،افادیت،جامعیت اور معتبریت پر انگشت نمائی نہیں کرسکتا۔مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک،ذہین اور طباع بندوں سے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی کرواتا رہے گا اور اسلام کی عظمت کا پھریرا لہراتا رہے گا۔جیسا کہ مجدد اسلام امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

:''ہمارے اماموں نے اس دینِ حنیف کا شافی بیان فرمادیا،جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں،تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے،تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلّیے ذکر فرمائے کہ بے شمار جزیوں پر منطبق آئیں،تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر چہ ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں،اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے۔''(۱)

انسان کی زندگی کا دارومدار معاش اور کسب معاش پر ہے،جس سے برابر ہر کس و ناکس کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ابتدائی زمانہ میں لوگوں کے لیے خوردونوش میں تکلفات کا تصور نہیں تھا مگر انسانی قافلہ جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا تنوع اور تعیش سے دوچار ہونے لگا نتیجتاً حصول معاش میں بھی پیچیدگیاں اور دشواریاں پیدا ہونے لگیں جن پر قابو پانا دیگر ترجیحات کے مقابل ضروری ہوگیا۔

موجودہ دور میں معاشی استحکام کے لیے بینکنگ کا نظام انسانی رگ وپے میں سرایت کرگیا۔جس سے صرف نظر کرکے اس چکاچوند ماحول میں زندگی بتانا محال سا ہوگیا ہے۔تجارت،زراعت اور صنعت وحرفت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو بینک کی دست ترس سے باہر ہو آج کے ماحول میں اندرون خانہ کے ہوش ربا ماحول نے بینک کو زندگی کا ایک حصہ بنادیا ہے۔اہل ثروت کے لیے اپنی دولت کی حفاظت کی خاطر بینک گھر سے زیادہ محفوظ

مقام ہے۔ایسے پرخطر ماحول میں اس سے لین دین سے بچنااور اس سے کاروبار کرنے میں دریغ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔دوسری طرف اس خیر میں جو شر کی آمیزش ہے اہل ایمان کے لیے اس سے بچنا بھی انتہائی ضروری ہے۔کیوں کہ آج پوری دنیا میں بینک کا جو نظام حاوی اور رائج ہے وہ غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن اذہان کی اپج ہے جس میں اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی بھی کہیں نہ کہیں شامل ہے۔ ان سنگین حالات میں رزق حلال کی حصول یابی کو یقینی بنانے کے لیے ان خطوط اور رہ نما اصول کی جانکاری ضروری ہے جو ایک مسلمان کو حرام سے بچاتے ہوئے حلال روزی فراہم کرے۔امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد صلاحیت سے اس میدان میں مسلمانوں کی جو رہ نمائی کی ہے وہ آب زر سے لکھے جانے اور بصد احترام عمل کیے جانے کے لائق ہے ۔ آنے والے سطور میں حضرت امام علیہ الرحمہ کے انھیں خیالات پر روشنی ڈالی جارہی ہے مگر اس سے پہلے ذرا بینک کی تاریخ اور اس کی اہمیت ذہن نشین کرلیں۔

## بینک کی تاریخ:

بینکاری نہایت قدیم کاروبار ہے۔ بابل اور روم کی قدیم تہذیبوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اٹلی کی نشاۃ ثانیہ اور پھر ۱۷ رویں صدی عیسوی میں برطانیہ میں جدید خطوط پر بینک کی شروعات ہوئی۔

لفظ بینک غالباً اطالوی لفظ BANCO سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ بینچ ہے۔لندن کے لومبارڈ و اسٹریٹ میں بینچ پر بیٹھ کر سونار، یہودی وغیرہ لوگوں سے امانت قبول کرتے اور اس امانت کو سود پر حکومت، صناعوں، تاجروں اور دیگر ضرورت مندوں کو بطور قرض دیا کرتے تھے، Lawrence S.Tiller اور William L.Silber اپنی کتاب Principles of Money, Banking and Financial Markets کے ساتویں ایڈیشن کے ص ۱۷۶ پر رقم طراز ہیں کہ (تجارتی) بینک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو کئی مختلف النوع خدمات پیش کرتا ہے جس میں چیکنگ حسابات اور کاروباری قرض شامل ہیں۔(۲)

## بینک کسے کہتے ہیں؟

”بینک ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کرکے

تاجروں، صنعت کاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے۔ آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں، اور اپنے امانت داروں کو کم شرح پر سود دیتے ہیں، اور سود کا درمیانی فرق بینکوں کا نفع ہوتا ہے۔" (۳)

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ملتا ہے:

.... پہلے زمانے میں "لوگ اپنا سونا صرافوں کے پاس بطور امانت رکھتے تھے اور سنار اس کی رسید لکھ کر دیتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان رسیدوں سے ہیمعاملات شروع ہو گئے۔ لوگ سونا واپس لینے کے لیے کم آتے تھے، تو یہ صورت حال دیکھ کر صرافوں نے سونا قرض دینا شروع کر دیا۔ پھر جب یہ دیکھا کہ لوگ عموماً رسیدوں سے ہی معاملات کرتے ہیں تو صرافوں نے بھی قرض خواہوں کو سونے کے بجائے رسیدیں دینی شروع کر دیں۔ اسی طرح بینک کی صورت پیدا ہوئی۔ بعد میں اس کو ایک منظم ادارے کی شکل دے دی گئی"۔ (۴)

بینک کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارہ قصیر المدتی قرضے (Shortterm Loans) سود پر مہیا کرتا ہے۔

سودی بینکوں کی کارگزاریاں: (Functions) ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

(۱) قبول امانت (Acceptance of Deposit): بینک چار قسم کی امانتیں قبول کرتا ہے، مثلاً

(i) رواں حسابات (Current Accounts)

(ii) بچت حسابات (Saving Accounts) (iii) میعادی حسابات (Fixed Accounts) (iv) مراجعتی حسابات (Recurring Accounts) ... جتنی طویل مدت کے لیے امانت رکھی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ سودی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۲) قرض کی پیش کش (Advancement of Loan): یہاں بھی بنک چار قسم کے قرضے سود پر قرض خواہوں کو فراہم کرتا ہے جو ذیل میں بالاختصار درج ہیں:

(i) نقدی قرض (Cash Draft) (ii) زائد قرض (Over-Draft) یعنی زائد از جمع رقم بطور قرض نکالنا (iii) یک مشت قرض (Loan) (iv) ہنڈی توڑنا (Discontinuing of Bill of Exchange) اسے آپ منہائی قرض بھی کہہ

سکتے ہیں۔

(۳)تخلیق زر کی کارگزاری(Credit Creation Function)

(۴)غیر بینکاری کارگزاریاں: اس کی تین قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) بطور گماشتہ/ ایجنٹ کارگزاریاں(Agency Function)

(ب)عمومی افادیتی خدمات(General Uitility Services)

(ج)سماجی بنکاری خدمات(Social Banking Services)

ان چار کارگزاریوں میں سوائے چوتھی کارگزاری کی بقیہ تمام کارگزاریوں میں بینک سودی کاروبار کرتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بینک بغیر سودی کاروبار کیے درج بالا تمام کارگزاریاں انجام دے سکتا ہے؟ (۵)

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دور میں ایسا ممکن نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے اور وہ بھی امام احمد رضا کی تحریر میں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا دور یہود و نصاری کے عروج کا دور تھا دنیا کے بیشتر خطوں میں ان کی من مانی چلتی تھی ،سیاسیات سے لے کر معاشیات تک پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ بینکنگ نظام بھی انھیں کا رائج کردہ تھا جس میں حلال ناپید اور حرام کاری کی ریل پیل تھی امام احمد رضا نے مسلمانوں کو اپنی معیشت مضبوط کرنے اور حلال طریقے سے روزی کمانے کے ایسے طریقے بتائے جن کی افادیت آج بھی پوری دنیا میں مسلم ہے اور خوشی کی بات تو یہ ہے کہ دنیا جب یہود و نصاری کی چیرہ دستیوں سے باخبر ہوئی اور اسلام کے فرحت بخش دستور سے آشنا ہوئی تو مسلم اور غیر مسلم ہر دو ممالک میں یوروپین بینکوں کے مقابلے اسلامی بینک کی مانگ بڑھنے لگی ہے۔ جیسا کہ خود وطن عزیز کی ایک رپورٹ جو ابھی چند سالوں پہلے شائع ہوئی تھی۔

’’ملک میں اسلامک بینک شروع کرنے کی کوشش گزشتہ کئی سالوں سے جاری ہیں ۔سال ۲۰۰۸ء میں پہلی مرتبہ اس وقت کے ریزروبینک آف انڈیا کے گورنر ڈاکٹر رگھورام راجن نے اسلامک بینک کی سفارش کی تھی۔ اب ریزروبینک آف انڈیا نے تمام عام بینکوں میں اسلامک ونڈوز شروع کرنے کی وزارت خزانہ کو سفارش کی ہے۔‘‘

## کرنسی نوٹ کے مسائل:

امام احمد رضا کے بینکنگ کے نظریے کو سمجھنے کے لیے آپ کے اس معرکۃ الآرا رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے جو نوٹ کے مسائل پر مشتمل ہے۔اس رسالے کا عربی نام ہے ''**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**'' یہ وہ رسالہ ہے جسے آپ نے 1324ھ/1905ء میں اپنے دوسرے سفر حج و زیارت کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ایک روز اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرمایا تھا۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ حنفی امام احمد شیخ عبداللہ میرداد بنشیخ الخطباء، شیخ احمد ابوالخیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ سے متعلق آپ کی خدمت میں بارہ سوالات پیش کئے تھے۔مثلاً

۱۔کاغذ کے یہ نوٹ مال ہیں یا سند مال؟

۲۔جب یہ نوٹ بقدرِ نصاب ہوں تو زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

۳۔نوٹ کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۴۔ اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرالے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

امام احمد رضا نے تمام سوالوں کا ایسا تسلی بخش جواب دیا کہ فقہائے حرم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں،امام احمد رضا کے تفقہ اور جزئیات پر ان کی گرفت نے انھیں حیرت کے سمندر میں ڈال دیا۔تمام فقہا نے آپ کے جواب کی تائید کی،مسرت کا اظہار کیا اور آپ کے علم وفن کی قدردانی میں آپ سے سند فقہ و حدیث کے حصول کی گزارش کی جسے آپ نے قبول کر کے بہتوں کو سرفراز فرمایا۔

اس وقت کے موجودہ علما و فقہا میں امام احمد رضا کی ہی شخصیت تھی جس نے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل فرمایا اور کرنسی نوٹ کے جواز کا فتویٰ دے کر مسلمانان عالم کے ذہنی اور فکری خلجان کو دور فرمایا۔

یہ رسالہ مکہ معظّمہ میں عربی میں تحریر کیا گیا جس کا اردو ترجمہ امام احمد رضا کے بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں قدس سرہ نے کیا۔

اس عظیم الشان رسالہ میں امام احمد رضا نے کس طرح سے اپنی فکری بلند پروازی اور خداداد صلاحیت کا استعمال کیا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

امام احمد رضا رقم طراز ہیں:

''نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے، تالیفاتِ علما میں اصلاً اس کا نشان نہ پایئے گا، یہاں تک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا؛ مگر ہمارے اماموں نے (اللہ اُن کی کوشش ٹھکانے لگائے) ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بے شمار جزئیوں پر منطبق آئیں۔ آپ کا پہلا سوال سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو سب احکام واضح ہو جائیں گے، جن میں کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مالِ متقوم ہے اور اس سکہ (مہر چھپائی) نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف بڑھ گئیں اور وقتِ حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کے لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنیٰ ہیں۔ یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم کہ شرعِ مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے، جیسا کہ شراب و خوک (خنزیر) کے بارے میں نہیں وارد ہوئی اور مال کی قیمت والے (متقوم) ہونے کا اسی پر مدار ہے، جیسا کہ ردّالمحتار، میں ہے اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا:

المال مامن شانه ان یوخر الانتفاع وقت الحاجة والتقویم یستلزم المالیة۔

ترجمہ: مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لیے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے۔

اور اسی میں بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے:

: "المال اسم لغیر الادمی وامکن احرازه والتصرف فیه علی وجه الاختیار"

مال آدمی کے سوا ہر شئے کا نام ہے، جو آدمی کی مصلحتوں کے لیے پیدا کیا گیا اور اس قابل ہو کہ محفوظ رکھیں اور با اختیار خود اس میں تصرف کریں۔(٦)

اس کے بعد فتح القدیر سے ایک جزئیہ نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے کاغذ کے

ٹکڑے کو ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے کہ امام نے پانچ سو برس قبل فرمایا تھا جو آج صادق آرہا ہے، کیوں کہ نوٹ ہی کاغذ کا وہ ٹکڑا ہے جو ہزار کا بکتا ہے، انہیں کے لفظوں میں:

اور بے شک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

**لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ**۔ اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیق کیجیے تو بِعَیْنِہٖ یہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ امام نے اس (نوٹ) کی پیدائش سے پانچ سو برس پہلے فرما دیا کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبا نہیں، ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔ اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے۔ آمین۔

## فلاح امت کے رہ نما خطوط:

منشی حاجی لعل محمد نے سلطنت عثمانیہ کی امداد اور مسلمانوں کے حال زار کے تعلق سے ایک استفتا آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس استفتا کا جواب آپ نے جس مدبرانہ اور مفکرانہ انداز میں دیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ وہ پورا جواب فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے۔ نیز رسالہ ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' کے نام سے ہندو پاک سے متعدد بار اردو کے علاوہ کئی عالمی زبانوں میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ رسالہ کی ایک ایک سطر سے ملت کی غم خواری، مستقبل شناسی، قوم مسلم کی فلاح و بہود، عالمی سطح پر مسلمانوں کی عظمت کا پھریرا، سیاسی غلبہ، معاشی استحکام غرضیکہ اس چند ورقی رسالہ میں آپ نے امت مسلمہ کی کامیابی و کامرانی کی ایسی کلیدیں جمع فرما دیں ہیں جو ہر دور اور ہر زمانے میں ملت کے عروج و سربلندی کے لیے ضروری ہیں۔ افسوس مسلمانوں نے اس بوریہ نشیں درویش کی فغان دل گیر کی طرف نہ ماضی میں توجہ مبذول کی اور اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد نہ اب تک اس طرف کامل توجہ دی جارہی ہے جب کہ مخالفین اسلام اس فلسفہ کو اپنا کر اپنی قوم کی چوطرفہ ترقی کی راہیں کشادہ کررہے ہیں۔ اس رسالہ میں امام احمد رضا نے جو چار نکات پیش فرمائے ہیں ان پر سرسری نظر دوڑائیے اور دیکھئے کہ اس مفکر کی نگاہ کتنی مستقبل شناس تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام

معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے۔ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ، وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہوئے اور ہوئے جاتے ہیں۔محفوظ رہتے۔

۲۔اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے، کہ گھر کا نفع گھر ہی رہتا۔ اپنی حرفت و تجارت کوترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ ضاعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اوراس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

۳۔ممبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لئے بینک کھولتے۔ سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انہیں فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے روز جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے۔ اگر مدیون کی جائیداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

۴۔سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سبکی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے سے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا۔ چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے سے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرانا۔ انا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

گو چوتھا نکتہ تجارت یا بینکنگ نظام سے متعلق نہیں ہے لیکن قوم مسلم کے لیے اصل اور اہم نکتہ یہی ہے۔ مسلمانوں کا حقیقی معنی میں مسلمان بن کر رہنا نہایت ضروری ہے۔ دین سے بے بہرہ ہوکر مسلمان دنیوی ترقی بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی وقار کی زندگی گزار سکتا ہے۔ دین سے وابستہ رہ کر جو دنیوی ترقی حاصل ہوتی ہے وہی اصل ترقی اور کامیابی و کامرانی ہے۔ غلبہ اسلام کے ساتھ زندگی گزارنے ہی میں عزت و وقار ہے۔ دین علم دین سے وابستہ ہے اور علم دین مسلمانوں کے لیے زندگی کے ہر موڑ اور ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ تجارت میں بھی

علم دین سے واقفیت ضروری ہے تا کہ مسلم تاجر حلال اور حرام کی تمیز کو قائم رکھ سکے۔( ۸ )

## قدرے جوہر شاہ داند یا بداند جوہری:

امام احمد رضا نے ان چند سطروں میں کس طرح سے معانی و مفاہیم کے سمندر کو کوزے میں سمویا ہے اس کا اندازہ لگانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اقتصادیات و معاشیات کے ماہر پروفیسر رفیع اللہ صدیقی کی نگاہ سے امام احمد رضا کی یہ تحریر جب گذری تو انھوں نے باقاعدہ ''فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' نام سے ایک نہایت جامع اور وقیع مقالہ قلم بند فرمادیا۔ڈاکٹرعبدالنعیم عزیزی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اس میں انہوں نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی علم معاشیات میں بصیرت، ان کے مسلم بینک کے قیام کے نظریہ کی تابانی، ان کی دور اندیشی اور تفکر و تدبر کو واضح کیا ہے اور یہ حقیقت عیاں کردی ہے کہ جب جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء بھی نہ ہوئی تھی اور بینکاری نظام کو مغربی ماہرین تجارت و اقتصادیات نے اس شدت سے محسوس تک نہ کیا تھا جو آج وہ عمل میں لا رہے ہیں، حضرت فاضل بریلوی نے اس سے تقریبا 25 سال قبل اپنے معاشی نکات اور بینکاری نظام کا نظریہ پیش فرما دیا تھا اور برطانیہ کے مشہور ماہر اقتصادیات جے ایم کینس (J.M. KENSES) کے مشہور زمانہ نظریہ ''روزگار و آمدنی'' کے پیش کرنے سے قبل اقتصادیات کی یہ مساوات ''پس اندازی، سرمایہ کاری'' اپنے اس چار نکاتی پروگرام کے نکتے کے ذریعے پیش فرمایا تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جے ایم کینس کو اس کے نظریہ ''روزگار و آمدنی'' پر تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا (1936) میں جبکہ 1912ء میں پیش فرمودہ معاشی و تجارتی نظریات کی طرف امام احمد رضا کی قوم نے دھیان تک نہ دیا۔ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی شدید رنج وقلق کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جبکہ 1912ء میں مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں جب کہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی

قائل نہ ہوں گے مولانا کی دور اندیشی کے؟ کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں؟ کینس کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے، اس بناء پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کر لی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خان بریلوی شائع کروا چکے تھے لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی'' (۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے بینکاری نظام کے نظریے کے بارے میں مزید تحریر کرتے ہیں ''1912ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی، کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی، نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں؟'' (۹)

عصر حاضر کے ایک دانشور برطانوی نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم نے اپنے چھ انگریزی مقالات کے توسط سے حضرت فاضل بریلوی کے اس چار نکاتی پروگرام کا جائزہ وسیع کینوس پر لیا ہے۔ انہوں نے ان چار نکات کے ذریعے امام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظریات کو اجاگر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ عہد رضا میں رضا کا یہ چار نکاتی فارمولہ قوم مسلم کی بحالی کا واحد حل تھا اور آج بھی یہی پروگرام ملت کی بحالی کی کلید ہے اور آئندہ بھی اس منصوبہ رضا پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر محمد ہارون کے ان انگریزی مقالات کا اردو ترجمہ کر کے ''امام احمد رضا کا 1912ء کا منصوبہ'' نام سے 1996ء میں شائع کیا ہے اور یہ ترجمہ کراچی سے بھی شائع ہو گیا ہے۔

اب پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اور ڈاکٹر ہارون صاحبان کے جائزوں سے الگ ہٹ کر ان چار نکات نیز رسالہ ''کفل الفقیہ الفاہم'' (اردو ترجمہ) کی روشنی میں امام احمد رضا کے

تجارتی اور بینکاری نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

تجارت کے لیے سرمایہ اور تجارتی اشیاء دونوں لازمی ہیں۔تجارتی اشیاء کے لئے زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔زمین سے ہی غلہ، پھل، پھول، سبزی نیز دیگر خام مال، جیسے کپاس، مختلف قسم کی دھات وغیرہ اور پھر خام مال وہ زمین سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور ذریعے سے اس کی تیاری اور اس سے مصنوعات بنانے کے لئے صنعت وحرفت ضروری ہیں۔سرمایہ کے حصول کا ایک ذریعہ نجی ہے یعنی آدمی کے پاس خود کاروبار کے لیے ضروری سرمایہ ہو، جیسے ظاہر ہے اس نے پس انداز کر کے ہی جمع کیا ہوگا یا پھر دوسرا ذریعہ ہے قرض اور ظاہر ہے مہاجن سے قرض تباہی کا باعث بھی ہے اور سود کی لعنت میں بھی گھیرنے والا۔تیسرا طریقہ بینک سے قرض لیکن یہ اگر آج کی طرح گورنمنٹ بینک سے قرض لیا جاتا ہے تو انٹرسٹ یہاں بھی دینا ہوتا ہے اور یہ بھی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ اس بوجھ کو برداشت کر سکے۔اب آیئے مسلمانوں کی تجارت، صنعت وحرفت اور بینکاری نظام کو امام احمد رضا کے نکات کی روشنی میں دیکھیں کہ کس طرح مسلمانوں کو سود کی لعنت، مہاجن سے قرض کی تباہی اور نوکری کرنے یا نوکری تلاش کرنے وغیرہ جیسی زحمتوں سے امام نے بچے رہ کر آزاد اور خوش حال بنے رہنے کا فارمولا عطا کیا ہے۔

**پہلا نکتہ ہے...** ''ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تا کہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں''

اس نکتے میں ایک تو فضول خرچی کی مذمت ہے جو بذات خود ایک لعنت ہے۔ دوسرے مقدمہ بازی وغیرہ سے روکنے اور معاملات کو باہم فیصل کرنے میں آپس میں میل محبت یعنی قومی اتحاد کا درس بھی ہے اور الجھنوں سے بچتے ہوئے ذہنی سکون کے حصول کا راستہ بھی۔ امام نے اس نکتے کے ذریعے ''پس اندازی'' کا جو نظریہ واضح کیا ہے وہ جدید اقتصادیات کی جان ہے۔علم معاشیات کی رو سے سرمایہ کاری بچت ہی کے ذریعے ممکن ہے یعنی بچت۔سرمایہ کاری مسلمانوں کی یہ بچت انفرادی طور سے بھی ہر ایک کے لیے فائدہ مند ہے اور مجموعی طور سے پوری قوم کے لیے اور یہی قومی سرمایہ افراد قوم کے کاروبار میں کام

آ سکتا ہے۔ انہیں قرض دے کر لیکن اس قومی سرمایہ کے لئے مسلم بینک کا قیام بھی ضروری ہے اور اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کر کے اسے گردش میں رکھے گا۔ ہر ایک کے کام آئے گا اور سرمایہ دارانہ ذہنیت رفتہ رفتہ ختم ہوگی اور سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت نہیں ملے گی اور یہی سبب ہے کہ اس نکتہ اول میں بچت کی ہدایت کرتے ہوئے نکتہ سوم میں امام نے تونگر مسلمانوں سے بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدر آباد وغیرہ میں اسلامی بینک کے قیام کی اپیل کی تھی۔ امام نے اس نکتے میں یہ بھی صاف فرمادیا ہے کہ ''آئے روز جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے'' مسلمان حکومتی بینک میں جو رقم جمع کرتا ہے اس سے اس کی قوم کو برائے نام فائدہ پہنچتا ہے اور دوسری قومیں پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اپنے اسلامی بینک میں اپنی رقم جمع ہوتی تو بھلے منافع اتنا ہی یا اس سے کم بھی ملتا، لیکن اپنا سرمایہ اپنوں کے کام آتا اور پوری قوم معاشی طور سے مستحکم ہوتی۔

دوسرے نکتہ میں امام احمد رضا نے یہ کہہ کر ''اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹاک بھر تانبا کچھ صاعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں'' تجارت کا زریں اصول مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے، یا یوں کہئے کہ تجارت کی روح نکال کر پیش کردی ہے۔

ا۔ مسلمانوں کو صرف اپنی ہی قوم سے خریداری کی تلقین کی ہے تا کہ اپنی رقم اپنوں ہی میں جائے لیکن دوسروں کو اپنا مال بیچنے کی پابندی نہیں لگائی ہے یعنی اگر اپنوں میں مال کی کھپت نہ ہوسکے تو دوسروں کو فروخت کرسکتے ہیں۔ تا کہ ان کی رقم اپنے پاس آئے۔ آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنا خام مال دوسروں کو بالخصوص دوسرے ممالک کو ان کے کسی سامان یا مصنوعات کے بدلے نہ دیا جائے یعنی درآمد نہ کیا جائے البتہ اپنی مصنوعات کی برآمد کی جاسکتی ہے یعنی ایکسپورٹ اور اس طرح زرمبادلہ میں اضافہ ہوگا یعنی قومی معیشت میں اضافہ ہوگا اور اسے استحکام حاصل ہوگا۔ اپنوں ہی میں کاروبار کا نظریہ دراصل نظریہ تامین ( View

(Point of Protection) ہے اور تامین اس لیےضروری ہے کہ ملک کی دولت یا قومی سرمایہ ملک وقوم ہی میں رہے۔ اس سے روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی یا ملی وقومی محبت کے فروغ کا باعث ہے۔ امام کے اسی نکتے پر برسوں بعد یورپین نے عمل کیا اور یورپین نے مشترکہ منڈی قائم کی جس میں انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور معاشی استحکام کی بدولت انہیں سیاسی استحکام بھی حاصل ہوا۔

۲۔ ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا کی نگاہ اس پر بھی تھی کہ آج جو مسلم رؤسا نوابی اور زمینداری کے نشے میں چور ہیں، اگر کل یہ چھن گئیں تو یہ ناکارہ محض ہوکر رہ جائیں گے اور پسپا قوم ان پر پوری طرح حاوی ہوجائے گی۔ آخر زمانے نے دیکھا کہ ہند کی آزادی اور ملک کی تقسیم کے بعد جب یہ ریاستیں ختم ہوئیں اور زمینداری ٹوٹی تو غیر مسلم راجاؤں اور زمین داروں نے کمپنیاں اور فیکٹریاں قائم کرلیں لیکن مسلمانوں میں شاید ہی معدودے چند کاروبار یا تجارت کے میدان میں آتے ہیں۔

عہد امام احمد رضا میں اس سے پہلے اور آج بھی ہر طرح کی حرفت اور کاریگری مثلاً کپڑا سازی (ہر طرح کا کپڑا سازی، تہبند، رومال، دری، قالین، کشمیری شال وغیرہ) کپڑوں کی رنگائی و چھپائی، دباغت (چمڑا سازی) ادویات سازی، عطر سازی، روغن سازی، سرمہ سازی، لکڑی کے فرنیچر، ہر طرح کی برتن سازی، سونے چاندی کے کام، شیشے کے کام، ہیرے اور پتھر تراشنے کے کام اور بہت سارے حرفت و کاریگری نیز الیکٹریکل و مکینیکل (بجلی ومکینک والے کام) امور میں بھی مسلمان کاریگر یا مستری کافی آگے تھے۔ اگر وہ اپنی انڈسٹری قائم کرتے، کاریگری کے کاموں میں انہیں سرمایہ فراہم کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تو ہر طرح کی تجارت اور انڈسٹری پر مسلمان ہی چھائے رہتے اور دوسرے لوگ ان مسلم کاگیروں کا استحصال نہ کرسکتے تھے۔ آج مسلم کاریگروں کا یہی حال ہے۔ ان کی محنت، ذہانت اور کاریگری کا دوسری قومیں استحصال کررہی ہیں اور ان کے حصے میں صرف مزدوری آتی ہے اور بے چارے ایسے عالم میں استعمال ہونے اور اپنا استحصال کرانے کیلئے مجبور ہیں۔

امام نے مسلم صنعت کاروں کے سرمایہ کے لئے اپنے دو نکات بچت کرنے اور بینک کے قیام میں پوشیدہ کردیا تھا۔ کاش اس پر سے پردے اٹھائے جاتے اور امام کے نکات پر

عمل کیا جاتا تو آج عالم ہی کچھ اور ہوتا۔ امام احمد رضا کے 1912ء منصوبہ کی خوبی یہ ہے کہ اس پر کسی بھی ملک (مسلم ملک یا سیکولر اسٹیٹ) میں آج یا مستقبل میں (کسی بھی عہد میں) عمل پیرا ہوکر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اب امام احمد رضا کے غیر سودی اسلامی بینک سے نفع حاصل کرنے کے چند طریقے بھی ملاحظہ کریں۔

امام نے اپنے نکتہ سوم میں صاف لکھ دیا ہے کہ ''سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے۔ مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ ''کفل الفقیہ الفاہم'' میں چھپ چکا ہے۔

ا۔ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے۔ اس نے چاہا کہ دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک۔ علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا (قاضی خان ۴۰۶ / ۲ مطبوعہ نول کشور لکھنو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انتہیٰ اور اسی طرح بحر الرائق میں بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے'' (ص ۲۹-۲۸ اردو ترجمہ)

اسی طرح اور بھی طریقے بیان فرمائے ہیں۔ اس طرح کے حیلہ کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے عینہ کو جائز کہا ہے اور اس پر ثواب بھی بتایا ہے، اس لئے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے، مثلاً

۲۔ نوٹ کی بیع کم زیادہ کو جائز ہے۔ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں

''ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے، اس کا بیچنا جائز ہے'' (۱۰)

۳۔ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بلکہ ایک ہزار اشرفیوں کو بیچنا جائز ہے (۱۱)

اب اگر مسلم بینک قائم کیا جائے اور کھاتہ داروں کی جمع کردہ رقم پر امام احمد رضا کے بتائے ہوئے شرعی حیلوں سے زیادہ رقم دی جائے تو جائز ہے۔ لہذا مسلم بینک کے ذریعے بچت کھاتہ اور ایک مخصوص مدتی رقم فکسڈ ڈپازٹ پر نفع دیا جاسکتا ہی اور جمع شدہ سرمایہ سے

مسلم تاجروں اور صنعت کاروں کو قرضے بھی نفع پر دیئے جاسکتے ہیں اور اس طرح مسلم تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ دے کر قومی معیشت مستحکم کی جاسکتی ہے اور مسلمان حکومت یا کسی اور کے آگے نوکری کے لئے گڑگڑانے کے بجائے خود تجارت، اپنی ہی فرموں اور انڈسٹریوں میں ملازمت کرسکتا ہے اور اپنی کاریگری، صلاحیت اور محنت کو زیادہ بہتر طریقے سے زیادہ خوشحالی کے ساتھ بروئے کار لاسکتا ہے۔ رسالے میں امام احمد رضا نے یہ بھی لکھا ہے کہ خرید وفروخت میں کوشش کرنا سنت ہے(۱۲)

امام احمد رضا قوم کو کفر وشرک کی ہر جکڑ سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو معاشی طور پر مضبوط ہوکر سیاسی اور سماجی اعتبار سے مضبوط اور طاقت ور ہونے کی تلقین کی ہے اور یہ تجارت اور صنعت وحرفت ہی کے ذریعے ممکن ہے

## شیئر بازار:

کاروباری دنیا میں شیئر بازار کا چلن بھی اہل ثروت حضرات سے پوشیدہ نہیں ۔اس کاروبار کے ذریعے بھی لوگ وارے نیارے ہوتے ہیں۔شیئر بازار بھی دولت کمانے کا ایک آسان اور بہترین ذریعہ ہے۔مشترکہ سرمایہ کمپنی یا شیئر بازار کا تعارف کراتے ہوئے علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور لکھتے ہیں:

یہ طریقہ تجارت اب بہت عام ہوگیا ہے، چوں کہ عموماً یہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو دین وشریعت کی قیدوں سے آزاد رہتے ہیں بلکہ کسی دین سے صحیح طور پر وابستہ ہی نہیں رہتے اس لیے وہ کمپنی کے لیے جو اصول وضوابط وضع کرتے ہیں ان میں شرعی حلت وحرمت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہوتا۔ مادی منفعت اور اس کی جانب زیادہ سے زیادہ افراد کو مائل کرکے وسیع پیمانے پر نفع اندوزی ہی ان کا اصل مطمح نظر ہوتا ہے۔(۱۳)

شیئر بازار کے تعلق سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا جو موقف تھا وہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے ۔مگر موجودہ دور میں اس میں قدرے تفصیل ہے پہلے امام اہل سنت کا جواب ملاحظہ ہو اس کے بعد کمپنی کے موجودہ قوانین اور شرعی اصول وضوابط کی روشنی میں علمائے کرام کی تحقیقات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

امام اہل سنت احمد رضا خاں قدس سرہ کے دور میں شیر بازار کا جو طریقہ تھا اس کے بارے میں

جب آپ سے سوال ہوا تو حسب ذیل حکم شریعت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا:
''ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے اور مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے۔ پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے، وہ بھی حرام ہے۔ غرض یہ معاملہ حرام در حرام، محض حرام ہے۔ حصص کی قیمت شرعا کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں یا مال جتنا اس کا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔ (۱۴) (فتاوی رضویہ ص ۱۱۲، ج ۷، باب الربوا)
اس پر مفتی شمس الہدیٰ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور لکھتے ہیں:
فی زماننا یہاں جو کمپنیوں کے حصص کا لین دین ہوتا ہے ظاہر ہے کہ وہ بیع صرف نہیں، کیوں کہ وہ روپوں سے نہیں، بلکہ کاغذی نوٹوں سے ہوتا ہے اور بیع صرف، صرف نقدین (سونا، چاندی) ہی میں جاری ہے۔ اسی طرح اعلی حضرت رحمۃ اللہ کے زمانے میں اس لین دین کے جو اصول تھے اس کے مطابق جواب ارشاد ہوا بہت ممکن ہے کہ بروقت اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں ہوگئی ہوں، جس میں جواز کے پہلو جھلکتے ہوں۔ (۱۵)
محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین مصباحی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے اس حوالے سے اپنی جو تحقیق کی ہے اسے عصر حاضر کے تناظر میں مجلس شرعی، مبارک پور میں کے سیمنار میں انھوں نے پیش کیا تھا اس کی روشنی میں شیئر بازار میں کاروبار کے تعلق سے موجودہ تحقیق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مفتی صاحب قبلہ فرماتے ہیں۔
یہاں یہ امر واضح رہے کہ کمپنیوں کے آئین میں بارہا ترمیم ہوئی ہے، آج کے زمانے میں ۱۹۵۶ء کا ترمیم شدہ قانون جاری ہے جس کے مطابق کمپنی اپنے حصے داروں کی وکیل عام ہوتی ہے، جس کے عموم میں وکالت قبض بھی داخل ہے لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عہد میں یقینا ۱۹۵۶ء سے پہلے کا قانون نافذ تھا، تو ممکن ہے اس زمانے میں کمپنی کی حیثیت صرف وکیل بیع وشرا کی ہو، وکیل عام کی نہ ہو، اور سوال میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ اس زمانے میں بھی کمپنی کی حیثیت وکیل عام کی تھی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عہد کے لیے توجیہ نہیں کی جا سکتی کہ مبیع پر کمپنی کا قبضہ ہوگا کہ وہ مشتری کی وکیل عام

ہے۔ نیز یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ مفتی کا جواب سوال کے مطابق ہوتا ہے، خود مجدد اعظم فرماتے ہیں: دار الافتا دار القضا نہیں، یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی۔ صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۲، ج: ۷)

''علمائے کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال میں ذکر ہوا سے صحت پر محمول کر کے جواب دیا جائے''۔ (ایضا ص ۲۸۳، ج ۷) ''مفتی اسی پر فتویٰ دے گا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا''۔ (ایضا) اور سوال میں کمپنی کے نظام کار کی جو تفصیل مرقوم ہے اس میں کمپنی کے وکیل قبض ہونے کی کوئی صراحت یا اشارہ نہیں ہے اس لیے اس سوال کا جواب بس یہی تھا کہ یہ عقد ناجائز ہے کیوں کہ تقابض بدلین نہ ہوا۔ لیکن آج جب کمپنی کے آئین سے یہ شہادت فراہم ہو چکی ہے کہ وہ اپنے حصے داروں کی وکیل قبض بھی ہوتی ہے تو اب تقابض بدلین نہ پائے جانے کی قباحت مرتفع ہو گئی۔ مختصر یہ کہ فتاویٰ رضویہ کے سوال کے رو سے کمپنی وکیل قبض نہ تھی اور مجلس شرعی کے سوال کی رو سے وکیل قبض ہے، بلفظ دیگر کل صورت مسئلہ کچھ اور تھی، اور آج کچھ اور ہے، لہذا حکم میں اختلاف یا تبدیلی لازمی ہے۔

علاوہ ازیں آج یہ حیلہ بھی جاری ہو سکتا ہے کہ عاقدین ثمن والے نوٹ کو متعین کر کے اور متاع بنا کر اسے مبیع قرار دیں اور کمپنی کے قبضے میں جو نوٹ ہے اسے ثمن ٹھہرا لیں، تو یہ ادھار بیع ہو گی جو بلا شبہ جائز ہے، لیکن روپئے والے مسئلہ میں یہ حیلہ ناممکن ہوگا، کیوں کہ روپے ثمن خلقی ہیں نہ انہیں متعین کیا جا سکتا، نہ ان کی ثمنیت باطل ہو گی، نہ وہ کبھی متاع ہوں گے۔ لہذا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عہد میں اس حیلے سے بھی بیع حصص کو جائز نہیں قرار دیا جا سکتا تھا اور آج اس میں کوئی دشواری نہیں۔

یہی وہ متعدد فروق ہیں جن کے باعث آج کے زمانے میں تو بیع حصص جائز ہے لیکن مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ناجائز تھی۔ اور بلا ریب یہ فروق حالات زمانہ کے تغیر کی وجہ سے ہی رونما ہوئے۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ کجاست تا بہ کجا

ہاں! اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے قرض پر نفع کو سود و ناجائز قرار دیا ہے، اس سے ہم بھی سر مو انحراف نہیں کرتے۔

آپ نے کمپنی کے جاری شدہ حصص کو بے قیمت مانا ہے،ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ کمپنی قرض دے کر نفع وصول کرے تو اس سے مساواتی حصص کی شرکت پر کوئی اثر نہ پڑے گا ورنہ اعلیٰ حضرت اسے ضرور ذکر فرماتے۔

اس تشریح وتجزیہ سے یہ امور منقح ہو کر سامنے آئے:

ا۔مجدد اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی کی شرکت جائز ہے،اس سے حاصل شدہ نفع حلال ہے،حتی کہ اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

۲۔ان حصص کی بیع وشرا اگر یوں ہو کہ نوٹ کی بیع نوٹ کے بدلے میں ہو یا متاع کی بیع نوٹ کے بدلے میں ہو تو یہ بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے۔

لہذا آج کے حالات میں بیع حصص کے عدم جواز پر اعلیٰ حضرت کے فتویٰ مجوشہ سے استناد بجا نہیں۔(۱۶)

مفتی صاحب قبلہ کی تحقیق کی روشنی میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی روشنی میں بھی بعض صورتوں میں شیئر بازار میں حصہ لینا درست ہے۔مگر اس وادی میں داخل ہونے سے پہلے اپنے قلب وجگر کو مضبوط کر لینا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنی چال چل جائے اور بندہ جائز کے ساتھ ناجائز دنیا کی چکا چوند میں پھنس جائے۔اللہ رب العزت اپنے حفظ وامان میں جگہ عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو رزق حلال ہی کھانے اور طلب وجستجو کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

## ماخذ ومراجع:


[ا]فتاویٰ رضویہ،قدیم ج ۷،ص ۲۱۷،جدید ج ۱۷،ص ۴۹۳،کفل الفقیہ الفاہم

[۲]امام احمد رضا صدی نمبر ص ۳۔۳۰۲،دوماہی رضائے مدینہ جمشید پور مطبوعہ نومبر ۲۰۱۸ء

[۳]اسلام،جدید معیشت وتجارت،صفحہ ۱۱۰

[۴]اسلام،جدید معیشت وتجارت،صفحہ ۱۱۰

[۵]امام احمد رضا صدی نمبر ص ۴۔۳۰۳،دوماہی رضائے مدینہ جمشد پور مطبوعہ نومبر ۲۰۱۸ء

[۶]الفتاوی الرضویّۃ،ج ۷،ص ۱۲۸،رسالہ کفل الفقیہ الفاہم

[۷]فتاویٰ رضویہ،ج ۷،ص ۱۲۷ تا ۱۲۹،کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

[۸] فاضل بریلوی کے معاشی نکات، از پروفیسر رفیع الدین صدیقی، سالنامہ معارف رضا کرای، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۱ء

[۹] فاضل بریلوی کے معاشی نکات، از پروفیسر رفیع الدین صدیقی، سالنامہ معارف رضا کرای، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۱ء

[۱۰] کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، ص: ۵۷

[۱۱] ایضاً ص ۶۱

[۱۲] ایضاً ص ۷۵

[۱۳] صحیفہ مجلس شرعی۔جلد دوم، ص: ۵۳۔۵۲

[۱۴]

[۱۵] صحیفہ مجلس شرعی۔جلد دوم، ص: ۱۳۰

[۱۶] صحیفہ مجلس شرعی، جلد دوم، باب: ۱، مشترکہ سرمایہ کمپنی، ص ۱۱۸

★★★

# امام احمد رضا۔ مجددعلم معاشیات

{پروفیسر عبدالمجید صدیقی، پرنسپل حاجی سعید احمد سردار آرٹس اینڈ کامرس کالج، مالیگاؤں}

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

☆''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضامند کا ہو۔''(سورۂ النساء:۹۹، کنز الایمان)

☆''اور فضول نہ اڑا۔ بے شک اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

(سورۂ بنی اسرائیل:۲۶۔۲۷)

☆''اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور تییموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں اور گردنیں چھڑانے میں۔''(سورۂ البقرہ:۱۷۷)

☆''وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑاے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود، تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی، اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جواب ایسی حرکت کرے گا وہ تو دوزخی ہے، وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔ اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔''

(سورۂ بقرہ: ۲۷۴۔۲۷۵)

☆''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود، اگر مسلمان ہو۔''

(سورۂ بقرہ:۲۷۷)

☆''پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔'' (سورۂ بقرہ:۲۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''بسا اوقات فقر واحتیاج کفر کا سبب ہوتا۔'' اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے مطابق حضور یہ دعا فرماتے تھے کہ''اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں پناہ چاہتا ہوں کفر سے اور

فقر سے۔‘‘(نسائی)

چنانچہ شریعت اسلامیہ نے سوداور فضول خرچی سے بچنے ،اپنا عزیز مال مستحقین پر صرف کرنے اور فقر واحتیاج سے پناہ مانگنے کی ترغیب دی ہے۔

آج بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشی حالت عموعی طور پر اطمینان بخش نہیں ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر ہندستانیمسلمانوں کی مالی حالت تشویشناک حدتک کمزور ہے۔آزادی کے بعد سے جہاں عام ہندوستانیوں کی مالی حالت میں خاطر خواہ حدتک سدھار ہوئی ہے(حتیٰ کہ پسماندہ ذاتیں بھی ملک کی معاشی ترقی سے فیضیاب ہوئی ہیں )وہیں مسلمان معاشی ترقی کے میدان میں جہاں کھڑے تھے یاتو وہ وہیں ہیں یا پھراور پیچھے ہوگئے ہیں ۔دانشوران ملت نے مسلمانوں کی اس تشویشناک حالت پر وقتاً فوقتاً اظہار خیال بھی کیا ہے۔پچھلے دنوں حکومت ہند نے مسلمانوں کی معاشی ،تعلیمی اور سماجی حالات کا جائزہ لینے کے لیے سچر کمیٹی نے اس ضمن میں اپنی جو رپورٹ پیش کی ہے اس نے کوئی نئی بات نہیں پیش کی ہے۔اس کمیٹی نے توصرف ان باتوں پر مہر توثیق ثبت کی ہے جن کا اظہار دانشوران ملت اب تک کرتے آرہے تھے۔

اعلیٰ حضرت نے علم معاشیات پر جب جب بھی قلم اٹھایا ہے اپنے زمانے سے آپ بہت آگے نظرآتے ہیں۔اس زمانے کی آپ کی تحریریں مستقبل میں ترتیب دیے ’’علم معاشیات‘‘ کے اصول پر کھری اترتی نظرآتی ہیں۔علم معاشیات پرآپ کی تحریروں کی جامعیت آپ کے مجددانہ وصف کی غماز ہیں۔ میرا یہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے۔آئندہ سطور میں اس کی وضاحت ہوجائے گی،ان شاء اللہ۔

اعلیٰ حضرت نے علم معاشیات کے جن پر عنوانات پرقلم اٹھایاہے۔آیئے پہلے اس فہرست پر ایک نظر ڈال لی جائے مثلاً:(۱)احکام الا حکام فی التناول من ید من مالہ حرام (اس تحریر میں مال حرام کے ساتھ معاملات اوران کے نقصانات کی تفصیل ہے)(۲)افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان (ہندستانی زمین کی پیداوار)پرشرعی وظیفہ کیا ہے۔(۳) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (جس میں کرنسی نوٹ کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے)(۴) خیر الآ مال فی حکم الکسب والسوال (روزی کمانے ،معاش کے حاصل کرنے اورسوال کرنے کے احکام کاذکر ہے)(۵)’’سودایک بدترین جرم‘‘نامی کتاب میں اعلیٰ حضرت کے افادات

(فرمودات) کو یکجا کیا گیا ہے۔(٦)المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (اس مضمون میں تجارتی وبنکاری نظام پر روشنی ڈالی گئی ہے)

ان تحریرات میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے عصری مسائل کا حل پیش کرنا اعلیٰ حضرت جیسے ''مجدد عصر'' سے ہی ممکن ہے۔

شریعت کا تھوڑا سا بھی علم رکھنے والا ایسا کون مسلمان ہوگا جو سود کی حرمت سے ناواقف ہوگا۔قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کے واضح احکامات جا بجا نظر آتے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے فتوؤں میں سود کو بالکل صاف حرام قرار دیا ہے۔اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''پانچ سو روپے پر پچیس روپے سالانہ زائد لگانا حقیقی سود ہے'' آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں سودی لین دین کو قطعی حرام فرمایا ہے، نیز اس پر وعیدوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شریعت نے قرض دار سے اصل زر سے زائد رقم وصول کرنے کو سود قرار دے کر اس سے بچنے کی تاکید کی ہے لیکن سود سے بچتے ہوئے زیادہ لیں اور سود بھی نہ ہو ، یہ راستہ ایک مجدد دین ہی بتا سکتا ہے۔حلیۂ شرعی کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی یہ تحریر پڑھیے اور داد دیجیے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:''ایک شخص کے دوسرے پر دس روپئے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک ۔علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدے پر ۱۳/ کی بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی (اجازت دی ہے)۔۔۔۔۔(بحوالہ قاضی خاں ۴ -۲ /۲مطبوعہ نول کشور لکھنو)۔۔۔۔۔۔اسی طرح بحر الرائق میں بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمتہ اللہ علیہ سے مروی (ص ٦٨۔٦٩،اردو ترجمہ) ہے کہ اس طرح کے حیلے کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے اور حضرت امام ابو یوسف نے عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا ثواب بھی بتایا کہ یہ سود (حرام) سے بھاگنا ہے۔' اب اگر مسلم بنک قائم کرکے اور کھاتے داروں کی جمع کردہ رقم پر اعلیٰ حضرت کے بتائے اصولوں پر عمل کرکے شرعی حیلوں سے زیادہ رقم دی جائے تو جائز ہے۔

ایک دوسرے فتوی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ''نوٹ کی بیع کم زیادہ جائز ہے''۔۔۔۔۔ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے

اس کا بیچنا جائز ہے۔

مزید ایک جگہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ایک روپیہ، ایک اشرفی کو بلکہ ہزار اشرفیوں کو بیچنا جائز ہے" آج بھی سعودی عربیہ میں ہندستانی حجاج کرام روپے سے ریال خریدتے ہیں جس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر بازار میں یکساں رہے۔

کرنسی کے بارے میں مجدد عصر اعلیٰ حضرت کے اس Approach کو ملاحظہ فرمائیں جس نے ملت کی ایک بڑی تعداد کو آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ وظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"

حرم شریف کے حنفی امام شیخ عبداللہ مرداد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابوالخیر رحمہا اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک سوالنامہ پیش کیا تھا جب آپ دوسری بار حج کے لیے حرمین شریفین پہنچے تھے اور آپ کے پاس حوالوں کے لیے کوئی کتاب بھی نہیں تھی۔ سائل (علیہ الرحمہ) کا پہلا سوال تھا کہ کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

اعلیٰ حضرت کا جواب تھا نوٹ قیمتی مال ہے، رسید نہیں۔ (یہ دستاویز کی طرح کوئی سند بھی نہیں ہے۔) آپ نے درج ذیل وجوہ کی بنا پر اسے قیمتی مال قرار دیا۔

(۱) لوگ اس میں رغبت رکھتے ہیں کیوں کہ یہ بذات خود ایک قیمت رکھتا ہے۔ (۲) وقت حاجت کے لیے اٹھار کھنے کا یہ زیادہ دہ لائق ہے۔ضرورت کے وقت اس سے نفع حاصل کرنے کے لیے اسے اٹھا رکھا جا سکتا ہے۔ نیز (۳) یہ بکتا ہے اور اسے مول لیا جاتا ہے۔ (۴) اسے ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں بھی آتا ہے۔ (۵) اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں۔

سائل (علیہ الرحمہ) نے کل بارہ سوالات ترتیب دیے تھے۔ جن میں سوال نمبر /۱ بنیادی سوال تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ نوٹ قیمتی مال ہے رسید نہیں۔ فتح القدیر کے حوالے سے آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار (روپے مثلاً) کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے نوٹ کے بارے میں ایک جزئیہ تھا۔

سائل کا ایک سوال تھا (سوال نمبر ۶) کیا اسے (کرنسی نوٹ کو) درہموں، دیناروں

اور پیسے کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟ آپ کا جواب تھا ہاں جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال نمبر ۸: کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اور اگر جائز تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا دراہم کے ساتھ؟

جواب: ہاں اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کے مثل سے ہوگی۔

سوال نمبر ۹: کیا اسے بطور ادھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تا کہ دین کے بدلے دین نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۰: کیا اس میں بیع سلم جائز ہے۔ مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع اور صفت معلوم ہو ایک مہینہ پیشگی درہم ادا کرے؟

جواب: ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۱: کیا نوٹ میں لکھی ہوئی روپوں سے زائد کے بدلے میں اس کی بیع جائز ہے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس یا اس سے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب: ہاں! اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۲: اگر یہ جائز ہے کیا یہ بھی جائز ہے کہ زید عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں، البتہ دس کا نوٹ تم سے بارہ روپے میں بیچتا ہوں ہر مہینے ایک روپیہ ادا کرتے رہنا؟ کیا اسے سود کا حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا اور اگر رو نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور وہ حرام؟ حالانکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی زائد مال وصول کرنا؟

جواب: ہاں جائز ہے۔ اگر واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا کیوں کہ یہ ایسا قرض ہے جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

حرمین شریفین سے جب آپ وطن لوٹے تو معلوم ہوا کہ علمائے دیوبند میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ نوٹ چیک ہے انھیں ان کے مثل کے ساتھ بھی بیچا نہیں سکتا گرچہ جائیکہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا جائے۔ آپ نے ۱۸/وجوہ سے ان کا رد کیا۔

مشہور عالم دین علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے فتویٰ دیا کہ نوٹ کو اس سے کم یا زیادہ رقم کے بدلے نہیں بیچا جا سکتا۔ آپ نے پندرہ وجود سے اس کا رد کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے رشید احمد گنگوہی اور علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی صاحبان کے فتوؤں کو رد فرمایا ہے۔ آپ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جب کہ ان دونوں صاحبان نے عدم جواز کا۔ اس اختلاف کے سبب کو سمجھنے اور علم معاشیات کی رو سے کون حق پر ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے کرنسی نوٹ کے ارتقاء کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

کرنسی نوٹ کوئی ایک اچانک وجود میں آنے والا Financial Instrument نہیں ہے۔ ابتدائی کرنسی نوٹ سے لے کر آج کی کرنسی نوٹ تک یہ کئی مرحلوں سے گزری ہے۔ آیئے اس کے مرحلہ وار ارتقائی تاریخ کا سرسری جائزلیں۔

**پہلا مرحلہ:** سترہویں صدی عیسوی کے وسط کی بات ہے لندن کے لومبارڈس اسٹریٹ میں لومبارڈس (تاجر) ایک بنچ پر بیٹھ کر قرض کے لین دینکا کاروبار کرتے تھے۔ زیادہ تر یہ لوگ یہودی تھے۔ جہاں لوگوں کو یہ قرض دیتے وہیں لوگوں سے وہ قیمتی اشیاء(valuable) مثلاً سونا، چاندی وغیرہ اپنے پاس محفوظ رکھنے کے لیے (Safe keeping) رکھ لیا کرتے تھے جس کے عوض وہ اتنی ہی قیمت کی رسید (Receipt) دیا کرتے تھے جس پر IPromise to pay the bearer the sum of .... درج ہوتا تھا، یہ جملہ آج بھی کرنسی نوٹ پر تحریر ہوتا ہے۔ سونا چاندی وغیرہ محفوظ رکھنے والے شخص (Depositor) کو جو رسید ملتی تھی اس رسید کو واپس کرتے تب ہی وہ اپنی قیمتی چیزیں یا رقم واپس لینے کا مجاز تھا۔ اس واپسی کے وقت اسے سروس چارج کے نام پر کچھ رقم لومبارڈ کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت جتنی مالیت کا سونا چاندی وغیرہ لومبارڈ کو ملتا تھا اتنی ہی مالیت کی رسید وہ جاری کرتا تھا گویا کہ ہر رسید کے پیچھے سو فیصد Backing ہوتی تھی۔

شروع میں اس کاروبار میں صرف لومبارڈس (مرچنٹس) ہی شریک ہوتے تھے۔ جلد یا بدیر ان کے ساتھ سنار (Gold Smith) اور دوسرے Money Lenders بھی شامل ہوگئے۔ اس طرح سے یہ ایک اچھا خاصا کاروبار بن گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس مرحلے تک Deposit کے عوض دی گئی کاغذ کی پرچی رسید (Receipt) ہی تھی۔

**دوسرا مرحلہ:** اس مرحلے میں Deposit جمع کرنے والوں نے محسوس کیا کہ ہر Depositor ہر وقت رسید دے کر اپنا Deposit واپس نہیں لے جاتا ہے۔ مشکل سے ۵-۴-۲ فیصد Depositor ہی اپنا Deposit واپس لے جاتے ہیں اور باقی قیمتی اشیا ویسے

ہی پڑی رہ جاتی ہیں۔ اس وقت تک یہ رسید معیشت میں اپنا ایک اعتبار قائم کر چکی تھی۔ اسی اعتبار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کرنسی نوٹ جاری کرنے والوں نے بغیر ڈپازٹ کے بھی رسید یں جاری کرنا شروع کریں۔ ابتداء میں یہ رسید یں گارنمینٹ بانڈس کے خریدنے پر نہایت رازداری کے ساتھ استعمال میں لائی جانے لگیں۔ جس پر انھیں حکومت سے سود ملتا تھا۔ اس طرح ان لوگوں نے کچھ نہیں پر بھی کچھ کمانا (Earning something for nothing) شروع کر دیا۔ یہ کاروبار کافی منافع بخش ثابت ہوا چنانچہ Depositors کو اپنی جانب کھینچنے کے لیے انھوں نے سروس چارج کم کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ سروس چارج صفر ہوگیا۔ کہانی یہیں پر ختم ہوئی، بلکہ سروس چارج وصول کرنے والے یہ مرچنٹس (وغیرہ Depositors) کو کچھ سود ادا کرنا شروع کر دیے۔

المختصر یہ کہ دوسرے مرحلے میں کرنسی نوٹ زائد از ڈپازٹ جاری ہونا شروع ہوگئی۔ اس لیے اب سو فیصدی Backing نہیں رہ گئی تو اب یہ رسید کہاں رہ گئی۔؟

**تیسرا مرحلہ:** مرچنٹس (وغیرہ) کا رازداری کا یہ کھیل زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رہ سکا۔ آخر کار بھانڈا پھوٹ ہی گیا۔ Depositors حیران و پریشان اپنی اپنی کرنسی نوٹ کے ساتھ مرچنٹس کو گھیر لیے، چونکہ Deposits سے زیادہ کرنسی نوٹ بازار میں تھیں۔ اس لیے کچھ Depositors کو تو ان کے Valuables مل گئے۔ باقی لوگوں کو کچھ نہ ملا، چنانچہ ان کا نقصان ہوگیا۔ حکومت کے کان کھڑے ہوگئے۔ اب تک اس بازار میں اس کی کوئی مداخلت نہیں تھی۔ جب Depositors کا نقصان بار بار ہونے لگا تو مفادِ عامہ کے تحفظ میں حکومت نے مرچنٹس (وغیرہ) کے ایک گروپ (Guilds) کو کرنسی نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیا۔ Guilds نے کاروبار کے استحکام کے لیے کرنسی نوٹ کو کل Deposits سے ایک نسبت باندھ دیا جسے محفوظ ضرورت Reserve Requirement(R.R) کا نام دیا گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ میں Guilds نے بھی اپنی انھیں مفاد پرستانہ حرکت (Earning something for nothing) کے سبب عوام میں اپنا اعتبار کھو دیا۔

**چوتھا مرحلہ:** Guilds نے بھی جب اپنا اعتبار کھو دیا تو حکومت نے کرنسی نوٹ جاری کرنے کا یہ اختیار Commercial Banks کو دے دیا۔ اسی دوران سینٹرل بینک بھی وجود میں آ چکی تھی۔ حکومت نے Reserve Requirement کے تعین کا اختیار سینٹر

بینک کوتفویض کردیا۔ان یہ Reserve Requiremant اپنی شکل تبدیل کر لے Legal Reserve Requirement (LRR) (قانونی محفوظ ضرورت )بن گیا ۔مثلاً اگر 10%,LRR ہے تو Commercial Banks کے لئے لازمی ہوگیا کہ اگر اس کے پاس 1000 کا سونا بطور ڈپازٹ آتا ہے تو وہ کرنسی نوٹ 1000 تک ہی جاری کرسکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ۔LRR کا تعین سینٹرل بینک برسوں کے اس تجربے کے بعد کرنے لگی کہ تمام Depositors اب بھی مرچنٹس (وغیرہ) سے اپنا کل Deposit واپس نہیں لیتے ہیں ۔کہیں سے مشکل سے دس فیصد ہی Deposit واپس لیا جاتا ہے کیوں کہ لوگ اپنا Deposit اس وقت واپس لیتے تھے جب انھیں کسی دور کے بازار سے سامان خریدنا ہوتا تھا جہاں ان کی کرنسی نا قابل قبول تھی ۔کچھ لوگ زیور وغیرہ بنانے کے لیے اپنا ڈپازٹ واپس لیتے تھے ،بلاوجہ ڈپازٹ واپس لینے والے آٹے میں نمک کے برابر ہی تھے لیکن اسی دوران ڈپازٹ لاکر جمع کرنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔اس لیے عموماً مرچنٹس (وغیرہ) کے پاس Total Depost کم نہیں ہوتا تھا بلکہ اکثر بڑھ بھی جاتا تھا۔

ایک اور سبب سے Total Deposit بحال رہتا تھا۔ وہ سبب ہے ملنے والے سود کی شکل میں Depositors کا فائدہ ۔کرنسی نوٹ کے پہلے مرحلے میں ہم نے دیکھا ہے کہ Depositors سے سروس چارج کے نام پر مرچنٹس (وغیرہ) کچھ رقم وصول کرتے تھے اب الٹا یہ لوگ Depositors کو سود دینا شروع کر دیے۔اس لیے آمدنی میں سے پس انداز کی گئی رقم گھر پر (جہاں وہ محفوظ تھی) رکھنے کے بجائے وہ لوگ مرچنٹس (وغیرہ )پھر Guilds اور اس کے بعد کمرشیل بینک کے پاس رکھنے لگے۔

**پانچواں مرحلہ:** پہلے مرحلے میں کرنسی نوٹ صد فیصد Convertible تھی۔ بعد میں مرحلہ وار یہ Convertibility کم سے کم تر ہوتی گئی۔اور آج یہ پوزیشن ہے کہ اگر آپ کسی بینک میں ایک ہزار روپے کا نوٹ لے کر جائیں (جس پر یہ تحریر ہے کہ I promise to pay the bearer the sum of Rs 1000 اور اس سے سونا حاصل کرنا چاہیں تو بینک کے لیے اب یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کو سونا ہی دے دے ۔بہت ہوگا تو یہ بینک یا تو Rs.500-500 کے دو نوٹ دے دے یا Rs 100-100 کے دس نوٹ دے دے (وغیرہ وغیرہ) جن پر وہی جملہ لکھا ہوا آپ پڑھیں گے کہ Promise

وہ دن اب ہوا ہو گئے جب کرنسی نوٹ کے to pay the bearer the sum of Rs بدلے آپ کو سونا بینک سے مل جاتا تھا، کیوں کہ اس وقت آپ کی کرنسی نوٹ صد فیصد Convertible تھی ۔آج یہ صد فیصد Inconvertible ہے۔

فی زمانہ LRR کے کم ہوجانے اور کرنسی کے Inconvertible ہوجانے کے باوجو کرنسی نوٹ Generally Acceptable (عمومی طور پر قابل قبول) ہے بعض غریب ممالک میں تو سونا، چاندی زرمبادلہ جو کرنسی نوٹ کی Backing کے لیے آج ضروری سمجھے جاتے ہیں ،ان کا خاطر خواہ اسٹاک بھی نہیں ہے۔ایسے ممالک میں ملک کی زمین بطور Backing رکھی جاتی ہے۔یہ کرنسی نوٹ بھی Incovertible ہے۔مطلب یہ کہ اگر آپ کرنسی نوٹ دے کر ایک قطعہ زمین خریدتے ہیں تو یہ قطعہ آپ کی ملکیت میں ہونے کے باوجود ملک کی ہی ملکیت میں رہے گا۔کرنسی نوٹ کی ان تمام خصوصیتوں کے باوجود اسے قبول عام حاصل ہے اس لیے کہ اسے چاہے سونا چاندی جیسی قیمتی چیزوں کی Backing ملے نہ ملے اب ملک کا قانون اس کی Backing کرنے لگا ہے۔اس کرنسی نوٹ کو قبول کرنے سے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔کرنسی نوٹ کی دس خصوصیت نے اسے Legal Tender بنادیا ہے۔

کرنسی نوٹ پر امام احمد رضا کی تحریر ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۰ھ کی ہے ،جب کرنسی نوٹ صدفیصد Convertibilty کے مرحلے سے نکل کر سوفی سے کم Convertibility کی جانب اپنا سفر کرنا شروع کر چکی تھی ۔یہ وہ زمانہ تھا جب RR سوفی صد نہیں رہ گیا تھا، بلکہ سوفی صد سے کم کی طرف اس نے اپنا سفر شروع کر دیا تھا اور LRR کی جانب یا تو بڑھ رہا تھا یا LRR کی منزل کو پہنچ چکا تھا۔بیسویں صدی کے اس عظیم مجدد کا یا تو اتنا وسیع مطالعہ تھا کہ وہ فی زمانہ کرنسی نوٹ کی Inconvertibility اور RR کے سوفیصد سے کم ہونے سے واقف تھے یا اس عظیم مجدد کی تیسری آنکھ مستقبل کی دیوار پر لکھی ہوئی مذکورہ خصوصیات کو ایک کھلی تحریر کی طرح پڑھ رہی تھی۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے کرنسی نوٹ کو قیمتی مال قرار دیا تھا نہ کہ رسید یا کسی دستاویز کی سند۔کرنسی نوٹ اپنے مرحلے میں تو Deposite کیے گئے مال کی رسید تھی۔لیکن بعد کے مراحل میں جب Depostie کے بغیر بھی کرنسی نوٹ جاری کی جانے لگی تو یہ رسید نہیں رہی بلکہ اب یہ ایک قیمتی مال بن چکی ہے، اور آج بھی پوزیشن پر برقرار ہے۔اعلیٰ

حضرت کی اس دوراندیشی اور دور بینی نے علمائے کرام کی عام صفوں سے اونچا اٹھا کر آپ کو مجددِ عصر کے بلند تخت پر براجمان کردیا ہے۔

کرنسی نوٹ آج رسید نہیں، بلکہ یقیناً ایک قیمتی مال ہے۔ اسی طرح سے کرنسی نوٹ چیک بھی نہیں ہے جیسا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے فرمایا ہے۔ چیک کاغذ کا ایک ایسا پرزہ ہے جو اپنی تمام تر شرائط کے ساتھ متعلقہ بینک میں Honour ہوتا ہے، یعنی اس پر تحریر کردہ رقم چیک ہولڈر کو ملتی ہے یا اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتی ہے۔ آپ کسی بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھولیے آپ کو ایک چیک بک دے گی۔ حسب ضرورت اس کے ایک Leaf کی مکمل خانہ پری کر کے جب آپ اسے مذکورہ بینک میں (یا کسی دوسری بینک میں کسی کے ذریعے سے) پیش کریں گے اور اگر آپ کے اکاؤنٹ میں کم از کم اتنی رقم محفوظ ہو جتنی کہ آپ نے اپنے چیک پر درج کی ہے تو بینک آپ کو اتنی رقم (بہ شکل کرنسی نوٹ یا/اور خوردہ) آپ کے سپرد کردے گی۔ کرنسی نوٹ اور چیک کے درمیان کچھ بنیادی فرق ہیں، مثلاً (۱) کرنسی نوٹ کو آج سو فیصد Backing نہیں ہے جب کہ آپ کے چیک کو سو فیصد Backing لازمی ہے۔ (۲) آپ کا جاری کردہ چیک مندرج تاریخ سے چھ ماہ کے اندر ہی Honour ہوسکتا ہے جب کہ کرنسی نوٹ ایسی کسی بھی قید سے آزاد ہے۔ (۳) آج کرنسی نوٹ Legal Tender کی حیثیت رکھتی ہے اسے قبول نہ کرنے والا شخص قانونی چارہ جوئی کیے جانے کا مجاز ہوسکتا ہے جب کہ چیک نہ قبول کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ (۴) کرنسی نوٹ کو آج قبول عام (General Acceptability) کی پوزیشن حاصل ہے جب کہ آپ کا چیک Limited Acceptability رکھتا ہے۔ آپ کا حقیقی بھائی چاہے تو اسے قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔ غالب گمان ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب ان فرقوں سے ناواقف تھے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے کرنسی نوٹ کو چیک گردانا ہے۔ کرنسی نوٹ اپنے ارتقاء کے پہلے مرحلے میں شاید مولوی صاحب کی نظر میں چیک رہی ہو، آپ کا غالباً یہ گمان رہا ہو کہ Depositor جب سونا کسی مرچنٹ کے پاس محفوظ رکھواتا تھا تو مرچنٹ اسے ایک رسید دیتا تھا اور جسے وہ کبھی کبھی واپس دے کر اپنا سونا واپس لے جاسکتا تھا۔ چیک کی طرح ہی کرنسی نوٹ بھی اپنی مطلوبہ رقم طلب (Demand) کرنے کا ذریعہ تھی

لیکن ایسا نہیں تھا۔اس زمانے کی بھی کرنسی نوٹ اس خواص سے عاری تھی جن خواص کا چیک حامل ہوتا ہے۔اس طرح دونوں کے درمیان کا فرق بالکل واضح ہے۔ پہلے مرحلے کے کرنسی نوٹ پر اسے جاری کرنے والے مر چنٹ کی دستخط ہوتی تھی، یہ دستخط شدہ کرنسی نوٹ Depositor کو مرچنٹ سے ملتی تھی جب کہ چیک Depositor اپنی دستخط سے بینک کو دیتا ہے۔اتنا واضح فرق گنگوہی صاحب نہیں سمجھ سکے جب کہ مجددِ عصر اعلیٰ حضرت نے تمام فرقوں کو بخوبی محسوس کرلیا تھا۔ چنانچہ آپ نے کرنسی نوٹ کو چیک کے طور پر نہیں گردانا۔ اس سبب مولوی رشید احمد گنگوہی کی کم نگاہی کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت کی باریک بینی نے اعلیٰ حضرت کو معاصر علمائے کرام کی عام صفوں سے اونچا اٹھا کر آپ کو مجددِ عصر کے بلند و بالا تخت پر براجمان کر دیا ہے۔

اب جس عنوان کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ عنوان اپنے آپ میں زبردست نوعیت کا حامل ہے اور علم معاشیات میں آپ کے مجددِ عصر ہونے کی نہایت روشن دلیل ہے۔

۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت نے ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کے عنوان سے ایک معرکہ آرا تحریر پیش فرمائی تھی۔ اس کتاب کے ذریعہ آپ نے اس زمانے میں مسلمانوں کے معاشی مسائل کو محسوس کیا تھا اور نہایت جامع حل پیش فرمایا تھا۔ یہ حل چار نکات پر مشتمل تھا جنھیں ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

## اعلیٰ حضرت کے چار نکات:

**اول:** باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات (مسلمان) اپنے ہاتھ میں لیتے ،اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے ، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ اور وکالت میں گھسے جاتے ہیں ،گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

اس نکتے کے تحت اعلیٰ حضرت عامۃ المسلمین کو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان تمام تر لڑائی جھگڑوں کو فیصل کرنے کے انگریز حکومت کی عدالتوں میں جانے کے بجائے اپنی پنچایتوں میں طے کرتے تو اس سے ان کے کروڑوں روپے پس انداز (Saving) ہوتے جو اسٹامپ پیپروں اور وکیلوں میں صرف ہو رہے تھے اور ان مقدمات

سے معاشرتی تباہی رونما ہورہی تھی اس سے بھی بچ جاتے ۔مقدمات کو کورٹوں کے بجائے اگر شرعی نقطۂ نظر سے حل کرلیا جاتا تو اس سے کروڑوں روپے پس انداز (Saving) ہو جاتے ۔اس Saving سے مسلم معاشرے کو کتنا زبردست معاشی فائدہ پہنچتا اس پر ہم آگے گفتگو کریں گے۔

**دوم:** اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا ۔اپنی حرفت وتجارت کو ترقیم (Investment) دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہیں رہتے ۔ یہ نہ ہوتا یورپ وامریکہ والے چھٹا نک بھر تانبہ کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

اس نکتے میں اعلیٰ حضرت نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ مسلم خریدار،مسلمان تاجر یا صناع سے ہی سامان خریدے تاکہ گھر کہ کا نفع گھر میں ہی رہے۔اس سے مسلمانوں کی حرفت وتجارت کو فروغ ملتا ۔ایک طرف کاروبار میں لگایا گیا روپیہ (Investment) بڑھتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کی بے کاری میں کمی ہوکر روزگا(Employment) میں اضافہ ہوتا ہے۔جہاں تاجروں اور صناعوں کی مالی حالت بہتر ہوتی وہیں محنت کشوں (Labourers) کی بھی معاشی حالت سدھرتی اور اس طرح سے مسلم معاشرتے میں ایک معاشی انقلاب آجاتا۔

**سوم:** بمبئی کلکتہ ،رنگون ،مدراس ،حیدرآباد وغیرہ کے تو انگر مسلمان، بھائیوں کے لیے بینک کھولتے ۔سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے،مگر اور طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ ”کفل الفقیہ الفاھم“میں چھپ چکا ہے۔ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھاعمیوں کی بھی حاجت برآتی، جائیدادیں بنیوں کی کے نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے۔ اگر مدیون کی جائیداد ہی لی جاتی ،مسلمان ہی کے پاس رہتی ،یہ تو ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

اس زمانے کے لحاظ سے ایک نہایت ہی انقلابی مشورہ مجدّدِ عصر اعلیٰ حضرت نے دیا تھا ۔اس زمانے میں بھی بینکنگ سسٹم کی بنیاد سود پر تھی۔سود کے بغیر بینک کے وجود کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ایسے دور میں اعلیٰ حضرت نے غیر سودی بینک کا نظریہ پیش کر کے دینی جدت طرازی

کی ایک زبردست مثال قائم کردی تھی۔آپ نے چند مخصوص شہروں کے مالدار مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ غیر سودی بینک قائم کر کے اپنے ان مسلمان بھائیوں کی مالی اعانت کریں جو کسی حرفت یا صنعت میں قسمت کو آزمانا چاہتے ہیں اور ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے۔نیز ،شریعت نے سود کو قطعی حرام قرار دیا ہے مگر اور بھی بہت سارے طریقے ہیں جن کے ذریعے نفع کمایا جاسکتا ہے اور وہ بھی حلال نفع۔اور یہ سارے طریقے فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔خود اعلیٰ حضرت نے بھی اپنی ایک تحریر میں ایک نہایت آسان طریقہ بیان فرمادیا ہے،اگر ایسا ہوتا ہے تو قرض خواہوں کا اس میں دوہرا فائدہ ہے، ایک: تو وہ سود جیسے حرام مال سے بچتے ہیں۔دوسرے: انھیں بنیوں سے نجات مل جائے گی۔ساتھ ہی ساتھ قرض دینے والے مالدار مسلمانوں کو بھی اپنی فاضل رقم (Saving) کو کاروبار میں لگانے (Investment) سے نفع ملے گا اور وہ بھی حلال۔

مسلمانوں کے لیے غیر سودی بینک ہی ایک ایسا ادارہ ہوسکتا ہے جہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے پس انداز (Saving) کرنے والے مالدار مسلمانوں اور کاروبار میں روپیہ لگانے (Investment) کی صلاحیت رکھنے والے حوصلہ مند مسلمانوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔اس بینک میں کروڑوں روپے بھی لائے جاسکتے ہیں جو کورٹ کچہری کی نذر ہورہے ہیں۔

Saving اور Investment کے اس عنوان پر مزید اور تفصیلی گفتگو آگے۔ان شاء اللہ۔

**چھارم:** سب سے زیادہ اہم ،سب کی جان سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا،جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج علیہ پر پہنچایا۔چار دانگ عالم میں ہیبت کا سکہ بٹھایا ،نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں اگرایا **فانا للہ و انا الیہ راجعون و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے۔علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی جانتے وہ انھیں بتادیتا اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے۔جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے۔

یہی نکتہ تو ہماری اساس ہے۔دین کا علم میں ایمانداری ،للّٰہیت اور خلوص پیدا کرتا

ہے ۔یہ دین ہی تو ہے جو ایک مسلمان کو مفاد پرستی خودغرضی اور دھوکہ دہی سے محفوظ رکھ کر یہودیوں اور اس قبیل کی ذہنیت رکھنے والے تمام لوگوں سے ممتاز کرتا ہے ۔اہمیت وافادیت کے اعتبار سے یہ آخری نکتہ حرف آخر سے کم نہیں ہے۔

ان چاروں نکات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ''اگر میرا خیال صحیح ہے ہر شہر اور قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چاروں باتوں پر قائم کریں۔'' اعلیٰ حضرت کی اس اپیل کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ یہ چاروں نکتے بکھری ہوئی چار موتیاں نہیں بلکہ ایک لڑی میں اس طرح پروئی ہوئی ہیں کہ وہ ایک خوبصورت اور نہایت کارآمد ہار بن گیا ہے۔اس ہار کو پیکر اسلامیہ کی گردن میں آج بھی اگر ڈال دیا جائے تو اس کا سارا وجود جگمگا اٹھے گا۔ میرا یہ دعویٰ بھی بے دلیل نہیں ہے ۔آئندہ سطروں میں ان چاروں نکات کو مربوط کر کے پیش کرنے کی سعی کی جائے گی اور پھر آپ دیکھیں گے کہ باہم مربوط ہوکر یہ چاروں نکات عمل کے مرحلے سے گزریں گے تو کتنے انقلاب آفریں نتائج سے ہم کنار ہوں گے۔

**چاروں نکات کے باھمی عمل کے نتائج:** ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۹ء تک کا دس سالہ دور عالمی کساد بازاری (Great Depression) کا دور تھا۔ ۱۹۲۹ء کے آغاز سے قیمتوں کے گرنے کا دور شروع ہوا۔ یکے بعد دیگرے حرفت وصنعت میں منافع کی شرح گرتی چلی گئی۔ کارخانوں پر کارخانے بند ہوتے چلے گئے ۔بے روزگاری عام ہوگئی ۔ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں جے ایم کینز (John Meynord Keynes) نے ''نظریہ روزگار و آمدنی،، پیش کیا جس پر عمل کرنے کی شروعات ، غالباً ۱۹۳۵ء سے عالمی کساد بازاری تحلیل ہونا شروع ہوئی اور اس کا مکمل خاتمہ ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں اس برطانوی ماہر معاشیات جے ایم کینز کو اس خدمت کے صلے میں حکومت برطانیہ کا ایک نہایت محترم ایوارڈ ''لارڈ'' تفویض کیا گیا۔

جے ایم کینز کے نظریہ روزگار آمدنی کے مطابق ہر صارف (Consumer) کی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ صرف (Consumption) کے لیے مختص ہوتا ہے۔اگر آمدنی اس صرف سے زائد ہے تو وہ صاف کچھ نہ کچھ رقم پس انداز (Saving) کر لیتا ہے۔پس انداز کی گئی یہ رقم (Saving) معیشتمیں بڑا اہم رول ادا کرسکتی ہے چنانچہ

آمدنی =صرف+پس اندازی (Y=C+S)

اسی طرح کینز کے مطابق ہر صناع (Industrialists,Investors,ect) صارف کی طرح اپنی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ صرف (Consumption) پر خرچ کرتا ہے،اگر اس کی آمدنی صرف سے زائد ہے تو بقیہ رقم کا روبار میں لگاتا (Investment) ہے۔کاروبار میں لگائی گئی یہ رقم (Investment) معیشت میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے، چنانچہ

آمدنی =صرف+کاروباری میں لگائی رقم (Y=C+I)

کینز کے مطابق یہ دومساوات (Y=C+S & Y=C+I) نہایت اہمت کی حامل ہیں۔ان دونوں مساوات میں Cاور Y مشترک (Common) ہیں اگر انھیں کٹ کردیا جائے تو S&I بچتے ہیں۔اگر Investment,Saving سے زیادہ ہو جائے تو کسادبازاری کی شروعات ہوجاتی ہے اس کے برعکس اگر, Investment Saving سے کم ہوجائے تو معیشت افراط کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علم معاشیات کے اس نباض (جے ایم کینز) نے اس بات پر زور دیا کہ Savingاور Investment کا ایک دوسرے کے برابر ہونا نہایت ضروری ہے۔نیز اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ تیز رفتار معاشی ترقی کے لیے Saving میں اضافہ اس طرح رہے کہ Investment بھی اس کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے۔اگر ایسا ہوتا ہے تو ملک کی معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی جائے گی۔

جے ایم کینز نے اپنے یہ روزگا رو آمدنی میں ایک نئ معاشی اصطلاح کا بھی استعمال کیا ہے جسے وہ موثر طلب (Effective Damand) کہتے ہیں ۔اوپر کے سطور میں ہم نے کینز کے دومساوات دیکھے ہیں ۔اول Y=C+S اور دوم Y=C+I ان دونوں فارمولوں سے اگر Y کو مشترک ہونے سبب حذف کردیا جائے تو باقی رہ جاتے ہیں C+Sاور CC+S کو اس نے " کل رسد" یعنی Aggregate Supply اور C+I کو ''کل طلب ''یعنی Aggregate Demand کہا ہے۔جہاں Aggregate Supplyاور Aggregate Demand ایک دوسرے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ وہ مقام ''موثر طلب (Effective Demand)" کی نشاندہی کرتا ہے،ملک میں کتنے لوگوں کو روزگار ملے گا،آمدنی کتنی ہوگئی اس کا تعین ''موثر طلب ''ہی کرتا ہے۔ضروری نہیں ہے کہ ایک

موثر طلب پر مکمل روزگاری (Full Empolyment) اور اعلیٰ ترین آمدنی (Maximum Income Level) کی نشاندہی کرے۔ اس مقام پر کچھ بے روزگاری (Unemployment) بھی ممکن ہے۔ چنانچہ آمدنی کی سطح، اعلیٰ ترین آمدنی سے کم بھی ہو سکتی ہے۔

جے ایم کینز نے اپنے نظریہ، روزگا آمدنی میں دو اور معاشی اصطلاحوں کو بہتر ڈھنگ سے متعارف کیا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں ہیں Multiplier اور Accelerator - Multiplier کا تعلق کینز کے پہلے فارمولے (Y = C + S) کے C اور S سے ہے۔ Consumption یعنی صرف جتنا زیادہ ہوگا Multiplier کے سبب آمدنی (Y) اور روزگار (Employment) میں اس سے زیادہ تیزی سے اضافہ ہوگا۔ اس کے برعکس Saving جتنی زیادہ ہوگی اس کے تیز تر منفی اثرات آمدنی اور روزگار پر پڑیں گے۔

اسی طرح Accelerator کا تعلق کینز کے دوسرے فارمولہ (Y=C+I) سے ہے۔ Investment یعنی روپیہ کاروبار میں جتنا زیادہ لگایا جائے گا Accelerator کے سبب اس سے کہیں زیادہ تیزی سے آمدنی اور روزگار میں اضافہ ہوگا۔

جے ایم کینز کے نظریہ روزگار اور آمدنی کا یہ نہایت مختصر اور ممکنہ حد تک سلیس خاکہ ہے۔ کینز کے اس نظریہ نے عالمی کساد بازاری کا خاتمہ کر دیا تھا، جس پر حکومت برطانیہ نے انھیں "لارڈ" کے عظیم الشان خطاب سے ۱۹۳۶ء میں سرفراز کیا تھا۔

لیکن مجدد عصر اعلیٰ حضرت نے تو یہ کارنامہ ۱۹۱۲ء میں ہی انجام دے دیا تھے۔ اپنی تحریر "تدبیر فلاح ونجات واصلاح "میں آپ نے اپنے الفاظ میں مسلمانوں کی معاشی حالت کی اصلاح کے لیے پس اندازی (Saving) اور روپیہ کاروبار میں لگانے (Investment) کا وہ نظریہ پیش کیا تھا جو روزگار اور آمدنی کے اضافے کا سبب بن سکتا تھا۔

بعض تنقید نگار ایسا کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے مقابلے میں کینز کا نظریہ زیادہ سائنٹفک ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اعلیٰ حضرت کا ماڈل بہر حال افادیت سے خالی نہیں ہے۔ اور اس میں وسعت فکری اور ہمہ گیریت کا عنصر غالب ہے۔

جیسا کہ پچھلی سطور میں ہم نے پڑھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح '' چار نکات پر مشتمل ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے ان چاروں نکات کو اختصار کے ساتھ ذیل

میں پھر تحریر کیا جا رہا ہے۔

(۱) مسلمان مقدمہ بازیوں سے بچیں، تا کہ ان پر خرچ ہونے والے کروڑوں روپے پس انداز (Saving) ہوں۔

(۲) اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں، تا کہ اپنی قوم کے صناعوں وغیرہ کے کاروبار پر کیا جانے والا خرچ (Investment) بڑھے۔

(۳) مالدار مسلمان بینک قائم کریں تا کہ ان کی فاضل رقم ہوئی (Saving) مسلم صناعوں کے ذریعے کاروبار میں صرف (Investment) ہو۔ مقدمہ بازی سے ہوئی کروڑوں کی رقم بھی اس بینک کی طرف منتقل کی جاسکتی ہے، جس سے Savingاور Investment دونوں میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

(۴) علم دین کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ جس سے لوگوں میں بالخصوص اُمرا، صناعوں، محنت کشوں اور صارفین کے ساتھ ساتھ عامتہ المسلمین کی بالخصوص معاشی معاملات میں اخلاقی اصلاح ہو۔

کینز کا نظریہ لاکھ سائنٹفک سہی لیکن اس کا نظریہ روزگار و آمدنی اس نہایت اہم خصوصیت سے بالکل محروم ہے۔

اعلیٰ حضرت نے نہایت عام فہم زبان میں بھاری بھرکم معاشی اصطلاحوں کے بغیر تقریباً وہی تمام باتیں کہی ہیں جو کینز کے نظریہ میں ملتی ہیں۔ کینز نے اپنے نظریہ میں Savingاور Investment کی اہمیت کو اجاگر تو کیا ہے لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہا کہ Saving کہاں سے حاصل کی جائے گی اور Investment کے اضافے کی کیا صورت ہوگی۔ مقدمہ بازی پر کیا گیا خرچ مکمل طور پر غیر پیداواری (Unproductive) ہے اسے Saving میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ نیز امراء کے پاس فاضل رقم پڑی ہوئی ہے جو سامان تعیش ور نگ رلیوں پر خرچ ہوکر ضائع ہوجاتی ہے یہ بھی بڑی حدتک غیر پیداواری (Unproductive) ہے۔ اسے بھی Saving میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں ذریعوں سے ایک اچھی خاصی رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔

مالدار مسلمان اگر بینک کا قیام عمل میں لائیں تو مذکورہ بالا Saving کو بینک میں جمع کر کے ایک اچھا خاصہ سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے اور اس غیر سودی اسلامی بینک کے

ذریعے یہ سرمایہ ان مسلم صناعوں ،تاجروں وغیرہ کومہیا کرکے Investment کو بڑھا یاجاسکتا ہے جن کے ذریعے ایک طرف منافع کما سکتے ہیں دوسری طرف کتنے ہی محنت کشوں کوروزگارفراہم ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے اس ماڈل سے بھی وہی نتائج اخذ ہوسکتے ہیں جو کینز کے نظریہ روزگار وآمدنی سے متوقع ہیں ۔

اگرقوم مسلم اپنی اشیائے ضرورت صرف مسلم تاجروں سے ہی خریدے تومسلم صناعوں کے کارخانوں میں تیار کیے گئے مال کی نکاسی بازار میں ہوتی رہے گی اور زائد از ضرورت پیداوار(Over Productive) کا مسئلہ بھی درپیش نہیں آئے گا۔

اسی نظریہ کواگرقوم مسلم سے وسیع کر کے ملک کی حدودتک پھیلا دیا جائے تو ملک سے Over Productive کے اس مضرت کا خاتمہ ہو جائے گا جو کساد بازاری کا سبب بنتا ہے۔یورپی اقوام اعلیٰ حضرت کے اس نظریہ کو لاشعوری طور پر قبول کرکے European Common Market کا قیام عمل میں لائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ جرمن مارک ایک مضبوط کرنسی کے طور پر نمودار ہوا یہاں تک کہ اس کرنسی نے امریکی ڈالرکوبھی کمزور کردیا۔

اعلیٰ حضرت کا اپنا یہ نظریہ کہ اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں ،بعض متقدم اورمتاخر یورپی مفکرین کے خیال سے ہم آہنگ ہے۔مثلاً جرمن کے ماہر معاشیات فریڈرک لسٹر (Friedrich List)نے ۱۸۴۰ء میں یہ نظریہ پیش کیا تھا۔ الفریڈ مارشل اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کا زبردست وکیل تھا اس نے بھی بعض صورتوں میں آزادانہ تجارت (Free Traed) کے مقابلے میں محفوظ تجارت (Protection) کی وکالت کی تھی۔اس طرح سے ادَم اسمیتھ (Adam Smith)جو بابائے علم معاشیات (Father of Economics) کہلاتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت (Capitalism) کا سب سے زیادہ پر جوش حامی تھا اور جس کی کتاب دولت اقوام Wealth of Nations کومسلم معاشیات میں انجیل کی طرح معتبر ومحترم سمجھا جاتا ہے، اس شخص نے بھی کچھ خصوصی صورت حال میں نظریہ تامین (Protection Policy) کی سفارش کی ہے۔سرمایہ دارا نہ نظام (Capitalism) کے حامل ملک امریکہ کے ایک سیاست داں الیکو ینڈر ہملتن نے بھی امریکیوں کو وہی راہ دکھانے کی کوشش کی جس پر چلنے کا مشورہ اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو دیا تھا۔انیسویں صدی عیسوی میں برطانیہ صنعتی طور پر ایک ترقی یافتہ ملک تھا۔امریکہ اور یورپ

کے بیشتر ممالک نے برطانیہ کے خلاف تامین (Protection) کی حکمت علمی اپنائی تھی۔
خود لارڈ کینز نے کہا ہے کہ "Protection and not free tarde was needed to restore the much needed economic stability for an ecomomy which is out of gear" لیکن ہم مسلمانوں رہندستانیوں نے اس مفکرِ مشرق کی باتوں کو ان سنی کر دیا جب کہ یورپ اور امریکہ نے اپنے مغربی مفکرین کو نہ صرف سر آنکھوں پر بٹھایا بلکہ حددرجہ تن دہی کے ساتھ اس کے نفاذ میں جٹ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معاشی میدان وہ ہم سے کہیں آگے ہیں۔ کیا ایسا ہے کہ کوٹ ٹائی والے ایک شخص کے مقابلے میں صافہ اور کرتا پہننے والے دوسرے شخص کی کیا وقعت؟

ماہرین معاشیات عام حالات میں آزادانہ تجارت (Free Trade) کے حامی ہیں لیکن خصوصی حالات میں محفوظ تجارت (Protection) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں مسلمانان ہند بالخصوص اور مسلمان عالم بالعموم کن حالات کا شکار تھے۔ اسی طرح کے آج مسلمان عام حالات میں سانسیں لے رہے ہیں یا ہنگامی حالات سے دوچار ہیں؟

اعلیٰ حضرت کے چار نکاتی ''تدبیر فلاح'' نامی پروگرام میں تیسرا نکتہ بینک کے قیام سے متعلق ہے۔ آپ نے اس زمانے میں بینک کے قیام پر زور دیا جب مسلمانوں میں کیا، برادران وطن میں بھی Banking Habit کا بہت کم رجحان تھا۔ برادرانِ وطن کہیں کہیں بینک قائم کر چکے تھے۔ ۱۷۷۰ء میں پہلا ہندوستانی بینک ''بینک آف ہندوستان'' کے نام سے قائم ہوا تھا۔ ۱۹۱۳ء تک ہندوستان میں صرف اکتالیس بینک قائم ہو سکے تھے اور ۱۹۴۰ء تک کوئی بھی مسلم بینک وجود میں نہیں آیا تھا۔ آپ نے اس زمانے میں غیر سودی اسلامی بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تھی جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ سود کے بغیر بینکنگ کا روبار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم برصغیر میں غیر سودی اسلامی بینک کے قیام کا تصور اگر کسی نے دیا ہے تو وہ ہیں مجدد عصر اعلیٰ حضرت۔

ماہر معاشیات پروفیسر رفیع الدین صدیقی نے اپنے مقالہ ''فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ جب جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا بھی نہیں ہوئی اور بنکاری نظام کو مغربی ماہرین تجارت و اقتصادیات نے اس شدت سے محسوس تک نہ کیا تھا، جو

آج وہ عمل میں لا رہے ہیں، حضرت فاضل بریلوی نے اس سے تقریباً پچپیس سال قبل معاشی نکات اور بنکاری نظام کا نظریہ پیش فرما دیا تھا۔

مجدد عصر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ''سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے۔'' آپ نے کرنسی نوٹ کے مسائل (کفل الفقیہ) نامی کتاب میں اس کی تفصیل پیش کی ہے گویا کہ اعلیٰ حضرت نے صرف غیر سودی بینک کے قیام کی تجویز ہی نہیں پیش کی ہے، بلکہ سود سے بچتے ہوئے نفع حاصل کرنے کے ان طریقوں کی نشاندہی بھی کر دی ہے جن کی شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ان تحریرات کو یکجا کیا جائے اور ان سے استفادہ کر کے عصری تقاضوں کے مطابق ایک ایسا منضبط نظام ترتیب دیا جائے جو قابل عمل بھی ہو۔ بہرحال غیر سودی اسلامی بینک کے نظام کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنے کی جسارت رہا ہوں۔

## غیر سودی اسلامی بینک درج ذیل خدمات معاشرے میں پیش کر سکتی ہے:

**اول:**۔ڈپازٹ کا حصول: سودی کمرشیل بینکس سود کی پیشکش کتنے لوگوں کی فاصل رقومات بطور ڈپازٹ قبول کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتی ہیں۔غیر سودی بینک سود کے بجائے نفع اور نقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر لوگوں سے اپنی فاضل رقم بطور ڈپازٹ رکھنے کی گزارش کر سکتی ہے اس ذریعہ سے حاصل شدہ رقم ضرورت مندوں میں معاشی پیداواری مقصد (Economic Productive Purpose) کیلئے رقم فراہم کر سکتی ہے۔

**دوم:** پیداواری مقصد کے لیے رکاروبار وتجارت کے لیے ضرورت مندوں کو رقم فراہم کرنا: سماج کے ایسے افراد جو کسی صنعت وحرفت کے جاری کرنے یا تجارت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں لیکن رقم کی عدم فراہمی یا کم فراہمی کے سبب اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں کر پا رہے ہیں، یہ بینک ایسے افراد کو مختلف شکلوں میں رقم فراہم کر سکتی ہے۔رقم کی یہ فراہمی نفع اور نقصان میں حصہ داری کی شکل میں ہوگی۔

اس کار خیر میں رقم کے استعمال کی درج ذیل شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) شراکت (۲) مضاربت (۳) اجارہ (کرایہ دینا) (۴) سلم (ایڈوانس) (۵) اگر ممکن ہوا تو بینک تنہا تجارت بھی کر سکتی ہے مثلاً ایک صنعت کار ایک مشین خریدنے کا خواہش مند

ہے۔مشین کی قیمت دس لاکھ روپے ہے۔اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ مشین خرید سکے ۔غیر سودی اسلامی بینک وہ مشین دس لاکھ میں خرید کر اس صنعت کار کو گیارہ لاکھ میں کچھ مدت میں ادائیگی کی شرط پر مہیا کر سکتی ہے۔اگر وہ صنعت کار اس بینک سے رجوع ہوتا ہے تو۔اس طرح سے اس بینک نے اس تجارت میں لاکھ منافع کما لیا۔

**سوم :** ان دونوں خدمات کے علاوہ بینک بہت سے کام بطورایجنٹ (Agency Functions) اور خدمات برائے فلاح عامہ (General Utility Services) انجام دے سکتی ہے۔ یہ دونوں طریقے بھی منافع کمانے کا اچھا ذریعہ بن سکتے ہیں۔مثلاً

(الف) **خدمات بطورایجنٹ :** (۱) مختلف مالیاتی دستاویزات کا حصول اور ادائیگی مثلاً چیک ،بل وغیرہ (۲) رقم کی منتقلی (۳) قسطوں ،قرضوں اور پریمیوں کی ادائیگی (۴) وصیتوں کے نفاد کی ذمہ داری (۵) کسی شخص کے لیے شیئر وغیرہ کی خرید وفروخت (۶) Dividend حصولیابی۔

(ب) **خدمات برائے فلاح عام:** (۱) Letter of Credit جاری کرنا (۲) زرمبادلہ میں Dealing کرنا (۳) Safe Deposit کی سہولت مہیا کرنا ((۴) صنعت وتجارت وغیرہ سے متعلق معلومات (درخواست پر) بہم پہنچانا (۵) کسی دوسری غیر سودی بینک کی جانب سے کسی صنعت کا روغیرہ کو مہیا کی گئی رقم کی واپسی کی تحریری یقین دہائی دینا (Underwriting)

سودی بینکس جہاں پیداواری مقاصد Productive Purpose کے لیے قرض دیتی ہے وہیں غیر پیداواری مقاصد (Unproductive Purpose) کے لیے بھی قرض دیتی ہے ۔بعض حضرات گھر کی تعمیر یا خریدنے کے لیے یا سامان تعیش مثلاً کار،ٹی وی وغیرہ پیداواری مقاصد خرید کے لئے قرض لیتے ہیں ۔دیہاتوں میں آج بھی ساہوکاروں سے بھاری سود پر بعض لوگ شادی بیاہ جیسے اخراجات کے لئے قرض لیتے ہیں ۔ایسے قرضوں میں بینک کو بھاری سود ملتا ہے۔ لوگ نام ونمود کے لیے یا (سامان تعیش کی) حرص وہوس جیسی اپنی کمزوریوں کے لیے بھاری سود پر بینک سے قرض لیتے ہیں ،بینک ایسے قرض خواہوں کا بھرپور استحصال کرنے اپنا نفع بڑھاتی ہے۔غیر سودی اسلامی بینکوں میں قرض خواہوں کے ایسے استحصال کی تقریباً نہیں کے برابر گنجائش ہوسکتی ہے۔دوم یہ کہ سودی بینک کا سرمایہ چونکہ

غیر پیداواری قرضوں پر صرف ہوگیاہے پیداواری قرض کم ہوتے ہیں جس سے قو می پیداوارمتاثر ہوتی ہے۔

''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' میں اعلیٰ حضرت نے جو چوتھا نکتہ پیش کیا ہے وہ علم دین کا حاصل کرنا اوراس پر عمل کرنا ہے ۔آپ نے اسے ضروری قرار دیا ہے۔نکتہ اول کے تین نکات کی اساس ہے۔علم دین کا حصول اور اس پر عمل ہی اللہ کی وہ رسّی ہے جو بقیہ تین نکات کو باندھ کر رکھ سکتی ہے اور انھیں اس قابل بنا سکتی ہے جس سے معیشت کو بھر پور فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ نکتہ ایک مسلمان میں اچھے برے کی اور حلال حرام کی تمیز پیدا کرے گا ۔شریعت کے معاشی ابواب کے مطالعہ سے شرکت اورمضاربت جیسے طریقوں کی فہم اس میں پیدا ہوگی جس سے اس کے لیے Investment کے ایسے کئی راستے کھل سکتے ہیں جن سے اس کی حلال آمدنی میں اضافہ ہوسکتا ہے، جب کہ بچت کرنے لئے سودی بینک صرف ایک راستہ ہی کھولتا ہے وہ ہے سود کا راستہ جسے شریعت حرام قرار دیتی ہے۔

اس چوتھے نکتہ کا تعلق حصول علم سے ہے۔علم دو طرح کے ہو سکتے ہیں، اول: دینی علم۔ دوم: دنیوی علم ۔اعلیٰ حضرت نے دینی علم کے حصول کو ترجیح دی ہے جب کہ آپ کے ایک ہم عصر سر سید احمد خاں نے دنیوی علم پرزیادہ زور دیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیوی علم کی بھی اپنی افادیت ہے۔ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے آپ کو چین جانا پڑے۔بعض مفکرین کی رائے میں یہ روایت دنیوی علم کے حصول کی ترغیب دیتی ہے کیوں کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی چین میں علم دین کا ایسا کوئی مرکز قائم نہیں ہوسکا جو اسلامی مما لک کے مدرسوں کو آنکھیں دکھا سکے۔ ہاں! دنیوی علم میں اس کے مدارس کا آج وہ مقام ہے کہ دنیا بھر کے طلبہ حصول علم کے لیے چین کا سفر کررہے ہیں چنانچہ دنیوی علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاتا سکتا ،لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کے حالات ایسے نہیں تھے جس میں علم دین پر دنیوی علم کو ترجیح دی جاتی ۔عام مسلمانوں کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔انگریزی نظام نے انھیں قلاش بنا دیا تھا۔بھوک اور بیماری جیسی آفتیں ان کے سروں پر منڈلا رہی تھیں۔ان آفتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھنااور اپنے وجودکو بنائے رکھنا بہت آسان نہیں تھا۔ان حالات میں سر سید احمد خاں اپنا ایک نکاتی پروگرام لے کر اٹھتے ہیں اور وہ تھا دنیوی علم کا حصول ۔ جب کہ اعلیٰ حضرت

کا بھی ایک ہی نکاتی پروگرام تھا دین کے ساتھ معاشی فلاح ۔قوم نے سرسید احمد خاں کے مِشن پر لبیک کہا، اعلیٰ حضرت کے مشن کو وہ توجہ حاصل نہیں ہوسکی جس کا یہ متقاضی تھا، اس کے باجود ہندستان کے مسلمانوں کی تعلیمی کیفیت آج کیا ہے وہ سچر کمیٹی کی رپورٹ سے پوچھیے ۔آج بھی مسلمانوں کی شرح خواندگی اطمینان بخش نہیں ہے۔جس کی تصویر اس مقالے کے ابتدائی صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے۔دنیوی علم کی اہمیت سے انکار کیے بغیر ایک سوال میرے ذہن کو کچوکے لگا رہا ہے کہ اس زمانے میں سرسید احمد خاں کے تعلیمی مشن اور اعلیٰ حضرت کی معاشی فلاح کی تدبیر کے درمیان ایک کو ترجیح دینے میں کہیں قوم نے غلطی تو نہیں کی تھی۔

قوم کی معاشی پسماندگی کا تقاضہ یہ تھا کہ پہلے دین کی محفوظ زمین پر معیشت کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا جاتا پھر اس قلعہ میں عصری علوم کے بلند و بالا مینار کھڑے کیے جاتے تو شاید آج مسلمانوں کی حالت اتنی بری نہ ہوتی ۔مشاہدہ ہے کہ شرعی ماحول میں رہ کر جن خاندانوں نے معاشی استحکام حاصل کیا ہے،ان کی آئندہ نسلوں میں دنیوی علوم کے وہ مینار رہے ہیں جنھیں دیکھ کر رشک آتا ہے۔ اور وہ خاندان جنھیں معاشی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔دنیوی علوم کے حصول میں ان کی آئندہ نسلیں بھی ریس کا گھوڑا ثابت نہ ہوسکیں، یہ بھی مشاہدہ ہے کہ آخرالذکر نسلیں اول الذکر نسلوں کے یہاں معمولی کلرک کے طور پر روٹی حاصل کرنے میں جُٹی ہوئی ہیں۔شرعی حدود و قیود میں رہ کر جن درختوں نے معاشی استحکام حاصل کیا ہے دنیوی علوم میں ان کی شاخیں زیادہ ہی اونچی جاتی ہیں اور زیادہ ہی ثمر آور ثابت ہوتی ہیں۔

ممکن ہے بعض لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں ۔ممکن ہے کہ بعض لوگ بھوکے رہ کر بھی دنیوی علم حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ دنیوی علوم کی کسی اونچی منزل تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوئے ہوں۔ایسے باعزم افراد کسی سرسید کے محتاج نہیں ہوتے ۔کسی سرسید کے بغیر بھی یہ بہت اونچا اڑ سکتے ہیں۔سرسید کی اتنی تگ ودو کے باوجود آج بھی مسلمان تعلیم کے اس آسمان سے بہت نیچے ہیں جہاں برادرانِ وطن کہیں زیادہ تعدا میں چمک رہے ہیں۔آخر یہ فرق کیوں؟ میری نظر میں اس کا بنیادی سبب ہے معاشی استحکام ،مسلمانوں کے مقابلے میں برادرانِ وطن کی مالی حالت کہیں زیادہ مستحکم ہے اس لیے دنیوی علوم میں وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔

سرسید کے تعلیمی مشن نے مسلمانوں کا ایک اور زبردست نقصان کیا ہے۔چونکہ

مت۔سچر کمیٹی کی رپورٹ پڑھیے۔ جیسا کہ اولین سطروں میں سچر کمیٹی کی رپورٹ کے حوالے سے بتایا گیا ہے۔مدرسہ جانے والے طلبہ کی تعداد محض تین فی صد ہے یہ بھی ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔سر سید کا عصری تعلیم کا فیصلہ ایک اور نقصان کا سبب بنا ہے۔انھوں نے انگریزی تعلیم کو راہ دی ہے جس کے سبب مسلمانوں نے اسلامی کلچر کھویا ہے اور ہندستان نے ہندوستانی کلچر۔

آج بھی مسلمان معاشی طور پر (باعتبار مجموعی) بہت پسماندہ ہیں۔تعلیم کے محاذ پر بھی ان کی کاردگی اطمینان بخش نہیں ہے، کہیں یہ مجدد عصر کی تعلیمات سے رُوگرداں ہونے کی سزا تو نہیں مل رہی ہے، اس قوم کو۔

ایک بار پھر عرض کرنا چاہوں گا کہ دنیوی تعلیم کی اپنی اہمیت ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔لیکن میری نظر میں علم دین اس سے کم اہم نہیں ہے۔ اس لیے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی تعلیم کے اداروں میں دنیوی تعلیم کا اور اسکولوں کالجوں میں دینی تعلیم کے حصول کا موقعہ طالبان علم کو مہیا کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کی ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کو عمل میں لانے کی بھی تدبیر کی جائے۔اگر ایسا ہوتا ہے تو مسلمانوں کی معاشی پسماندگی بھی دور ہوجائے گی اور آئندہ نسلیں دنیوی تعلیم کے اونچے آسمان میں کثیر تعداد میں ستاروں کے مانند درخشاں نظر آئیں گے۔

عصر حاضر کے نومسلم دانشور ڈاکٹر محمد ہارون نے اعلیٰ حضرت کے ان چارنکاتی پروگرام پر اپنا تبصراتی اظہارِخیال چھ مقالوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔آپ نے اس پروگرام کو قوم مسلم کی بحالی کا واحد حل بتلایا ہے۔موصوف نے اعلیٰ حضرت کے اس چارنکاتی پروگرام کو مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام معاشی مسائل کا حل قرادیا ہے۔آپ مزید اظہارِ خیال فرماتے ہیں کہ منصوبۂ رضا ہر عہد، ہر ملک کے مسلمانوں یہاں تک کہ عالم انسانیت کے لیے ایک کلید اور فلاح ونجات کا واحد راستہ ہے۔موصوف کے مطابق یہ چارنکاتی پروگرام:

(۱) لبرل اور سیکولر اسٹیٹس (ہند اور برطانیہ) میں بہ آسانی قابل عمل ہے۔

(۲) مسلم مما لک میں بہت آسانی سے نافذ ہوسکتا ہے۔مشترکہ مسلم منڈی کے قیام میں بھی مددگار ثابت ہوسکتا ہے اور مغربی طاقتوں کی دخل اندازی سے بھی مسلم مما لک کو محفوظ رکھا سکتا ہے۔(۳) الجزائر (ایک ناکام اسٹیٹ) کو کامیابی سے ہم کنار کرسکتا ہے۔

(۴) کسی بڑی سیاسی تحریک ،سیاسی دخل اندازی یا مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کے بغیر تھوڑی سی سیاسی سرگرمی سے وقار بحال ہوسکتا ہے۔

(۵) آپ کا مذکورہ پروگرام سرکاری ملازمت کی بجائے خود کی حرفت وتجارت پر زور دیتا ہے۔

(۶) یہ پروگرام ایسے علاقے میں جہاں مسلمان کثیر تعداد میں رہتے ہیں، ان علاقوں کو معاشی طور پر مضبوط کرسکتا ہے۔ان علاقوں میں علماء صلحاء ملت کی قیادت کرسکیں گے۔

(۷) اس پروگرام میں شامل آپ کا ہرنکتہ مذہب سے ہم آہنگ اور مذہب سے ہی مرتکز ہے۔

ہند وپاک کے ماہر معاشیات پروفیسر رفیع اللہ صدیقی تحریر فرماتے ہیں:''موجودہ صدی کا ربع اول وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے علما،لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے ۔اُس دور میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں۔ جو آجبھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور امام احمد رضا بریلوی کی ژرف نگاہی کی شاہد ہیں ۔''۔۔۔۔۔مزید لکھتے ہیں: '' جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہے اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہِ مردِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء میں دکھادی تھی۔''

آپ کے معاشی نظریات کمیونزم کے لادینی معاشی نظام کے بالکل برعکس ہیں ۔جن سے انفرادی آزادی مقید ہوکر رہ جاتی ہے۔اسی طرح سے یہ نظام معاشی سرگرمیوں کی آزادی کی ضمانت تو دیتا ہے لیکن آج کے سرمایہ دارنہ نظام کی طرح اخلاقی ضابطوں سے آزاد شتر بے مہار نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریات کے محور پر گردش ہے۔

خلافت عثمانیہ جب تک قائم تھی دنیا بھر میں مسلمانوں کا ایک سیاسی وقار ودبدبہ تھا۔ اس کے خاتمے کے بعد مسلم مملکتیں ٹوٹے ہوئے ہار کی موتیوں کی طرح بکھر کررہ گئیں نیتجتاً پوری دنیا میں مسلمان اور مسلم مملکتیں بے وقعت ہونا شروع ہوگئیں۔ ایسے حالات میں اعلیٰ حضرت کے چار نکاتی پروگرام کی ضرورت اور زیادہ شدت سے محسوس ہوتی ہے۔آپ کے اس پروگرام کی مدد سے مسلم آئی لینڈ (علاحدہ اسلامی سماج ) کے قیام میں بڑی مدد مل سکتی تھی ۔ اعلیٰ حضرت مسلم آئی لینڈ کے قیام پر زور دیتے تھے نہ کہ اسلامی اسٹیٹ کے قیام پر۔

مومنانہ فراست ، نگاہِ ولایت، جبلی صلاحیت، فطری مہارت ،وسیع تر بصیرت، دردمندئ ملت، وسیع تر مطالعہ، بے پناہ یادداشت، دوراندیشی اور باریک بینی وژرف نگاہی

کسی ایک فرد میں یہ تمام خوبیاں یکجا ہوجائیں ،ایسا کم ہی ہوتا ہے لیکن ایسا ہوبھی سکتا ہے اور ہوابھی ہے ۔ امام اہلسنّت فاضل بریلوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) میں اتنی تمام خوبیاں یکجا ہوگئیں تھیں تمام خوبیوں نے آپ کو نہ صرف علم دین کے مجدد کا منصب عطا کیا ہے۔ بلکہ علم معاشیات کے جن جن نظریات پر آپ نے خامہ فرسائی کی ہے ان میں بھی ''مجددِ علم معاشیات'' کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

## کتابیات

(۱) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن۔مترجم اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں بریلوی۔
(۲) فتاویٰ رضویہ، جلدہفتم ۔از:اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں محدث بریلوی؛طبع ممبئی۔
(۳) تدبیر فلاح ونجات واصلاح۔از:اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں محدث بریلوی؛تقدیم : پروفیسرمحمد رفیع اللہ صدیقی (کوئنز یونیورسٹی کینیڈا) ناشرنوری مشن مالیگاؤں۔
(۴) کرنسی نوٹ کے مسائل (کفل الفقیہ )۔از:امام احمد رضاخاں محدث بریلوی؛طبع بائسی بہار۔
(۵) ماہنامہ کنزالایمان دہلی فروری ۲۰۰۱ء، مقالہ: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔
(۶)نشانِ راہ (مضمون :اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور معاشیات ) از ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی؛ ترتیب وتحقیق: محمد ضیاء الحق نقش بندی
(۷) امام احمد رضامحدث بریلوی کا عظیم اصلاحی منصوبہ از: پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون (کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ) ترجمہ: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، طبع بریلی۔
(۸) سالنامہ یادگاررضا ۱۴۳۰ھ - ۲۰۰۹ء :مؤسس الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی(مقالہ: امام احمد رضااور معاشی نظام )ازمحمد ہاشم اعظمی مصباحی ،طبع ممبئی۔
(۹) روز نامہ انقلاب (ممبئی ) ۱ / جنوری ۲۰۱۰ء (مضمون :مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی، ایک لمحۂ فکریہ)ازامتیازمرچینٹ،اسلامی تجارۃ ریسرچ ٹیم ممبئی۔
(10) An Introduction to positive Economics — By: RG Lipsey
(11) Economics — By: Samuelson
(12) Modern Banking — By: R.S Sayers (Seventh Edition)
(13) Indian Banking — By: S.K Ghosh
(14) Modern Economic Theory — By: K.K Dewett & A. Chand
(15) Sacher Committee Report
(۱۶) بلاسودی بینک پر ایک مضمون؛ ابوذر انصاری، مالیگاؤں۔

☆☆☆

# امام احمد رضا کے معاشی نکات
# جدید معاشیات کے آئینے میں

{پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی ایم۔اے ایم۔ایس (کوئینز یونیورسٹی کینیڈا)}

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی پر جو تحقیقی کام کیا ہے وہ علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ اپنی تحقیق کے دوران ڈاکٹر مسعود کی دور رس نگاہیں مولانا احمد رضا خاں کے ان نکات کی طرف مرتکز ہوگئیں جو انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بد حالی کو دور کرنے کے لیے اپنے رسالے تدبیر فلاح ونجات واصلاح میں تحریر فرمائے اور جو ۱۹۱۲ء/۱۳۲۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔

۲۔بمبئی ،کلکتہ ،رنگون، مدارس،حیدرآباد، دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳۔مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر مختصر ہیں لیکن ان میں معانی کا جو ذخیرہ پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے منتخب فرمایا ہے کہ میں بحیثیت معاشیات کے طالب علم ان نکات کی وضاحت کروں۔ یہ کام بہت بڑا ہے اگرچہ گذشتہ بیس سال سے معاشیات پر درس دے رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ میرا علم بہت محدود ہے۔ اپنے احساساتِ کو قلمبند کرنے کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ پھر بھی میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان نکات کی وضاحت کرنے کی پوری پوری کوشش کروں۔

علاّمہ اقبال نے فرمایا ہے۔

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا مومن کی فراست ہوتو کافی ہے اشارہ

بلا شبہ مومن کے اشارے میں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہان معنی پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان نِکات پر بحث کروں، بطّور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ نکات شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک۔ مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔ معاشیات پر باقاعدہً کتابیں لکھی جاچکی تھیں اور لکھی جارہی ہیں لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۳۰، ۱۹۲۹ء کی عظیم عالمی سرد بازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ امریکہ میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں معاشیات کے طلباء کی تعداد بہت کم تھی۔ خواتین خصوصاً یہ مضمون پڑھنے سے کتراتی تھیں۔ لیکن ۱۹۴۰ء اور اس کے بعد حالات یک لخت بدل گئے اور معاشیات کے طلباء کی تعداد میں بے اندازہ اضافہ ہوا، اور اب تو امریکی ماہرینِ تعلیم اس بات پر غور کررہے ہیں کہ پرائمری سطح پر ہی سے طلباء کو معاشیات کی تعلیم دی جائے۔

بہر حال یہ امر واقع ہے کہ علم اقتصادیات میں عوام اور حکومتوں کی دلچسپی کا آغاز ۳۰۔ ۱۹۲۹ء کی عالمی سرد بازاری کی وجہ سے ہوا۔ کساد بازاری کو قابو میں لانے کے لیے کلاسیکی نظریات موجود تھے لیکن اس عظیم عالمی کساد بازاری نے ان نظریات کو باطل کردیا اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ایک ایسے نئے نظریہ کی ضرورت ہے جو اس کساد بازاری پر قابو پانے میں مدد دے سکے۔ بالآخر ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز (J.M.KEYNES) نے اپنا مشہور زمانہ نظریہ روزگار و آمدنی پیش کیا جو اقتصادیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا۔ اس نقلابی نظریہ نے حکومتوں کو اس قابل کردیا کہ وہ اس عالمی سرد بازاری پر مکمل قابو پالیں۔ کینز کو ان کی خدمات کے صلہ میں تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا جو کسی بھی انگریز کے لیے اعلیٰ ترین خطاب ہے اور باعثِ افتخار۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کرلیں کہ جدید اقتصادیات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہِ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ ہی میں دکھا دی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نکات پر غور وفکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمانان ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔

آیئے اب ان نکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا بریلوی کے ان نکات کی تعداد چار ہے۔ جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج واشاعت سے متعلق ہے۔

۱۔ **پہلا نکتہ ہے:** ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تا کہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہورہے پس انداز ہوسکیں۔

اس نکتے میں اہم بات پس اندازی ہے فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی کردی تھی۔ جدید ماہر اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برّصغیر کے مسلمانوں کی بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کئے ۔یو۔ پی۔ میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں ۱۴ فی صد تھی لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باغرت اور پروقار زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یوپی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی ۔زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم ازکم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے۔ لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے ۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے

سلسلے میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے یوپی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کرکے بھرپور وار کیا اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پہ کئے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہورہا تھا کاش کہ اگر بچایا جا سکتا تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی اور معاملات باہمی صلاح ومشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی کیونکہ انہیں احساس تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی دور کرنے کا یہی بہتر علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اخراجات یکسر ختم کردیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۳۶ء میں کینز نے اپنا نظریہ روزگار و آمدنی پیش کرکے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔ اس کے نظریہ کی اہم ترین مساوات میں بچت اور سرمایہ کاری سب سے اہم متغیرات (variables) ہیں۔ اس کے نزدیک معیشت میں اقتصادی توازن کے لیے یہ شرط ہے کہ

**بچت=سرمایہ کاری** SAVING=INVESTMENT

جب تک یہ شرط پوری ہوتی رہے گی سرمایہ دارانہ معیشت میں توازن رہے گا لیکن جہاں ان دونوں میں عدم مساوات پیدا ہوئی معیشت کا توازن بگڑ جائے گا۔ یا تو معاشرہ کساد بازاری کا شکار ہوجائے گا یا افراطِ زر کا۔ دونوں ہی صورتیں سماجی، سیاسی اور اقتصادی نقطہ نظر سے خطرناک ہیں۔ لہذا کوشش اس بات کی ضروری ہے کہ بچت اور سرمایہ کاری میں توازن برقرار رہے۔ فردیا افراد کے لئے یہ توازن لانا بے حد مشکل ہے۔ لہذا کینز نے حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ معاشی افعال میں بھرپور حصّہ لیں۔ اب تک ماہرین معاشیات حکومتوں کو چند ضروری شعبوں (مثلاً دفاع، پولیس، صحت، تعلیم اور رسل ورسائل

وغیرہ) میں حصہ لینے کے علاوہ باقی شعبوں سے دور رہنے کی تجاویز دیتے تھے تاکہ معاشرہ میں فرد کی اقتصادی آزادی متاثر نہ ہو۔حکومتیں اس پر عمل بھی کرتی تھیں۔لیکن ۳۰۔۱۹۲۹ء کی عالمی کساد بازاری نے قدیم ماہر معاشیات کے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ادھر کنیز کے مشورہ پر عمل کیا گیا۔حکومتوں نے معیشت کے ہر شعبے میں بھر پور حصّہ لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو کساد بازاری سے نجات مل گئی اور...... کنیز کو انگلینڈ کا اعلیٰ ترین اعزاز ملا۔

موجوہ دور، اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں ۔ان منصوبوں کی میعاد عمومًا ۵ سال ہوتی ہے۔ انقلاب روس کے بعد کمیونسٹ ماہرین اقتصادیات نے روس کی معاشی ترقی کے لیے پنج سالہ ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا۔آج پسماندہ ممالک بھی اقتصادی ترقی کی دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں۔روس کے بعد بیشتر ترقی پذیر ممالک میں ترقیاتی منصوبوں کو مقبولیت بخشی ہے اور ان ممالک میں اقتصادیات کے ماہرین ملکی وسائل کو مدّنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندیوں میں مشغول ہیں۔ جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیگر اور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔منصوبوں کے لیے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے:

(۱)ملکی بچت (۲)قرضے

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حسب ضرورت ملک کی مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا رہے۔لیکن یہ طریقہ ارزاں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے اس سے ملک میں افراطِ زر آجاتا ہے اور اگر افراطِ زر پر حکومت جلد قابو نہ پاسکے تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہوتی ہے۔

لہذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔پسماندہ ممالک میں بچت کی شرح بہت کم ہے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں بچت کی اہلیت بہت کم ہے کیونکہ ان کی آمدنیاں بے حد قلیل ہیں۔ اگر افراد کی آمدنیوں میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا بھی ہے تو افرادا سے اشیائے صرف پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فی صد سے ۸ فی صد ہے۔ جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فی صد سے ۱۸ فی صد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فی صد حصّہ سرمایہ کاری کے لیے خرچ کرتے ہیں جب کہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم ازکم ۱۵ فی صد سرمایہ کاری کے لیے وقف کر دیا جائے۔

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کینیز کی مشہور زمانہ مساوات (Equetion) کے مطابق

**بچت=سرمایہ کاری:** اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار بیحدست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک (Collin Clark) نے بھارت، چین اور پاکستان کے لیے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم ازکم قومی آمدنی کا ۱۲ فی صد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، بچت میں اضافے کے لیے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچیوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لیے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصلکرنے کا بہترین طریقہ ملکی بچت کا ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرااس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جب کہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے۔

کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں۔

کنیز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے۔اس بناء پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کرلی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کر واچکے تھے۔لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرّہ برابر توجہ نہیں دی۔

(۲) اب آیئے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا۔

بمبئی ،کلکتہ ،رنگون، مدراس ،حیدرآباد کن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

یہ نکتہ معاشی نقطہ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خاں کی اقتصادی سمجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگالینا کوئی آسان بات نہ تھی لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مضرت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خاں نے اپنی دیگر کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔لہذا یہ امر یہاں واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔

جدید اقتصادی ڈھانچے بینکنگ بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ ایک مستحکم بینکنگ نظام ملکی معیشت کو تازہ صحت مند خون فراہم کرتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔آج کا معاشی نظام بغیر بینکنگ کے عضو معطل ہو کر رہ جائے گا۔اسی وجہ سے موجودہ اقتصادی نظام کو ایک (Compound Interst System) کہا جاتا ہے۔یعنی ایک ایسا نظام جس کی بنیاد سود مرکب پر ہے۔ایسے نظام میں بینکوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اقتصادی منصوبہ بندی میں سرمایہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔کوئی اقتصادی منصوبہ

خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو بغیر سرمایہ کے تکمیل کے مراحل طے نہیں کر سکتا ۔اقتصادی ترقیاتی منصوبوں میں بینکوں کے سپرد یہ اہم کام ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ کی قلت کو دور کریں اور بچت اور سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کریں ۔ایک مضبوط بینکنگ نظام چھوٹی چھوٹی بچتوں کو اس طرح یک جا کر کے کام میں لاتا ہے کہ اس کے ذریعے بڑے بڑے اقتصادی منصوبے پایہ تکمیل کو جا پہونچتے ہیں۔اس طرح بینک دو اہم فرائض انجام دیتے ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کی چھوٹی یا بڑی رقمیں جمع کرتے ہیں۔

(۲)ان رقموں کو ایسے افراد کو قرض پر دے دیتے ہیں کہ جو انہیں پیداواری کاموں پر صرف کر سکیں ۔ پیداواری کاموں سے مراد ان کاموں سے ہے جن کا نتیجہ ایسی اشیاء وخدمات کی پیدائش میں ہوتا ہے جو مستقبل کی پیدائش دولت میں ممدومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

تو گویا بینکوں کی اہمیت موجودہ معاشرہ میں مسلّم ہے۔قائدِ اعظم انتہائی دور اندیش اور مدبرّ سیاست دان تھے۔قیام پاکستان سے قبل یہ بات ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لیے ایک مضبوط بینک کی سخت ضرورت ہے جو مسلمانوں کی ملکیت ہو۔لہذا انہوں نے اس بات پر بے حد اصرار کیا کہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا بینک فوری طور پر قائم کیا جائے انہوں نے فرمایا کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ ہے لیکن اس کے باوجود صرف ایک بینک (حبیب بینک ) مسلمانوں کا ہے جب کہ ملک میں سینکڑوں بینک سرگرم عمل ہیں۔جن کی ملکیت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔قائدِ اعظم کے مسلسل اصرار سے متاثر ہوکر مرحوم سر آدم جی داؤ داور مرزا احمد اصفہانی نے جن کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو کلکتہ میں مسلم کمرشیل بینک قائم کیا۔تقسیم ہند کے بعد اس بینک کے دفاتر پاکستان منتقل کر دیئے گئے اور بہت جلد اس بینک نے اپنی شاخیں پاکستان کے اہم شہروں میں قائم کر دیں اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کی معاشی سرگرمیوں میں یہ بینک انتہائی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں:

(۱) بچت(Saving) (۲) زر کی ذخیرہ اندوزی(Hoarding)

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جن میں سے وہ اسی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہوگی ۔یہی حال قوموں کا ہے۔اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بینکوں میں جمع کرا سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے۔لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے پاس ہی رکھیں تو یہ صورت (Hoarding) کہلائے گی۔بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لئے مختلف ہے کہ مؤخرالذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت بینکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسکیم میں لگائیں گے۔ اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا۔لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہوجائے گی کیونکہ کنیز کی مساوات ۔

بچت = سرمایہ کاری

غیر متوازن ہوگئی ۔ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراطِ زر پیدا ہوجائے گا یا کساد بازاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد وملکی وسائل بے روز گار و بے اثر ہوجائیں گے جس میں معاشرہ میں شمار سماجی برائیاں پیدا ہوجائیں گی۔

اب بچت اور بینک کا تعلق قارئین پر واضح ہوگیا ہوگا اور انہیں یہ اندازہ ہوگا کہ موجودہ معیشت میں بچت اور بینک ہماری اقتصادی زندگی کے لیے کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔بچت اور بینک آج کی دنیا میں دو ایسے الفاظ ہیں جن سے ہماری معاشرے کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے۔ٹیلی ویژن دیکھئے ،ریڈیو سنئیے ، یا اخبارات کا مطالعہ کیجئے آپ کو ہر قدم پر ان دونوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائینگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں

بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں۔ اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا۔ ہندو مجبور ہو گیا تھا کہ وہ برّصغیر کی تقسیم کو قبول کر لے لیکن وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ معاشی طور پر پاکستان کی زندگی چند روزہ ہے۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی، پاکستان کے خزانے خالی تھے۔ صنعت اور بینکنگ میں مسلمان ناتجربہ کار تھے۔ اس میدان میں گویا ایک خلا تھا جس کو تیزی کے ساتھ پر کرنا انتہائی ضروری تھا۔ پاکستان کے ارباب اقتدار کو اس خلا کو پُر کرنے کے لیے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ بے شمار تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ خدا کے فضل و کرم سے حالات پر قابو پا لیا گیا۔ آخر تو یہ مملکت خداداد تھی جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برّصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مرد مومن نے تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے یہی بات ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظم نے دوہرائی۔ اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برّصغیر کے مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برّصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانان عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔آپ نے فرمایا تھا۔
(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔
**ذرا اس نکتہ پر غور فرمائیے:** موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ مسلمانوں نے اس عالم دین کے اس زرّیں اصول کو نہ تو سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا عمل کیا اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔
لکھنؤ میں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگِ عظیم زورشور سے جاری تھی۔ اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا۔

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے لے

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی بازگشت تھی۔اس شعر نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے خریدوفروخت کرتے دیکھا۔مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود تھے۔لیکن بدقسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم،اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا، نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرور محسوس کی۔اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دوررس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خریدوفروخت کرنے لگتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کو مقابلے میں پست ہوتے۔
معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہئے یا اس پر پابندیاں ضروری ہیں۔تامین (Protection) کے خلاف اور موافقت میں بڑے بڑے یوروپین اور امریکی ماہرین

معاشیات نے دلائل پیش کئے ہیں۔آدم سمتھ(Adam Smith) کو جسے معاشیات کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔آزاد بین الاقوامی تجارت کا سب سے بڑا حامی سمجھا جاتا ہے۔آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء وخدمات کی آمد ورفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تامین وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لیے دیتی ہے۔آدم سمتھ کی کتاب دولت اقوام ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔۱۷۹۱ء میں امریکہ کے ایک سیاست دان الیگزینڈر ہملٹن (Alexander Hamilton)نے تامین کی پالیسی کی پرزور حمایت کی اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت، جرمنی میں فریڈرک فسٹ نے تامین کی حمایت میں پرزور دلائل دیئے۔

سب سے پرزور دلیل جو تامین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے۔ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تامین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک میں ہی رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو تامین کے حق میں دیئے گئے ہیں مگر صرف مندرجہ بالا دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برّصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کردیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں انتہائی مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ صرف ۳۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ کہ انہوں نے کیا گم کر دیا ہے حکومت ختم ہوچکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہلِ نظر اور اہل علم مسلمانوں کو پالیسیاں وضع کرنی تھیں۔تعلیمی سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم

عمل تھے۔مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدو جہد تیز ہوتی جارہی تھی۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنےمعاشی نکات پیش کئے جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی غور وفکرنہیں کیا تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لیے مغربی علماء کا سہارا لے رہے تھے اوراس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کے اپنی غربت وافلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے باعزّت زندگی بسر نے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔بنیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جائے۔مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بیعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید وفروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکا نداروں کے لیے مسلمان بھائیوں سے تامین کی اپیل کی۔مسلمان دوکا نداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اس صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سر پرستی کریں۔یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ نہیں دیتا تھا۔ بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانانِ ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا کرتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکا نداروں کے پاس جاتا۔اپنے طور پر مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کار سے زائد اشیا خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کا

رزیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا ،اشیاء کو پیدا کرنے کے لیے وسائل کی پیدائش کی کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین ،محنت اور سرمائے کی۔مسلمان صنعت کا رجب اشیا کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاش روزگار میں سر گرداں تھے ملازمتیں حاصل کرتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بینک قائم کریں۔بینک جن کا اولین مقصد پیداواری کاموں کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

کنیز کے نظریہ روزگار و آمدنی میں موثر طلب (Effective Demand) بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتہ میں موثر طلب کا خیال واضح طور پر موجود ہے۔سارا کریڈٹ کنیز کو جاتا ہے اور ہم اپنے عالم کے ارشادات سے قطعاً بے خبر مغربی ماہرین معاشیات کو داد دیتے رہتے ہیں۔قسمت کی اس ستم ظریفی کو ہم کیا نام دیں گے۔خوان نعمت ہمارے سامنے لگا ہوا ہے لیکن ہماری نگاہیں مغرب کی ڈنر ٹیبل پر لگی ہوئی ہیں۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی،فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ برباد ہو گئے تھے۔خصوصا جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی بندر بانٹ ہوئی۔ایک حصّہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔جرمنی دو حصّوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ۔وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔لہذا روم

میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یوروپین مشترکہ منڈی(Uropean Common Market) کا قیام عمل میں آیا جو چھ مغربی یورپی ملکوں پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کارفرما تھا وہ بعینہ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں ۔معاہدہ روم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا ان شرائط وضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے۔منڈی کے اراکینممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی مستحق ہوں گی۔ جو اشیاء منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں انہیں باہر سے نہیں منگوایا جائے گا۔زیادہ سے زیادہ خرید وفروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط پر قائم ہوئی۔مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہوگئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کا مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

یورپین مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی کی معاشیات نے ایک نئی شاخ کو جنم دیا جسے ہم (Theory of Economic Integeration)کے نام سے جانتے ہیں۔اس پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔

مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی سے متاثر ہوکر یورپ کے تقریباً دس ممالک نے جس میں برطانیہ بھی شامل تھا ایک یوروپین فری ٹریڈ ایریا (European Free Trade Area) قائم کرلیا لیکن وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو یوروپین مشترکہ منڈی کو ہوئی

۔پاکستان ،ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔سی۔ڈی کے نام سے جانتے ہیں ۔انہیں خطوط پر تھا لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جس کی توقع کی جاتی تھی ۔آر۔سی۔ڈی کو کامیاب بنانے کے لیے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس اپریل ۱۹۷۶ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی ۔لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدقِ اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لیے کوشش کریں تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً وہی کامیابی ملتی جو یوروپین مشترکہ منڈی کے حصّے میں آئی ۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لیے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظرانداز کر دیا اسے ہم صرف اپنی بدنصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔یا پھر یہ کہ معاشرتی،سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبرانِ ملّت ایسے الجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابل افسوس امر ہے۔ جب کہ ان کی ہدایت کے لیے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں وضح فرمادیئے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق (یہ نکتہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملّی تصلب سے پیدا ہوتا اور قومی تصلّب وعصبیت کے لیے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے متعلق ہے۔(ادارہ) نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔آپ نے فرمایا کہ:

(۴)علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصطلاحات کی کوششیں رنگ لا رہی تھیں ۔مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔انگریزی تعلیم کا حصول بذاتِ خود ایک اچھی بات تھی۔مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ

طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویشناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوّا ہنس کی چال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت وانفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہو گا کہ:۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصل صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اکبر الہٰ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز وتند نشتروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا اور انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو۔تمہارا سب سے بڑا خزانہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے۔لیکن رفارم کا چکّر اتنا تیز کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکبر الہٰ آبادی نے فرمایا کہ:۔

سیّد اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

اور یہ کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینیوں کا ایسا متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے،تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب سے بیگانگی برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ واران کے گرد جمع ہو گئے۔اسلامی غیرت وحمیت اس وقت بھی مسلمانانِ ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ان کی ثقافت وتہذیب ہندوؤں سے مختلف ہے مگر بدنصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آ گئی مگر ترویج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی ۔ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لیے برّصغیر کے مسلمانوں نے کس لیے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹالی گئی۔اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہوگئی۔ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ہم نے خود کوصوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اوّل و آخر صرف مسلمان ہیں۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تقلید میں دیوانی ہوئی جارہی ہے۔اسلامی تعلیم ،اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کردی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔بقولِ شاعرمشرق علاّمہ اقبال:۔

ذرا نم ہوتو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

# امام احمد رضا کے مختصر معاشی نکات

ڈاکٹر علی اشرف چاپدانوی مرحوم، آئی ۱۲۸ پہاڑ پور روڈ (مٹیا برج) کلکتہ -700024

## معاشیات :۔

( Eeonomics) کا لغوی معنی اقتصادیات کا وہ علم ہے جس میں دولت کی پید ائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے۔

دولت کی غیر مصنفانہ تقسیم اور محنت وسرمایہ کی آویزش نے دنیا کی اقتصادی نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے جن لوگوں کی نگاہیں، بین الاقوامی مسائل کا جائزہ لیتی رہتی ہیں وہ اس امر پر متفق ہیں کہ دنیا کا موجودہ ہیجان براہ راست معاشی اور اقتصادی عدم توازن کا نتیجہ ہے جب کسی ملک کی یہ حالت ہو جائے کہ چند افراد ملک کی تمام دولت اور وسائل پر قابض ہو کر عیش ومسرت کی زندگی گزار رہے ہوں اور کروڑوں لوگ افلاس اور تنگدستی سے دم توڑ رہے ہوں تو عوام میں لازماً ہیجان واضطراب پیدا ہوگا۔

۱۹۳۰ء میں جدید اقتصادی نظریات سے عوام اور حکومت کی دلچسپی بیرونی ملکوں میں پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمی کساد بازاری (Great Depression) سے ہوئی کیوں کہ قدیم نظریات ناکام ہونے پر ضرورت اس بات کی ہوئی کہ کساد بازاری پر قابو پایا جائے چنانچہ ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے، ایم کنز John Meynord Keynes نے اپنی مشہور زمانہ تالیف "نظریہ روزگار آمدنی" پیش کی۔

جے۔ایم۔کینز کے نظریہء روزگا آمدنی کے مطابق ہر صارف (Consumer) کی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ صرف (Consumption) کے لیے مختص ہوتا ہے۔ اگر آمدنی اس کی صرف سے زائد ہے، تو وہ صارف کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کر لیتا ہے۔ پس انداز کی گئی یہ رقم (Saving) معیشت میں بڑا اہم رول ادا کر سکتی ہے، چنانچہ آمدنی =صرف پس اندازی (Y=C+S)

اسی طرح سے کینز کے مطابق ہر صناع (Industrialists, Investors, etc) صارف کی

طرح اپنی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ صرف (Consumption) پر خرچ کرتا ہے، اگر اس کی آمدنی صرف سے زائد ہے، تو بقیہ رقم کاروبار میں لگاتا (Investment) ہے۔کاروبار میں لگائی گئی یہ رقم (Investment) معیشت میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے چنانچہ آمدنی =صرف+کاروبار میں لگائی گئی رقم(Y=C+I)

کینز کے مطابق یہ دومساوات نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ (Y=C+S &Y=C+I) نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان دونوں مساوات میں Y اور C مشترک (Common) ہیں، اگر انہیں کٹ کردیا جائے تو S & I بچتے ہیں۔اگر saving Investment سے زیادہ ہو جائے، تو کساد بازاری کی شروعات ہوجاتی ہے، اس کے برعکس اگر Saving Investment سے کم ہو جائے تو معیشت افراط زر کا شکار ہوجاتی ہے، چنانچہ علم معاشیات کے اس نباض (جے۔ایم۔کینز) نے اس بات پر زور دیا کہ Investment اور Saving کا دوسرے کے برابر ہونا ضروری ہے۔ نیز اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ تیز رفتار معاشی ترقی کے لیے Saving میں اضافہ اس طرح جاری رہے کہ Investment بھی اس کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے۔اگر ایسا ہوتا ہے، تو ملک کی معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی جائے گی۔

جے۔ایم۔کینز نے اپنے نظریہ روزگار آمدنی میں ایک نئ معاشی اصطلاح کا بھی استعمال کیا ہے، جسے وہ موثر طلب (Effective Demand) کہتے ہیں۔ اوپر کے سطور میں ہم نے کینز کے دومساوات دیکھے ہیں۔اول Y=C+S اور دوم Y=C+I ان دونوں فارمولوں سے اگر Y کو مشترک Y ہونے کے سبب حذف کردیا جائے تو باقی رہ جاتے ہیں C+S اور C+I,C+S کو اس نے '' کل رسد" یعنی Aggregate Supply اور کو '' کل طلب" یعنی Aggregate Damand کہا ہے۔ جہاں Aggregate Supply اور Aggregate Damand ایک دوسرے کے برابر ہوجاتے ہیں۔وہ مقام ''موثر طلب(Effective Damand)" کی نشاندہی کرتا ہے، ملک میں کتنے لوگوں کو روزگار ملے گا، آمدنی کتنی ہوگی اس کا تعین ''موثر طلب'' ہی کرتا ہے۔ضروری نہیں ہے کہ ایک موثر طلب پر مکمل روزگاری (Full Employment) اور اعلی ترین آمدنی (Maximum

(Income Level) کی نشاندہی کرے۔ اس مقام پر کچھ بے روزگاری (Unemployment) بھی ممکن ہے، چنانچہ آمدنی کی سطح، اعلیٰ ترین آمدنی سے کم بھی ہوسکتی ہے۔

جے۔ ایم۔ کینز نے اپنے نظریہ روزگا وآمدنی میں دو اور معاشی اصطلاحوں کو بہتر ڈھنگ سے متعارف کیا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں ہیں۔ Multiplier اور Multiplier Accelerator کا تعلق کینز کے پہلے فارمولے (Y=C+ s) کے Cاور Sسے ہے۔ یعنی صرف Consumption جتنا زیادہ ہوگا Multiplier کے سبب آمدنی (Y)اور روز گار(Empolyment) میں اس سے زیادہ تیزی سے اضافہ ہوگا۔ اس کے برعکس seving جتنی زیادہ ہوگا اس کے تیز تر منفی اثرات آمدنی اور روزگار پر پڑیں گے۔

اس طرح کا تعلق کینز کے دوسرے فارمولا ( Y = C + I )سے ہے۔ (Investment)یعنی روپیہ کاروبار میں جتنا زیادہ لگایا جائے گا(Accelerator) کے سبب اس سے کہیں زیادہ تیزی سے آمدنی اور روزگار میں اضافہ ہوگا۔

جے۔ ایم۔ کینز کے نظریہ روزگار اور آمدنی کا یہ نہایت مختصر اور ممکنہ حدتک سلیس خاکہ ہے۔ جس پر عمل کرنے سے عالمی کساد بازاری تحلیل ہونا شروع ہوئی اور اس کا مکمل خاتمہ ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ حکومت برطانیہ نے جے۔ ایم۔ کینز کو اس خدمت کے صلے میں "لارڈ" کے عظیم الشان لقب سے سرفراز کیا۔

امام احمد رضا نے علم معاشیات کے جن عنوانات پر قلم اٹھایا ہے، آیئے پہلے اس فہرست پر ایک نظر ڈال لی جائے مثلاً: (۱) احکام الاحکام فی التناول من یدمن مالہ حرام ( اس تحریر میں مال حرام کے ساتھ معاملات اور ان کے نقصانات کی تفصیل ہے )(۲)افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان (ہندوستانی زمین ) کی پیداوار پر شرعی وظیفہ کیا ہے۔ (۳) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (جس میں کرنسی نوٹ کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے )(۴) خیر آلامال فی حکم الکسب والسوال (روزی کمانے، معاش کے حاصل کرنے کے احکام کا ذکر ہے )(۵)''سود ایک بدترین جرم'' نامی کتاب میں امام احمد رضا کے افادات (فرمودات ) کو یکجا کیا گیا ہے۔ (٦) المنی والدررلمن عمد منی آرڈر (اس مضمون میں منی آڈر

کے ذریعہ بھیجی جانے والی رقم اور اس کی فیس سے متعلق شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں)

اسی کا امام احمد رضا نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی، معاشی بد حالی اور اس سے ہونے والی معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کئی نکات پر مشتمل ایک رسالہ بنام 'تدبیر فلاح نجات و اصلاح'' تحریر کیا جو ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس وقت برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں بھی نہیں، جب کہ امام احمد رضا نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء میں ہی دکھادی تھی۔ اقتصادی نکات کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کرے تا کہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپیے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکے۔

(۲) ممبئ، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدآباد، دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۴) علم دین کی ترویج و اشاعت کرے۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں۔ لیکن ان میں معانی کا ذخیرہ پوشیدہ ہے او ہر صاحب بصیرت اس سے آگاہ ہے۔

کینز کا نظریہ لاکھ سائنٹفک سہی لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہا کہ Saving کہاں سے حاصل کی جائے گی اور Investment کے اضافے کی کیا صورت ہوگی۔ مقدمہ بازی پر کیا گیا خرچ مکمل طور پر غیر پیداواری Unproductive ہے، اسے Saving میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ نیز امرا کے پاس جو فاضل رقم پڑی ہوئی ہے، سامان تعیش و رنگ رلیوں پر خرچ ہو کر ضائع ہو جاتی ہے، یہ بھی بڑی حد تک غیر پیداواری Unproductive ہے اسے بھی Saving میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اور ان دونوں سے ایک اچھی خاصی رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔

امام احمد رضا اس بات کے خلاف تھے کہ کوئی قوم اپنے ملک کا خام مال دوسرے ملکوں کو

کوڑیوں کے مول دے اور پھر خود ہی تیار شدہ مال چاندی کے مول خریدے، وہ لکھتے ہیں:
''اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑت کرکے گھڑی وغیرہ کا نام رکھ کر آپ دے کو جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔''(تدبیر فلاح ونجات واصلاح ص:۵)

اس لئے امام احمد رضا خان کا کہنا تھا کہ خام مال کی تیاری کے لیے ملک میں فیکٹریاں لگائی جائیں۔

امام احمد رضا قومی معیشت میں قرض لینے کی عادت کو نہایت ہی مذموم قرار دیتے یہ عادت کسی شخص میں ہو یا جماعت اور حکومت میں ہو اس سے خود اعتمادی اور حمیت وغیرت کی دولت چھن جاتی ہے۔ پوشیدہ صلاحیتیں مردہ ہو کر رہ جاتی ہیں اسی لیے زندہ قومیں قرض لے کر سود در سود کے بندھنوں میں نہیں بندھا کرتیں۔ وہ قرض دیا کرتی ہیں لیا نہیں کرتیں۔ امام احمد رضا کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد تھا:''اوپر والا ہاتھ نیچے سے بہتر ہے۔''یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔جن قوموں نے اس حدیث پر عمل کیا انہوں نے معاشی استحکام حاصل کیا۔

امام احمد رضا آمد وخرچ میں توازن رکھتے بلکہ آمد بڑھانے اور خرچ گھٹانے کے قائل تھے تاکہ فرد و جماعت دونوں معاشی طور پر مستحکم ہوں سیاسی استحکام کا دارومدار معاشی استحکام پر ہے اس لیے دور جدید کی سیاست معاشیات کے گرد گھومتی ہے اہم مسئلہ آمد کا ہے۔ کمانے میں دیر لگتی ہے خرچ کرنے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ اسلام نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے، کفایت شعاری اور پس اندازی کی ترغیب دے کر امام احمد رضا نے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ ان بری عادتوں کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا ہے۔

## بینک Bank:۔

وہ مالیاتی ادارے Financial Insitution جو عوام سے جمع Deposit قبول کرتا ہے اور اس جمع شدہ رقم سے لوگوں کو قرض (Loan) فراہم کرتا ہے اسے بینک کہتے ہیں۔عوام جو رقم بینک میں جمع کرتے ہیں بینک عوام کو ان جمع شدہ رقم پر سود (Interest) ادا

کرتا ہے اور بینک جنھیں قرض (Loan) فراہم کرتا ہے ان سے سود وصول کرتا ہے عوام کی جمع پر دی جانے والی سود کی شرح (Rate of interset) قرض پر وصول کی جانے والی سود کی شرح سے کم ہوتی ہے۔ سود کی ادائیگی اور سود کی وصولی کے فرق کو بینک کا منافع کہتے ہیں۔ کسی بھی مالیاتی ادارے کو ہم بینک نہیں کہہ سکتے ہیں صرف ان مالیاتی ادارے کو بینک کہا جائے گا جو لوگوں سے جمع بھی قبول کرتا ہوا ور قرض بھی فراہم کرتا ہو۔

دور حاصر کا بینک کاری نظام کچھ ایسی مرکزیت حاصل کر چکا ہے کہ آج دنیا کے تقریباً سارے ہی معاشی واقتصادی اموراس کے گرد گردش کرر ہے ہیں۔ بینک کاری کا یہ پور انظام تین بنیادی باتوں پر گردش کر رہا ہے۔

(i) عوام سے مال حاصل کر کے اعلی پیمانے پر تجارت۔

(ii) عوام کو تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے لیے قرض کی فراہمی۔

(iii) ترسیل زراور امانتوں کے تحفظ کا اجارہ۔ ''ترسل زر'' سے مراد ہنڈی، ڈرافت اور سفری چیک (Traveller's Cheque) وغیرہ کا اجرا ہے اور ''امانت'' سے مراد لوگوں کی قیمتی اشیا ہیں۔

بینک کی عظیم افادیت واہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلامی بینک کے ذریعے اپنی دولت کے خزانے اپنے قبضہ میں کر لیں تو اس سے ہمارا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ معاشیات کی دنیا میں ہمارا بھی ایک مقام ہوگا اور اس کے ذریعہ مذہب وملت کے فروغ و استحکام کے قابل قدر کا نامے انجام دیئے جاسکیں گے ان شاء اللہ اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ سودی معاملات کی آلودگی سے ہمارا دامن داغ دار نہ ہوگا۔

## بینک کا سود:

سوائے کرنٹ اکاؤنٹ کے سارے ہی کھاتوں اور اسکیموں میں جمع روپیے پر نفع ملتا ہے اور یہ نفع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سود ہے البتہ ایک صورت میں یہ نفع سود نہ ہوگا وہ یہ کہ کھاتا دار کا کوئی حق مقامی حکومت کے ذمہ آتا ہے مثلاً یہ کہ دینی خدمت انجام دے رہا ہے اور حکومت اسے کوئی وظیفہ نہیں دیتی یا اس نے حکومت سے قرض لیا تھا جس پر اس کو سود دینا پڑا تھا یہ بینک کا وہ نفع اپنے حق کی وصولی کی نیت سے لے سکتا ہے یہ جائز ہے کہ اپنا حق وصول کرنا سود نہیں۔ ضروری بات یہ ہے کہ نفع بینک میں نہ چھوڑے بلکہ اسے وصول کر کے

مسلم فقراء کو دیدے۔سود سے بچنے کی ایک صورت بیع عینیہ ہے ۔امام احمد رضا نے اس بیع کے متعلق یہ تاثر پیش کیا۔رقم طراز ہیں:

عنایہ میں یا قرض دینے سے ردگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہے ورنہ پر بیچنا مکروہ ہوتا۔انتہیٰ۔

بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔اورخریدوفروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں ناموری ہے نہ ثواب۔تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہوگا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اورتعریف فرمائی ۔اورعلامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہا اللہ تعالی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں: امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینیہ جائز اورثواب کا کا نام ہے اس لیے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اورحرام سے بھاگنے کا حیلہ کا کرنا مستحب ہے اور اس لیے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیا۔ اور اس کی تعریف فرمائی۔انتہیٰ۔

اوراس کی روش عبارت سے ظاہر یہ کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنامسحب ہے۔(فتاوی رضویہ:ص:۱۷۶،ج:۷ رسالہ کفل الفقیہ الفاہم)

غیرسودی اسلامی بینک درج ذیل خدمت معاشرے میں پیش کرسکتی ہے۔

**اول:** ڈپازٹ کا حصول: سودی کمرشیل سود کی پیش کش کرکے لوگوں کی فاضل رقومات قبول کرنے کے لیے اپنی خدمت پیش کرتی ہیں۔غیرسودی اسلامی بینک سود کے بجائے نفع اور نقصان میں حصہ داری کی بنیاد پرلوگوں سے اپنی فاضل رقم بطورڈپازت رکھنے کی گزارش کر سکتی ہے۔ اس ذریعہ سے حاصل شدہ رقم ضرورت مندوں میں معاشی پیداواری مقصد (Economic productive Purpose) کے لیے رقم فراہم کرسکتی ہے۔

**دوم:** پیداواری مقصد کے لیے/کاروباروتجارت کے لیےضرورت مندوں کورقم فراہم کرنا:

سماج کے ایسے افراد جوکسی صنعت وحرفت جاری کرنے یا تجارت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں،لیکن رقم کی عدم فراہمی یا کم فراہمی کے سبب اپنے خوابوں کی تعبیرنہیں کر پا رہے ہیں، یہ بینک ایسے افرادکومختلف شکلوں میں رقم فراہم کرسکتی ہے۔رقم کی فراہمی نفع اورنقصان

میں حصہ داری کی ہی شکلوں میں ہوگی۔

اس کارخیر میں رقم کے استعمال کی درج ذیل شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) شراکت (۲) مضاربت (۳) اجارہ (کرایہ دینا) (۴) سلم (ایڈوانس) (۵) بیع عینیہ۔ اگر ممکن ہوا، تو بینک تنہا تجارت کرسکتی ہے، مثلاً ایک صنعت کار ایک مشین خریدنے کا خواہش مند ہے۔ مشین کی قیمت دس لاکھ روپیے ہے۔ اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ مشین خرید سکے۔ غیرسودی اسلامی بینک وہ مشین دس لاکھ میں خرید کر اس صنعت کا رکو گیارہ لاکھ میں کچھ مدت میں ادائیگی کی شرط پر مہیا کرسکتی ہے، اگر وہ صنعت کار اس بینک سے رجوع ہوتا ہے تو۔ اس طرح سے اس بینک نے اس تجارت میں ایک لاکھ منافع کما لیا۔

**سوم:** ان دونوں خدمات کے علاوہ بینک بہت سے کام بطور ایجنٹ (Agency Functions) اور خدمات برائے فلاح عامہ (General Utility Service) انجام دے سکتی ہے یہ دونوں طریقے بھی منافع کمانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مثلاً (الف) **خدمات بطورایجنٹ:** (۱) مختلف مالیاتی دستاویزات اور حصول اور ادائیگی مثلاً چیک، بل وغیرہ (۲) رقم کی منتقلی (۳) قسطوں، قرضوں اور پریمیوں کی ادائیگی (۴) وصیتوں کے نفاذ کی ذمہ داری (۵) کسی شخص کے لیے شیئر وغیرہ کی خرید وفروخت (۶) Dividend کی حصولیابی۔

(ب) **خدمات برائے فلاح عامہ:** (۱) Letter of credit جاری کرنا (۲) زرمبادلہ میں Dealing کرنا (۳) Safe Deposit کی سہولت مہیا کرنا (۴) صنعت وتجارت وغیرہ سے متعلق معلومات (درخواست پر) بہم پہنچانا (۵) کسی دوسری غیرسودی اسلامی بینک کی جانب سے کسی صنعت کار وغیرہ کو مہیا کی گئی رقم کی واپسی کی تحریری یقین دہانی دینا (Underwriting)۔

سودی بینکس جہاں پیداواری مقاصد Productive Purpose کے لیے قرض دیتی ہے، وہیں غیرہ پیداواری مقاصد (Unproductive Propose) کے لیے بھی قرض دیتی ہے۔ بعض حضرات گھر کی تعمیر یا خریدنے لیے سامان تعیش مثلاً کار، ٹی۔ وی وغیرہ جیسے غیر پیداواری مقاصد کے لیے قرض لیتے ہیں۔ دیہاتوں میں آج بھی ساہوکاروں سے بھاری

سود پر بعض لوگ شادی بیاہ جیسے اخراجات کے لیے قرض لیتے ہیں۔ایسے قرضوں میں بینک کو بھاری سود ملتا ہے لوگ نام ونمود کے لیے یا (سامان تعیش کی) حرص وہوس جیسی اپنی کمزوریوں کے لیے بھاری سودی بینک سے قرض لیتے ہیں، بینک ایسے قرض خواہوں کا بھر پور استحصال کر کے اپنے نفع بڑھاتی ہے۔غیر سودی اسلامی بینکوں میں قرض خواہوں کے ایسے استحصال کی تقریباً نہیں کے برابر گنجائش ہوسکتی ہے۔دوم یہ کہ سودی بینک کا سرمایہ چوں کہ غیر پیداواری قرضوں پر صرف ہوگیا ہے، اس لیے پیداواری قرض کم ہوجاتے ہیں ، جس سے قومی پیداواری متاثر ہوتی ہے۔

## زندگی بیمہ Life Insurance:-

کا جوازاس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیمہ کرانے والے کا اپنی آمدنی ، نیز موجودہ مال ومتاع کے پیش نظر ظن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کرلے گا۔

امام احمد رضا سے دریافت کیا گیا کہ زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام؟

اس کا جواب آپ نے یہ ارقام فرمایا:

جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کراتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔(فتاوی رضوی ،ص:۲۱۱،ج:۹،رضا اکیڈمی)

شریعت کا تھوڑا سا بھی علم رکھنے والا ایسا کون سا مسلمان ہے، جوسود کی حرمت سے ناواقف ہے۔قرآن وحدیث میں سود کی حرمت کے واضح احکامات جا بجا نظر آتے ہیں۔امام احمد رضا نے بھی اپنے فتوؤں میں سود کو حرام قرردیا ہے۔اپنے ایک فتوی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ سو روپے پر پچیس روپے سالانہ زائد لگانا حقیقی سود ہے۔آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں سودی لین دین کو قطعی حرام فرمایاہے، نیز اس پر وعیدوں کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ شریعت نے قرض دار سے اصل زر سے زائد رقم وصول کرنے کو سود قرار دے کر اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، لیکن سود سے بچتے ہوئے زیادہ لیں اور سود بھی نہ ہو یہ راستہ ایک مجدد دین ہی بتا سکتا ہے۔حیلۂ شرعی کی روشنی میں امام احمد رضا کی یہ تحریر پڑھیے اور داد دیجیے۔آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:"ایک شخص کے دوسرے پر دس روپئے آتے تھے، اس نے یہ چاہا کہ دس کے تیرہ کرلوں، ایک میعاد تک۔علمانے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے

عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کر لے، پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدے پر ۱۳/ کی بیچ ڈالے ،تو حرام سے بچ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے (اجازت دی ہے )........(بحوالہ قاضی خاں ۶۲/ ۔ ۴ مطبوعہ نول کشور لکھنو ) ....... اسی طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ سے مروی (ص: ۶۸ ۔ ۶۹، اردو ترجمہ ) ہے کہ اس طرح کے حیلے کو حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے اور حضرت امام ابو یوسف نے عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر ثواب بھی بتایا کہ یہ سود (حرام ) سے بھاگنا ہے۔'' اب اگر مسلم بینک قائم کر کے اور کھاتے داروں کی جمع کردہ رقم پر امام احمد رضا کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے شرعی حیلوں سے زیادہ رقم دی جائے تو جائز ہے۔

اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک نہایت ہی انقلابی مشورہ مجدد عصر امام احمد رضا نے دیا تھا اس زمانے میں بھی بینکنگ سسٹم کی بنیاد سود پر تھی۔ سود کے بغیر بینک کے وجود کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ ایسے دور میں اعلیٰ حضرت نے غیر سودی بینک کا نظریہ پیش کر کے دینی جدت طرازی کی ایک زبردست مثال قائم کر دی تھی ۔ آپ نے چند مخصوص شہروں کے مالدار مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ غیر سودی بینک قائم کر کے اپنے ان مسلمانوں بھائیوں کی مالی اعانت کریں، جو کسی حرفت یا صنعت میں قسمت کو آزمانا چاہتے ہیں اور ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے۔ نیز، شریعت نے سود کو قطعی حرام قرار دیا ہے مگر اور بھی بہت سارے طریقے ہیں، جن کے ذریعے نفع کمایا جاسکتا ہے اور وہ بھی حلال نفع اور یہ سارے طریقے فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں ۔ خود امام احمد رضا نے بھی اپنی ایک تحریر میں ایک نہایت آسان طریقہ بیان فرمادیا ہے، اگر ایسا ہوتا ہے، تو قرض خواہوں کا اس میں دو ہرار فائدہ ہے، ایک تو وہ سود جیسے حرام مال سے بچتے ہیں، دوسرے انہیں بنیو ں سے نجات مل جائے گی ،ساتھ ہی ساتھ قرض دینے والے مالدار مسلمانو ں کو بھی اپنی فاضل رقم (Saving) کو کاروبار میں لگانے (Investment) سے نفع ملے گا اور وہ بھی حلال۔

مسلمانوں کا غیر سودی بینک ہی ایک ایسا ادارہ ہوسکتا ہے جہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے پس انداز (Saving) کرنے والے مالدار مسلمانوں اور کاروبار

میں روپیہ لگانے (Investment) کی صلاحیت رکھنے والے حوصلہ مند مسلمانوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔اس بینک میں وہ کروڑوں روپئے بھی لائے جاسکتے ہیں جو کورٹ کچہری کی نذر ہو رہے ہیں۔

امام احمد رضا کے چار نکاتی ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' نامی پروگرام میں دوسرا نکتہ بینک کے قیام سے متعلق ہے۔آپ نے اس زمانے میں بینک کے قیام پر زور دیا، جب مسلمانو ں میں کیا برادران وطن میں بھی (Banking Habit) کا بہت کم رجحان تھا برادران وطن کہیں کہیں بینک قائم کر چکے تھے۔ ۱۷۷۰ء میں پہلا ہندوستانی بینک ''بینک آف ہندوستان'' کے نام سے قائم ہوا تھا۔ ۱۹۱۳ء تک ہندوستان میں صرف اکتالیس بینک قائم ہوسکے تھے اور ۱۹۴۰ء تک کوئی بھی مسلم بینک وجود میں نہیں آیا تھا۔آپ نے اس زمانے میں غیر سودی اسلامک بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تھی، جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ کے بغیر بینکنک کاروبار کیا ہی نہیں جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم ازکم برصغیر میں غیر سودی اسلامی بینک کے قیام کا تصور اگر کسی نے دیا ہے،تو وہ ہیں مجدد عصر امام احمد رضا۔

## اسلامی مالی ادارے یا بینک:

مذہب اسلام کے نظریہ معاشیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اسلام نے بہت سے ایسے عقود کی اجازت دی ہے کہ ان پر عمل پیرا ہوکر کامیابی کے ساتھ اسلامی بینک چلائے جاسکتے ہیں۔جیسے(۱) شراکت:۔کوئی فرد کسی کے ساتھ کاروبار کرے کہ دونوں تجارت میں برابر یا کم وبیش روپئے لگائیں اور جو نفع ہو دونوں اپنے مال کے تناسب سے کسی مقررہ شرح کے مطابق تقسیم کرلیں۔

(۲) **مضاربت**:۔یعنی ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت، نفع کی شرح ہر حال میں فیصد کے لحاظ سے مقررہ ہوگی خواہ یہ فیصلہ کتنا ہی کم یا زیادہ ہو۔

(۳) **بیع عیینہ**:۔اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے قرض لینا چاہتا ہے اسے قرض نہ دے کر یہ کہے کہ تم یہ سامان مجھ سے ادھار خرید لو پھر اسے بازار میں بیچ کر اپنا کام چلاؤ۔

**(۴) اجارہ (کرایہ دینا)**

## (۵)سلم (ایڈوانس)

امام احمد رضا کی آواز کہ ممبئ، مدراس، کلکتہ، رنگون، حیدرآباد کے تونگر مسلمان، اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں صدا بہ صحرانہ ثابت ہوئی بلکہ جگہ جگہ مسلمانوں کے زیر اہتمام مسلم مالیاتی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور گورنمنٹ کے بینکوں کی طرح قوم کی خدمت کر رہے ہیں ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنے نام کے ساتھ اسلام یا مسلم یا اس طرح کے الفاظ جوڑے ہوئے ہیں۔

(۳) اس دور میں جب کہ مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی حالت دگرگوں ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اہم اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں - امام احمد رضا نے بھائی چارگی کا درس دے کر اپنی معاشی حالت کو مزید مستحکم کرنے کا ایک بہترین نسخہ بتایا گیا ہے۔-

اس نکتے میں امام احمد رضا نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ مسلم خریدار' مسلمان تاجر یا ضاع سے ہی سامان خریدے تا کہ گھر کا نفع گھر میں ہی رہے - اس سے مسلمانوں کی حرفت وتجارت کو فروغ ملتا - ایک طرف کاروبار میں لگایا روپیہ (Investment ) بڑھتا - دوسری طرف مسلمانوں کی بے کاری میں کمی ہو کر روزگار ( oyment Empl) میں اضافہ ہوتا - جہاں تاجروں کی مالی حالت بہتر ہوتی، وہیں محنت کشوں کی معاشی حالت سدھرتی اور اس طرح سے مسلم معاشرے میں ایک معاشی انقلاب آجاتا-

مالدار مسلمان اگر بینک کا قیام عمل میں لائیں، تو مذکورہ بالا savings کو بینگ میں جمع کر کے ایک اچھا خاصا سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے اور اس غیر سودی اسلامی بینک کے ذریعے یہ سرمایہ ان مسلم ضاعوں، تاجروں وغیرہ کو مہیا کر کے Investment کو بڑھایا جاسکتا ہے، جن کے ذریعے ایک طرف ضاع، تاجروغیرہ منافع کما سکتے ہیں، دوسری طرف کتنے ہی محنت کشوں کو روزگار فراہم ہوسکتا ہے، چنانچہ امام احمد رضا کے اس ماڈل سے بھی وہی نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو کینز کے نظریہ روزگار و آمدنی سے متوقع ہیں۔

اگر قوم مسلم اپنی اشیائے ضروریات صرف مسلم تاجروں، سے ہی خریدے، تو، مسلمانوں کے کارخانوں میں تیار کیے گئے مال کی نکاسی بازار میں ہوتی رہے اور زائداز ضرورت پیداوار (over production ) کا مسئلہ بھی درپیش نہیں آئے گا-

(۴) اسلام نے علم کو سب سے اعلیٰ مقام دیا ہے - علم ہی ایمان وعمل کی بنیاد اور افضلیت کا معیار ہے تعلیم ہی مسلمانوں کو کامیابی وکامرانی کی شرط اول ہے - اسلامی دستور میں تعلیمات دین مصطفوی صلی اللہ وعلیہ وسلم حاصل کرنا '' ہر مرد وعورت پر فرض عین ہے (ابن ماجہ ۲۲۴، عن انس رضی اللہ عنہ ) چاہے حصول علم کے لیے چین کا سفر اختیار کرنا پڑے '' خیر کم من تعلم القرآن وعلمه'' تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قران سیکھے اور سکھائے - (بخاری شریف، ج:۲، کتاب الفضائل، ۵۰۲۷، عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ )

**تعلمو االعلم وعلموه الناس** علم سیکھواور لوگوں کوسیکھاؤ (شعب الایمان ۱۷۴۲ اعن ابوبکر رضی اللہ عنہ )

اسلام کا مذکوہ بالا اعلان تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا جو صرف اہل ایمان کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے علم وفضل کا دروازے کھول دینے کا موجب ہوا - اس لیے تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے امام احمد رضا نے چوتھے نکات علم دین کی ترویج واشاعت کرنے پر زور دیا-

تحصیل علم کے لیے اسلام نے بڑا زور دیا ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل علم کے مواقع امت کے لیے فراہم کئے - جنگ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے سے عاجز تھے ان کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ مسلمانوں کولکھنا پڑھنا سیکھائیں اور صلہ میں آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہوں ۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیوی علم کی بھی اپنی افادیت ہے ایک روایت کا مفہوم ہے کہ علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے آپ کو چین جانا پڑے ۔بعض مفکرین کی رائے میں یہ روایت دنیوی علم کے حصول کی ترغیب دیتی ہے کیوں کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی چین میں علم دین کا ایسا کوئی مرکز قائم نہیں ہوسکا جو اسلامی ممالک کے مدرسوں کی طرح نظر آئے - ہاں ! کالج و یونیورسٹی کا آج وہ مقام ہے کہ دنیا بھر کے طلبہ حصول علم کے لیے چین کا سفر کررہے ہیں یہ حقیقت ہے کہ دنیوی علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا-

## کتابیات


(۱) تدبیر فلاح واصلاح ازامام احمد رضاخاں محدث بریلوی۔

(۲) تقدیم پروفیسر رفیع اللہ صدیقی ( کوئنزیونیورسٹی کینیڈا ) ناشر نوری مشن مالیگاؤں۔

(۳) فتاویٰ رضویہ جلد ۷ امام احمد رضا محدث بریلوی۔

(۴) فتاویٰ رضویہ جلدنہم امام احمد رضا محدث بریلوی۔
(۵) جدید بینک کاری اور اسلام ازمفتی نظام الدین رضوی برکاتی ، مکتبہ برہان برملت مبارک پورا اعظیم گڑھ۔
(٦) محدث بریلوی از پروفیسر مسعود احمد۔
(ے) امام احمد رضا ایک نئ تشکیل انجمن ثنائیہ دارالیتامیٰ میرا روڑ ممبئ۔

# 1912ء میں اسلامی معیشت کا ہمہ گیر منصوبہ اور منصوبہ ساز مفکر

غلام مصطفی رضوی، نوری مشن Cell•9325028586:

بیسویں صدی کا ابتدائی دور مختلف تحریکات ونظریات کا دور تھا۔ سیاسی سطح پر وجود میں آنے والی تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت نے ہندوستانی مسلمانوں کو معاشی واقتصادی طور پر کم زور کر کے رکھ دیا تھا، اس سے پیش تر سلطنت مغلیہ کا زوال معمولی زخم نہ تھا۔ ان حالات نے مسلمانوں کو ابتلا وآزمائش سے دوچار کر کے رکھ دیا۔

۱۹۱۲ء بمطابق ۱۳۳۱ھ میں ہندوستان کے ایک اسلامی مفکر نے مسلمانوں کی معاشی واقتصادی قوت کو سنبھالا دینے کے لیے ہمہ گیر نظریات ومنصوبے پیش کیے۔ ان سطور میں ان نظریات پر اجمالی گفتگو مقصود ہے، بہ شکل نکات ان کی جھلک کچھ اس طرح ہے:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔

(۲) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۳) بمبئی، کلکتہ، مدراس، رنگون، حیدرآباد وغیرہ کے توانگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

ان کلمات دانش کے تجزیے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد کے معاشی حالات پر کچھ روشنی ڈال لی جائے۔ معاشی واقتصادی علوم کا مطالعہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۹۔۳۰ء میں رونما ہونے والی عالمی کساد بازاری کے نتیجے میں اہمیت کا حامل بنا۔ اس لحاظ سے جدید اقتصادی نظریے کی ابتدا ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں مغربی ماہر اقتصادیات جے۔ ایم۔ کینز (J.M.Keynes) نے ''نظریۂ روزگار آمدنی'' (بچت=سرمایہ کاری) پیش کیا جس نے عالمی نظام معیشت پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے جس پر اسے برطانوی حکومت نے ''لارڈ'' کا خطاب عطا کیا۔ اس رو سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۱۲ء میں ترقی یافتہ ممالک بھی علم معاشیات کی اہمیت کو واضح نہیں کر سکے تھے، شاید ان پر بھی اس علم کی

افادیت نہیں کھل سکی تھی۔

جب کہ ایک اسلامی مفکر نے مسلمانوں کی فکروں کو مہمیز دیا تھا اور سرمائے کو پس انداز کرنے کی ترغیب دی تھی، نیز اس دور میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زمین دار تھی اور ان کی املاک کثیر، لہٰذا ان مسلم رؤسا وامرا میں باہمی انتشار کے نتیجے میں مقدمہ بازی کا رجحان زیادہ پایا جاتا تھا، اس طرح مسلمانوں کی املاک دوطرفہ مقدموں کی نذر ہو کر تباہ وبرباد ہو رہی تھی۔ اس اسلامی مفکر نے آپسی معاملات کو افہام وتفہیم سے حل کرنے کی فکر دے کر سرمائے کے تحفظ کی سمت رہ نمائی کی۔ اس نے آپسی تنازعات کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''اول پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلے میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں اور کچہری جا کر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند، گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں۔ کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں؟''

۱۹۳۰ء کے بعد جب مملکتوں نے اقتصادیات کی اہمیت وافادیت کو جان لیا تو سرمائے کی بچت پر زور دیا، اور پس انداز کے تین درجے متعین کیے: (۱) اندرون ملک بچت کے ذریعے سرمایہ اکٹھا کرنا۔ (۲) دوسرے ترقی یافتہ ملکوں سے قرض لینا۔ (۳) کرنسی کی پیداوار بڑھانا۔ آخرالذکر طریقہ خطرناک ہے جس سے معاشی تباہی کا اندیشہ ہے اس لیے بہتر طریقہ پس انداز یعنی سرمائے کی بچت ہے۔

افراط زر سے متعلق ایک مثال حال ہی میں سامنے آئی۔ وہ اس طرح کہ ہمارا ملک افراط زر کے مسئلے سے دوچار ہے جس کے سبب غریب متاثر ہوگا اور بنیادی ضروریات بھی۔ حکومت ہند نے اس پر قابو پانے کو سال رواں ۲۰۰۸ء کی پالیسیوں میں اولین ترجیح دی ہے۔

اسلامی مفکر کے نظریے پر ۱۹۱۲ء میں عمل درآمد کی کوئی صورت نکل آتی تو آج مسلمان معاشی ترقی میں بجائے پستی کے ترقی یافتہ ممالک سے دو دہائی آگے ہوتے اس طرح عالمی سطح پر کم زور اسلامی ممالک معاشی خوش حالی کے نتیجے میں ناقابل تسخیر قوت ثابت ہوتے، بنیادی ضروریات سے فراغ کے بعد اپنی دفاعی قوت کو سنوارتے اور اس کے سہارے تباہی وبربادی سے بچ جاتے۔

اس مفکر کا دوسرا نکتہ تھا: ''اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر

ہی میں رہتا ،اپنی حرفت وصنعت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے ۔'' اسلام نے صنعت وتجارت کو حلال قرار دیا ہے نیز اس میں برکت بھی رکھی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضا مندی کا ہو'' (سورۃ النسآء :۲۹ )

آج جس طرح سے اسلام کے خلاف مغربی قوتیں سرگرم عمل ہیں اس سے مسلمان اضطراب کا شکار ہیں۔اورنوبت یہ آتی ہے کہ ان کی پیداوار (مغربی اشیا) کا بائیکاٹ کیا جائے ۔اگر مفکر اسلام کے ۱۹۱۲ء کے منصوبے پر عمل ہوجاتا اور مسلمان آپس میں خرید وفروخت کر رہے ہوتے تو اس طرح کے بائیکاٹ کی نوبت بھی نہ آتی جب کہ بائیکاٹ صرف زبانی ہی ہوتا ہے اور عمل صفر،مفکر اسلام نے ایک صدی پیش تر اسے محسوس کیا تھا اور کہا تھا:''اول تو یہ بھی کہنے ہی کے الفاظ ہیں ،نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہرگز اس کو نباہیں گے اس عہد کو پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں ۔

مفکر اسلام نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کو آپس میں تجارت اور لین دین کی ترغیب دی تھی ،۱۹۲۹ء کے بعد جب کہ جرمنی اور اٹلی معاشی لحاظ سے تباہ ہو چکے تھے یورپین منڈی کی تشکیل ہوئی جو اس طرز کی تھی کہ وہ آپس میں ہی سرمایہ کاری کرتے ،خرید وفروخت کرتے اور تجارت کو فروغ دیتے اور اس طریقے سے بہت جلد وہ ایک اقتصادی قوت بن گئے جس سے ان کی کرنسی کا وزن و وقار بھی بڑھا۔

مفکر اسلام نے آپسی تجارت سے متعلق دو مثالیں دی تھیں:''(۱) اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔(۲) ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کر لیں ۔'' نصاریٰ اور مشرک تو اپنی تجارت کے فروغ کے لیے کوئی موقع فروگذاشت نہیں ہونے دیتے لیکن ہمارے اپنے لا پرواہی کا شکار ہو کر معاشی تنزلی کی راہ جا پڑے۔جب کہ اسلام نے حصول معاش اور تجارت کو بھی خیر کے زمرے میں رکھا اور ثواب کی بشارت دی ۔مذکورہ نکتہ مسلمانوں کی صنعتوں اور فیکٹریوں کے قیام سے متعلق کس قدر اہمیت کا حامل ہے یہ بات

مخفی نہیں۔معاشی ترقیات نے دنیا کو عالمی منڈی میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔گلوب لائزیشن کا تصور اسی کی صراحت ووضاحت ہے لیکن اس ضمن میں مسلمانوں کی معاشی پیداوار کا تناسب کتنا ہے؟ یہ ایک المیہ ہے۔مفکر اسلام کے منصوبے پر اگر مسلمان کان دھر لیتے تو بر صغیر کی حالت مختلف ہوتی۔

اسلامی مفکر نے تیسرا نکتہ دیا:''بمبئی ،رنگون،مدراس ،حیدرآباد وغیرہ کے توانگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے ،سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں۔'' یہ امر مخفی نہیں کہ موجودہ بینکنگ کے نظام کی بنیاد سود مرکب(Compound Intrest System) پر ہے۔اقتصادی منصوبے کے لیے سرمایہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور سرمائے کے نظام کو چلانے کے لیے بینک کی حیثیت مرکزی ہے۔اسلامی مفکر نے بلا سودی بینکنگ کا تصور ۱۹۱۲ء میں دیا جب کہ ہندوستان میں چند بینک قائم تھے اور وہ بھی انگریزوں کے اور بینک کی اہمیت بھی کچھ ظاہر وواضح نہیں ہوسکی تھی۔اس مفکر نے کرنسی سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی بہ نام''**کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم**''اس میں بلا سودی بینکنگ سسٹم پر بڑی جامع اور نتیجہ خیز تجاویز دی ہیں،یہ کتاب علماے حرمین مقدس کے ایک سوال کے جواب میں تصنیف فرمائی جو عربی اور اردو میں ہندو پاک کے علاوہ **دار العلمیه** بیروت سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

حرام سے بچنے کی تعلیم قرآن مقدس نے دی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''(سورۃ البقرۃ:۱۶۸/ترجمہ کنزالایمان)

ایک اور مقام پر قرآن مقدس میں ارشاد ہوتا ہے:''اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔''(سورۃ البقرۃ:۲۷۵/ترجمہ کنزالایمان)

مفکر اسلام نے ۱۹۱۲ء میں بلا سودی بینکنگ کا تصور دیا جب کہ ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک قائم نہیں ہو سکا تھا۔۱۹۱۲ء میں مسلمان بیدار ہو لیتے تو آج عالمی بینکنگ سسٹم پر مسلمانوں کا کنٹرول ہوتا۔

یہ بات بھی لائق غور ہے کہ سرمائے کے تحفظ کے لیے اسراف سے بچنا ضروری ہے

۔موجودہ دور میں مسلمان کس حد تک اس میں مبتلا ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ۔مفکر اسلام نے اسراف کی شدت کے ساتھ مذمت کی ۔آپ قبر پر چراغ واگربتی روشن کرنے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ’’اور قریب قبر سلگانا اگر وہاں نہ کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی (تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (ذکر کرنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف واضاعت مال ہے۔‘‘ (واضح رہے کہ مزارات اولیا سے قریب خوشبو کے لیے اور زائرین کو سہولت فراہم کرنے کی غرض سے جلانا الگ بات ہے اور یہ اسراف کے درجے میں نہیں۔)

غرض کہ اس مفکر نے قوم کو بیدار کرنے کی انتھک کوشش کی ۔اس نے قوم کو ایمان کے لٹیروں سے باخبر کیا ،دشمنوں کی سازشوں سے متنبہ کیا ،اس نے ایک شعر میں بیداری کا فلسفہ بیان کر دیا۔ ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اس کے افکار کا چوتھا نکتہ ’’علم دین کی ترویج و اشاعت‘‘ سے متعلق ہے ۔وہ ایک ماہر تعلیم تھا، وہ ۷۰ ر کے لگ بھگ علوم وفنون میں مہارت رکھتا تھا ،اس نے صالح اور سرگرم علما اور مدبرین کی ایک پوری ٹیم تیار کی جس نے قوم کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے ،اس نے اسلامی نظام تعلیم کا احیا کیا جب کہ مغلیہ سلطنت کا زوال ہو چکا تھا اور اسلامی مدارس مفلوک الحال ہو چکے تھے اور متحدہ ہندوستان میں یہود ونصاریٰ کے اشتراک سے جدید تعلیم کا ایسا نظام مرتب ہو چکا تھا جس میں دین سے دوری کا پیغام مضمر تھا، مغربی نظام تعلیم کو مغربی تہذیب وتمدن کے فروغ کے لیے نافذ کیا جا رہا تھا۔اس نے علم و فن کے ہر شعبے میں رہ نمائی کی ،سائنس و فلسفہ، ریاضی و ہندسہ، تاریخ وجغرافیہ، معاشیات و اقتصادیات وغیرہ۔ ہر علم وفن کو دین کی بنیادوں پر برتا۔اس کی تعلیمی بصیرت اور نظریات پر یونیورسٹیوں اور کالجوں نیز جامعات میں تعلیم کی مناسبت سے ماسٹر درجہ (M.Ed.) کے ۱۶ ر مقالے (Thesis) لکھے جا چکے ہیں۔اس کی دینی خدمات کے دوسرے موضوعات پر عالمی سطح پر یونیورسٹیوں میں ۲۰ ر سے زیادہ ڈاکٹریٹ (Ph.D.) کے مقالے اور درجن بھر ایم ۔فل (M.Fil.) کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔لیکن مرحلۂ شوق ہنوز طے ہونا باقی ہے اور

مزید جلوے آشکار ہوا چاہتے ہیں۔

وہ علم وفن کا بحر بیکراں تھا ،وہ عرب میں بھی مقبول ومشہور تھا،علمائے حرمین نے اسے قسم قسم کے القاب وآداب سے نوازا،اسے ''امام المحدثین'' کہا ،''مفسر شہیر'' کہا،''برکۃ الزمان'' کہا،اپنا پیشوا ومقتدا جانا۔اس کی نگاہ اپنے زمانے سے آگے دیکھا کرتی تھی ۔اس کی بصیرت کو دانائے مشرق اقبالؔ نے بھی خراج عقیدت پیش کیا۔اس کی ریاضی میں مہارت کے جلوے دیکھ لینے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سرضیاء الدین نے کہا کہ ''یہ ہستی صحیح معنوں میں نوبل پرائز کی مستحق ہے۔'' اس کی مطبوعات و تحریرات نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔وہ سنتوں کا داعی تھا ،وہ محافظ اسلام تھا،مجاہد اسلام تھا،پاسبان اسلام تھااور مجدد اسلام تھا۔اس کی تصانیف کی اشاعت سمتوں میں ہوتی تھی ،بریلی، پٹنہ،رام پور،آگرہ،سیتا پور،کلکتہ اورلاہور کے اشاعتی ادارے اس کی کتابیں بڑے چاؤ سے شائع کرتے تھے،اس کا ہمہ گیر اقتصادی منصوبہ ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کے نام سے شائع ہوااور افکار کے لیے مہمیز کا سبب بنا ،اس کو مصلح قوم وملت مولانا لعل محمد خاں مدراسی ( کلکتہ ) کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا،اس پر آج بھی عمل کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ایک صدی قبل تھی ۔وہ سحبان الہند بھی ہے،حسان الہند بھی ہے،امام الہند بھی ہے اور شیخ الہند بھی ۔اگر ہندوستان اس پر فخر کرے تو بجا ہے،وہ فخر اسلام بھی ہے۔اس نے مسلمانوں کے وقار کو بلند کیا۔وہ مرد مومن تھا اور ایسا کہ بقول اقبالؔ ؂

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

وہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار تھا اور اسی محبت کو اس نے عام کیا۔اس نسبت سے اس کا نام ''محمد'' تھا،تاریخی نام ''المختار'' تھالیکن وہ خود کو ''عبدالمصطفیٰ'' لکھتا اور کہا کرتا تھا۔اور دنیا اسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی مانتی اور پہچانتی ہے۔مفکر اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی کی ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کو ہوئی اور وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو ۔آپ کی دینی وعلمی خدمات اور افکار کی اشاعت عہد کی ضرورت ہے اور ایک علمی خدمت بھی۔

# امام احمد رضا اور معاشی نظام اشتراکیت

{مفتی فیضان المصطفیٰ قادری، قادری منزل، گھوسی (یو پی)}

## معاشیات ایک تعارف:

کسب ومعاش انسان کی ایک فطری ضرورت ہے، لہٰذا اس کی تاریخ بھی انسان ہی کی طرح قدیم ہے، مگر پہلے معاشیات نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار نہیں کی تھی، بلکہ اسے انسان کی فطری سمجھ اور تجربے کی چیز مانا جاتا تھا، لہٰذا اسے الگ سے موضوعاتی اور فنی بنیادوں پر غور وفکر کی ضرورت نہ سمجھی گئی، اور اس موضوع پر کتابیں تصنیف کرنا تو کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوگا، کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کے تقاضے، اسباب اور عناصر کی تدوین کی جائے۔ لیکن عہد جدید میں یہ ایک مستقل فن کی صورت اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی اپنی کتابیں ہیں، اس کے اپنے ماہرین پائے جاتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں اس کے مخصوص محکمے ہوتے ہیں، اس فن میں ریسرچ کی جاتی ہے، تخصص کے کورس کرائے جاتے ہیں، پھر اس کے سرٹیفیکیٹ دیے جاتے ہیں۔ جو جس قدر اِس فن کا ماہر ہوتا ہے قومی اور بین الاقوامی معاشیات میں اسی قدر پوزیشن حاصل کرتا ہے۔

علم معاشیات دوسرے علوم کے مقابل جدید علم ہے، اگر چہ افلاطون کے دور میں اور اس کے بعد جزوی طور پر اس کے افکار پائے جاتے رہے لیکن اسے مستقل علم کے طور پر بہت بعد میں مدوّن کیا گیا۔ اس کی تاریخ کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، (۱) ۱۷۷۶ء سے قبل (۲) ۱۷۷۶ء کے بعد۔ ۱۷۷۶ء سے قبل معاشیات کی حقیقت ایک انسانی ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں تھی، اسے ایک قصۂ ماضی سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۷۷۶ء میں معاشیات کی پہلی کتاب معرضِ وجود میں آئی۔ بلکہ ۱۷۷۶ء وہ سال ہے جس میں تین ایسے واقعات ہوئے جن سے اس نئی دنیا کے انقلابات کی بنیاد پڑی، صنعتی تہذیب کو جنم دینے میں ان تینوں کا بنیادی رول ہے۔ (۱) اسی سال جیمس واٹ نے بھاپ کا انجن ایجاد کیا، (۲) اسی سال امریکہ کی آزادی کا اعلان ہوا، (۳) اسی سال ایڈم اسمتھ نے

''دولتِ اقوام'' نامی کتاب لکھی۔ پہلے واقعہ نے ٹکنالوجی کے انقلاب کی بنیاد ڈالی، دوسرا واقعہ عالمی سیاسیات کے انقلاب کی تمہید بنا، اور تیسرے نے معاشیات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے جنم دیا۔ ۱۷۷۶ء میں ایڈم اسمتھ کی لکھی ہوئی معاشیات کی پہلی کتاب کا پورا نام یہ تھا:

An inquiry into nature and cause of wealth of nations" ''

یعنی ''دولتِ اقوام کے اسباب وعلل کی جستجو''، جو ''دولتِ اقوام'' یا Wealth of Nations کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس طرح معاشیات کی کل تاریخ مختصر یا ڈھائی سو سال کی تاریخ ہے۔

## معاشیات کی تعریف:

اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، کبھی اسے ''دولت کا علم'' کہا گیا، کبھی اسے ''چٹنی روٹی کا علم'' کہا گیا۔ الفریڈ مارشل نے ''اصول معاشیات'' میں یوں تعریف کی ہے:

''معاشیات زندگی کے روزمرہ معمولات کے طور پر انسانی اعمال کا مطالعہ ہے۔ اس میں اس بات کی تفتیش ہوتی ہے کہ انسان کس طرح اپنی آمدنی حاصل کرتا ہے اور کس طرح استعمال کرتا ہے''۔ (علم معاشیات صفحہ ۲۳ ڈاکٹر اوصاف احمد)

معاشیات کی تعریف پروفیسر پیگو یوں کرتے ہیں:

''معاشیات انسان کے مادی بہبود کا علم ہے۔ مادی بہبود سماجی بہبود کا وہ حصہ ہے جس کو زر کے ذریعہ ناپا جاسکتا ہے۔'' تاہم جدید ماہرین معاشیات کو یہ تعریفیں قبول نہیں۔ جدید دور میں معاشیات کی تعریف جس کو قبول عام حاصل ہوا وہ'' لارڈ رابنس'' کی تعریف ہے۔ ''لارڈ رابنس'' کے مطابق: ''معاشیات' مقاصد اور قلیل وسائل جن کے متبادل استعمال ہوسکتے ہیں کے رشتہ کے طور پر انسانی برتاؤ کا مطالعہ ہے''۔

اشیا کی قلت ہی وہ سبب ہے جس کے ذریعہ ہم جانچ سکتے ہیں کہ کوئی چیز معاشی مانی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً انسانی زندگی کے لیے ہوا اور پانی ضروری ہے، مگر اس کی فراوانی ہونے کے سبب اس کو'' معاشی چیز'' نہیں مانا جاتا، بلکہ ''مفت اشیا'' کہا جاتا ہے۔ مگر ''خوراک '' اپنے وسائل کی قلت کے سبب زمین، روشنی ،او رہوا کی طرح مفت نہیں ہے، اس لیے

خوراک کو معاشی چیز مانا گیا۔ معاشی زندگی کی بنیاد ہی قلت ہے، قلت کی وجہ سے ہی معاشی مسائل وجود میں آتے ہیں۔ لہٰذا وہ تمام اشیا جو قلیل مقدار میں ودیعت کی گئی ہیں معاشی اشیا کہلاتی ہیں۔

## معیشت کے عناصر اربعہ:

معیشت کے موضوع پر چار امور سے بحث کی جاتی ہے: (۱) ترجیحات کا تعین، (۲) وسائل کی تخصیص، (۳) آمدنی کی تقسیم، (۴) ترقی۔

انھیں چاروں مسائل کے حل کے لیے دو مشہور معاشی نظریات معرضِ وجود میں آئے: (۱) سرمایہ دارانہ نظام Capitalism، (۲)) اور اشتراکی نظام Socialism۔ موجودہ دنیا میں یہی دو قسم کے نظام معیشت رائج ہیں، اشتراکیت کی انتہائی صورت اشتمالیت یعنی Communism ہے۔ ہم ذیل میں انھیں دونوں پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

## سرمایہ دارانہ اصول:

یہ نظام چونکہ ذاتی ملکیت اور اس کے محرکات سے غرض رکھتا ہے، جو انسان کی فطری آزادی کے عین مطابق ہے، جس میں کسی دوسرے کی مداخلت برداشت نہیں کی جاتی، لیکن ذاتی ملکیت اور منافع کی خواہشات بڑھتے بڑھتے اس قدر لامحدود ہو جاتی ہیں کہ پھر ظلم و جبر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب امیر کے مابین فاصلے بہت بڑھ جاتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کے ردعمل کے طور پر ہی ''اشتراکی نظام معیشت'' کا تصور وجود میں آیا، کیوں کہ اشتراکی نظام معیشت کا مقصد ذاتی ملکیت کی نفی کر کے فلاحِ عامہ کے تصور کو فروغ دینا تھا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تین بنیادی اصول ہوتے ہیں: ۱۔ ذاتی ملکیت۔ ۲۔ ذاتی منافع کا محرک۔ ۳۔ حکومت کی عدم مداخلت۔ جب کہ اشتراکیت میں ان تینوں اصولوں کے خلاف اجتماعی ملکیت اور اجتماعی مفاد کو اصول کے طور پر قبول کیا گیا۔ دونوں نظام چونکہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اس لیے ان کے آزادانہ نفاذ سے دونوں میں بے اعتدالیاں در آئیں، اور ان دونوں کے برے نتائج سامنے آئے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں:

(۱) اس میں ذاتی منافع کے رجحان کو کھلی چھوٹ دینے سے منافع کے حصول کے لیے حلال وحرام کی کوئی تفریق نہیں تھی، جس سے بہت سی اخلاقی خرابیاں معاشرے میں پھیلیں۔ چنانچہ مغربی ممالک میں عریانی، فحاشی، جسم فروشی کے کاروبار، عریاں تصاویر اور فلموں کا سیلاب اسی وجہ سے ہے۔

(۲) ذاتی منافع کے محرک پر حلال وحرام کی کوئی پابندی نہ ہونے کے سبب سود، قمار، سٹہ، سب درست مانا جاتا ہے۔ جن کے سبب اجارہ داریاں قائم ہوجاتی ہیں جو معیشت کے لیے بہت مضر ہے۔

(۳) سرمایہ داروں کے لیے ذاتی منفعت ہی سب کچھ ہوتی ہے، اس لیے اس میں فلاح وبہبود اور خدمتِ خلق کا عنصر عنقا ہوتا جاتا ہے، اور آدمی اپنے مفاد کے سامنے دوسروں کے فائدے اور نقصانات کو خاطر میں نہیں لاتا۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول:

اشتراکیت کے بنیادی اصول یہ ہیں: (۱) اجتماعی ملکیت۔ (۲) منصوبہ بندی۔ (۳) اجتماعی مفاد۔ (۴) آمدنی کی منصفانہ تقسیم۔

اشتراکیت کی خوبیاں:

(۱) اس میں دوسرے لوگوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

(۲) غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کو دست نگر اور محتاج رکھنے کی بجائے معاشی برابری دی جاتی ہے۔

(۳) کم صلاحیت رکھنے والے افراد کے لیے بھی یکساں ترقی کے مواقع میسر ہوتے ہیں۔

## اشتراکیت کی خرابیاں:

(۱) ''اشتراکی نظام'' میں حکومتِ وقت آمدنی کے تمام ذرائع کو اپنی ملکیت میں لے لیتی ہے اور منصوبہ بندی کے ذریعہ تمام کاروبارِ معیشت انجام دیتی ہے، اس نظام کو کنٹرول کرنے والے بھی انسان ہی ہوتے ہیں، جو منصوبہ بندی میں غلطیاں بھی کرتے ہیں، لہٰذا ان کی غلطیوں کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(۲) اس نظام کو چونکہ حکومت کنٹرول کرتی ہے اس لیے چند برسر اقتدار افراد ملک کے تمام وسائل پر قابض ہو کر کہیں زیادہ ظلم وستم کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

(۳) اس میں انسان کی ذاتی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔

(۴) چونکہ اس میں ذاتی منافع کا محرک ختم کر دیا جاتا ہے اس لیے انفرادی کارکردگی پر بہت برا اثر پڑتا ہے، ظاہر ہے بندہ محنت سے کام کرے یا سستی سے، آمدنی برابر ہی ہوگی تو کیوں محنت کرے؟ ذاتی منافع کا محرک ہوتا تو حوصلے اور جذبے سے کام انجام پاتے۔

ان دونوں نظام معیشت میں ایک صدی تک بحث ومعرکہ آرائی رہی۔ اشتراکیت کی پہلی تجربہ گاہ روس میں چوہتر سال کے تجربے نے یہ تمام خرابیاں پوری طرح ثابت کر دی ہیں۔ سویت یونین کے خاتمے کے بعد خود روس کے صدر "یلسن" نے کہا کہ کاش "اشتراکی نظریے" کا تجربہ روس جیسے عظیم ملک میں کرنے کی بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے رقبے پر کر لیا گیا ہوتا، تاکہ اس کی تباہ کاریوں کو جاننے کے لیے چوہتر سال نہ لگتے۔

## مخلوط نظام معیشت:

ان دونوں نظام کے مابین رسہ کشی اور تصادم کے نتیجہ میں ایک تیسرا نظام معرضِ وجود میں آیا جسے "مخلوط نظام معیشت" کہا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ایسی شخصی آزادی کہ اس میں حکومت کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتی، اور اشتراکیت میں حکومت کا ایسا کنٹرول کہ شخصی آزادی مکمل طور پر سلب کر لی جاتی ہے، ان دونوں کا یہی تضاد ایک تیسرے نظام "مخلوط نظام معیشت" کے وجود کا باعث بنا۔

"مخلوط نظام معیشت" میں شخصی آزادی تو ہوتی ہے، لیکن حکومت اس کو کنٹرول کرنے کے لیے کچھ قوانین کا نفاذ کرتی ہے۔ یعنی نہ تو شخصی آزادی سلب کی جاتی ہے نہ ہی حکومت براہ راست مداخلت کرتی ہے۔ اسی قسم کا نظام اِس دور میں دنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہے، جہاں کی معیشت آزاد تو ہوتی ہے لیکن وہاں کے حکومتی قوانین کا بھی اسے پاس ولحاظ کرنا ہوتا ہے۔ (ملتقطاً ملخصاً علم معاشیات ڈاکٹر اوصاف احمد مع اضافہ)

## امام احمد رضا اور معاشیات:

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا نام علمی دنیا میں علوم وفنون کے اس عبقری کی حیثیت

رکھتا ہے جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔آپ کے اشہب قلم نے اپنے عہد کے ہر علمی میدان کو اپنی جولان گاہ بنایا، جس سمت سے گزرے، اور جہاں قدم رکھا وہیں سکے بٹھا دیے، اور ایسے گہرے نقوشِ قدم چھوڑ گئے کہ رہتی دنیا تک ان نقوشِ قدم کو چوم کر اِن راہوں کے مسافر علوم وفنون کی وادیاں اور گھاٹیاں طے کرتے رہیں گے۔

امام احمد رضا قدس سرہ اپنے وقت کے دنیا کے سب سے عظیم مفتی ،اور اگلی پچھلی کئی صدیوں کے ممتاز فقیہ تھے۔فقیہ کو اپنے عہد کے تمام مروجہ علوم وفنون پر دسترس ہو تب ہی وہ اپنی تمام تر منصبی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ہم اس جہت سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں ہر فن سے متعلق سوالات آتے ،آپ ہر سوال کے جواب میں متعلقہ جہات سے بھرپور کلام فرماتے۔خواہ وہ سوال سائنسی امور سے متعلق ہو یا جغرافیائی حدود سے یا ریاضی سے یا طبعیات یا روحانیات سے متعلق ہو۔

چونکہ ہمارا موضوع امام احمد رضا قدس سرہ کے معاشی نظریات ہیں، اس لیے ہم زیر نظر تحریر میں اسی جہت سے غور کریں گے اور دریافت کرنے کی کوشش کریں گے کہ اعلیٰ حضرت معاشیات اور اقتصادی امور کو حل کرنے کے لیے کن عناصر کو بروئے کار لاتے ہیں، اور معاشیات پر آپ کے افادات کیا ہیں؟۔

اس سلسلے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ خود تو فکرِ معاش سے آزاد تھے، جس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو قارون کا کوئی خزانہ مل گیا تھا، یا کسی بادشاہ کے شاہزادے تھے، بلکہ آپ کا خانوادہ زمین دار خانوادہ تھا۔آپ کے تذکرے میں کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے کبھی کسب معاش کے لیے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی صرف کیا ہو، جس نے اس طرح زندگی گزاری ہو وہ مشکل سے معاشیات کے تعلق سے کسی قسم کا کوئی مشورہ دے سکتا ہے، مگر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آپ کو معاشیات سے متعلق بھرپور ہدایات ملیں گی۔

## فقہ اسلامی اور معاشیات کا باہمی تعلق:

معاشیات ایک موضوع ہے جس کی ضرورت انسان کو اپنی دنیاوی زندگی برتنے کے لیے ہوتی ہے، معاشیات میں کن امور سے بحث ہوتی ہے اس کا کچھ تعارف اوپر گزرا، اس میں خرید وفروخت، تجارت، اور اس کے مختلف معاملات مثلاً شرکت کے کاروبار، تجارت کے

لیے وکالت، اجارہ، لین دین، قرض، کفالہ، حوالہ، وغیرہ مختلف موضوعات اس کے تحت آتے ہیں۔ یہ تمام موضوعات فقہ اسلامی کے تحت بھی آتے ہیں، کیوں کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو فقہ اسلامی کی گرفت سے باہر ہو۔ معاشیات اور اقتصادیات کی نئی نئی جہتوں اور تنوعات کے باوجود فقہ اسلامی نے اسے اپنے ایک گوشے میں اسے سمیٹ لیا ہے۔ مفتی کو دنیا کے ہر قسم کے سوالات کے جوابات دینے ہوتے ہیں۔ اور معاشیات دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے تو ایک مفتی اس سے کیوں کر بے اعتنائی برت سکتا ہے۔

مگر ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ علمائے دین کا اس دور میں عصری علوم سے کچھ اس طرح فاصلہ بنا رہتا ہے کہ دنیا میں دیگر میدانوں میں کیا چل رہا ہے اس سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسری طرف دنیا کی اکانومی کے نشیب وفراز کو صنعتی انقلاب نے حد درجہ پیچیدہ بنا دیا ہے، اور اس میں شیئر بازار اور عالمی تجارت کے معاملات گونا گوں جہتوں کے حامل ہیں۔

## معاشیات پر امام احمد رضا کی خدمات:

امام احمد رضا قدس سرہ نے جس طرح اس دور کے بیشمار عائلی، مذہبی اور فنی مسائل کے حل پیش کیے ہیں اسی طرح آپ نے معاش واقتصاد کی گتھیاں بھی سلجھائی ہیں۔ اس سلسلے میں ہزاروں صفحات پر بکھرے ہوئے ان کے فتاویٰ میں جا بجا اس کی مثالیں موجود ہیں، جن میں سے ہم ذیل میں چند کا اجمالی ذکر کریں گے اور چند کی تفصیل میں جانے کی کوشش کریں گے۔

معاشیات سے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی خدمات میں آپ کے درج ذیل چند رسائل کا ذکر آتا ہے:

تدبیر فلاح ونجات، کفل الفقیہ الفاہم، کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم۔ المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال۔ اور فتاویٰ میں تو مختلف مقامات پر جا بجا ہدایات موجود ہیں۔ ذیل میں ہم چند رسالوں کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

## کرنسی نوٹ کا مسئلہ:

آپ کا ہی زمانہ تھا جب نقود اپنی اصلی شکل بدل کر نوٹ کی شکل اختیار کر گئے، سونے چاندی کے سکے کاغذ کی کرنسی بنتے ہی عالمی تجارت ومعیشت میں بڑا انقلاب آ گیا، عالمی بازار میں نوٹوں کی آمد نے عالمی بینک کی راہ ہموار کی، پھر مانیٹری سسٹم وجود میں آیا، اس کے بعد

کرنسی کی قوت کا معاملہ بھی عالمی بازار طے کرنے لگ گئے، اور ہر ہر قدم پر مسلمانوں کے لیے مسائل پیدا ہوئے، جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں یہ سوال ابھرا کہ ان نوٹوں سے خرید وفروخت کرنا کہیں سود تو نہیں، ان نوٹوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس وقت اس مسئلے کو حل کرنا آسان نہ تھا، دنیا بھر کے یہاں تک کہ ارض حجاز کے ارباب فتاویٰ بھی اس مسئلے میں خاموشی اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھنے لگے، جب یہ مسئلہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں پہنچا آپ نے اس مسئلے کو حل کیا اور اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام ہے ''کفل الفقیہ الفاہم'' اعلیٰ حضرت کے اس رسالے نے موجودہ دور کے معاشیات کے مسائل حل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

## نقود اور کرنسی پر اعلیٰ حضرت کے افادات:

گزشتہ صدی میں اقتصادیات کی دنیا میں کرنسی نوٹ کی ایجاد نے انقلابی کردار ادا کیا، اب تک چاندی یا سونے کے سکے چلا کرتے تھے، کاغذی نوٹ جب مارکیٹ میں متعارف ہوا تو سب کی توجہات کا مرکز بن گیا، مگر علمائے کرام اس بحث کا موضوع بن گیا کہ ان نوٹوں کے عوض تجارت لین دین، قرض کے معاملات جائز ہیں یا نہیں؟ ایک نئی چیز کے جواز کے لیے صریح جزئیہ ملنا مشکل تھا اس لیے عموماً اس کی حرمت کا فتویٰ سنایا جانے لگا۔ ۱۳۲۴ھ میں اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حنفی عالم دین شیخ عبداللہ میرداد نے کرنسی نوٹ سے متعلق ۱۲/سوالات استفتا کی صورت میں پیش کیے، اعلیٰ حضرت نے ان سوالات کو حل کیا اور ایک رسالہ ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' لکھا۔ اس میں کل بارہ سوالات ہیں، ہم ذیل میں ان تمام سوالات اور ان کے جوابات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

سوال (۱): کاغذ کا نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

جواب: نوٹ مال ہے، کیوں کہ وہ اصلاً کاغذ ہے جو مال متقوم ہے اور اس پر سکہ سے اس میں لوگوں کی رغبتیں بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لیے اٹھا رکھنے کے لائق ہو گیا، تو مال کی تعریف اس پر صادق ہے۔

سوال (۲): نوٹ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی

یانہیں؟

جواب : ہاں نوٹ میں زکاۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے، اس لیے کہ وہ خود مال ہے دستاویز اور قرض کی رسید نہیں، کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکاۃ اس میں واجب ہے۔

سوال (۳): کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں؟

جواب : ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اگر اس کی قیمت نصابِ مہر کی مقدار ہو۔

سوال (۴): اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب : ہاں اس کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں۔

سوال (۵) : اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے؟

جواب : کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اس کے تاوان میں نوٹ ہی دینا آئے گا، او رتلف کنندہ کو خاص (چاندی کا) روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

سوال (۶) : کیا (چاندی کے) روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے؟

جواب : ہاں جائز ہے۔

سوال (۷): اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ؟ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے)

جواب : نوٹ چونکہ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا بیع مقایضہ نہیں بلکہ بیع مطلق ہے، لہٰذا کوئی معین نوٹ دینا لازم نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

سوال (۸) : کیا اسے (بطورِ) قرض دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے؟

جواب : ہاں نوٹ بطورِ قرض دینا جائز ہے، کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کا معاملہ یہی ہوتا ہے۔

سوال (۹) : کیا (چاندی کے) روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں سے اس کا

بیچنا جائز ہے؟

جواب : ہاں جائز ہے ، جب کہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے ،تا کہ طرفین دَین کے بدلے دَین بیچ کر جدا نہ ہوں، کیوں کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں، کہ بیع صرف ثمن خلقی کا ثمن خلقی سے بیچنا ہے۔

سوال (۱۰) : کیا اس میں بیع سلم جائز ہے؟ یوں کہ روپے پیشگی دیے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا۔

جواب: ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔ کہ یہ اثمان خلقیہ نہیں بلکہ ثمن اصطلاحی ہیں، اور اثمان خلقیہ میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ عاقدین کو ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں۔

سوال (۱۱) : کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے ؟ مثلاً دس کا نوٹ بارہ کو یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم ؟

جواب: ہاں ،نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضا مندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے، کیوں کہ اس پر جو مقدار لکھی ہے وہ لوگوں کی اصطلاح ہے جسے عاقدین بدل سکتے ہیں کہ ان پر کسی غیر کو کوئی ولایت نہیں،تو انھیں حق ہے کہ کم یا زیادہ جو چاہیں اندازہ مقدار کرلیں۔

سوال (۱۲) : اگر یہ جائز ہے تو کیا ایسا جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے : روپے تو میرے پاس نہیں، ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا؟ کہ یہ سود کا حیلہ ہے؟ اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے؟ کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام؟ حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا۔

جواب: ہاں جائز ہے، جب کہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں، نہ کہ قرض کا۔ اس لیے کہ بیچنا جائز ، کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز ، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا دس سے کچھ اوپر دے تو ضرور حرام ہے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۷ کفل الفقیہ الفاہم )

امام احمد رضا کے نزدیک ہنر سے کسب میں مہارت اور سرٹیفیکیشن کی اہمیت:
طبابت (میڈیکل) سے منسلک افراد کے لیے اعلیٰ حضرت کی گیارہ ہدایات:

آپ کا نظریۂ معاشیات خود ساختہ نہیں، بلکہ قرآن وسنت سے ماخوذ اور کتب حنفیہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس دور میں جب کہ معاش کو اس قدر مادر پدر آزاد کر دیا گیا ہے کہ پیسہ کمانا ہر جہت سے اپنی چوائس بن گیا ہے، کس طرح رقم حاصل ہو، کس ذریعہ سے حاصل ہو اور کس طرح خرچ ہو وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں ایک عزیز کو جو طبابت کر رہے تھے طبابت کے کسب کے متعلق پوری ہدایات ارشاد فرمائیں۔ آج کل ترقی یافتہ ممالک میں تو طبابت کے لیے باسند ومستند ہونے کے ساتھ ساتھ تجربے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لیکن پچھڑے ممالک بلکہ ترقی پذیر ممالک میں بھی طبابت کرنے کے لیے عملاً سند یافتہ ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی ڈاکٹر کے پاس مرہم پٹی کا کام کرتا رہا، پھر الگ ہو کر اپنی کلنک کھول بیٹھا، پھر اس کے پاس مریضوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے ایک عزیز مولانا عبد العزیز صاحب کو جو پیشہ طبابت سے منسلک تھے ایک ناصحانہ مکتوب لکھتے ہیں:

برادرم، تم طبیب ہو میں اس فن سے محض ناواقف، مگر وہ دلی محبت جو مجھے تمہارے ساتھ ہے مجبور کرتی ہے کہ چند حرف تمہارے گوش زد کروں۔

(۱) جانِ برادر مشکل ترین امور ہنگام استخراجِ احکامِ جزئیہ ہیں جیسے فقہ وطب، جس طرح فقہ میں صدہا حوادث ایسے پیش آتے ہیں جن کا جزئیہ کتب میں نہیں، اور ان پر حکم لگانا ایک سخت دشوار گزار پہاڑ کا عبور کرنا ہے، جس میں بڑے بڑے ٹھوکریں کھاتے ہیں، بعینہ یہی حال طب کا ہے بلکہ اس سے بھی نازک تر، بالکل بے دیکھی چیزوں پر حکم کرنا ہے، پھر اگر قابلیت تامہ نہیں رکھتا اور برائے خود کچھ کر بیٹھا اگرچہ اتفاق سے ٹھیک ہی اتری گنہگار ہوگا، جس طرح تفسیر قرآن

کے بارے میںارشاد ہوا : من قال في القرآن برایه فأصاب فقد أخطأ، جو قرآن میںاپنی رائے سے کہے اور ٹھیك ہی کہے جب بہی خطا ہے، یوں ہی حدیث شریف میںفرمایا: من تطبب ولایعلم منه طب فهو ضامن"۔ جوعلاج کرنے بیٹھا اور اس کا طبیب نہ ہونا معلوم ہوا اس پر تاوان ہے، یعنی اس کے علاج سے کوئی بگڑجائے گا تو اس کا خوں بہا اس کی گردن پر ہوگا۔

اگرچہ تمہارے استادشفیق نے تمہیںمجازوماذون کردیا مگرمیری رائے میںتم ہر گز ہر گز ہنوز مستقل تنہا گوارہ نہ کرو، اور جب تك ممکن ہو مطب استاذ کا دیکھتے اوراصلاحیں لیتے رہو، میںنہیںکہتا جداگانہ معالجہ کے لیے نہ بیٹھو، بیٹھو، مگر اپنی رائے ہر گز رائے نہ سمجھو، ذرا ذرا سی بات میںاساتذہ سے استعانت لو۔

(۲)رائے لینے میں کسی چھوٹے بڑے سے عار نہ کرو، کوئی علم کامل نہیںہوتا جب تك آدمی بعدفراغ درس اپنے آپ کو جاہل نہ جانے، جس دن اپنے آپ کو عالم مستقل جانا اُسی دن اس سے بڑہ کرکوئی جاہل نہیں۔

(۳) کبھی محض تجربہ پر بے تشخیص حادثہ خاصہ اعتماد نہ کرو، اختلاف فصل، اختلاف بلد، اختلاف عمر، اختلاف مزاج وغیرہا بہت باتوں سے علاج مختلف ہوجاتا ہے، ایك نسخہ ایك مریض کے لیے ایك فصل میں صدہا بار مجرب ہوچکا، کچھ ضرور نہیںکہ دوسری فصل میںبہی کام دے۔ بلکہ ممکن کہ ضرر پہنچائے۔ وعلی هذا اختلاف البلاد والاعمار والامزجه وغیرها۔

(۴) مرض کبھی مرکب ہوتاہے، ممکن کہ ایك نسخہ ایك مرض کے لیے تم نے فصول مختلفه، بلاد متعددہ واعمار متفاوتہ وامزجۂ

متباینہ میںتجربہ کیا اور ہمیشہ ٹھیک اترا مگر وہ مرض ساذج تھا یا کسی ایسے مریض کے ساتھ جسے یہ مضر نہ تھا اب جس شخص کو دے رہے ہو اس میں ایسے مرض سے مرکب ہو جس کے خلاف تو ضرر دے گا اور وہ تجربہ صدسالہ لغو ہوجائے گا۔

(۵) ابھی ابتدا امر ہے، کبھی بعض دلالات پر مدار تشخیص نہ رکھو مثلاً صرف نبض یا مجرد تفسرہ یا محض استماع حال پر قناعت نہ کیا کرو، کیا ممکن نہیں کہ نبض دیکھ کر ایک بات تمہاری سمجھ میں آئے اور جب قارورہ دیکھو رائے بدل جائے، تو بالضرور حتی الامکان تمام طرق تشخیص کو عمل میں لاؤ، اور ہر وقت اپنے علم وفہم وحول وقوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرو کہ القائے حق فرمائے۔ یہی جالب شفا ہوتے ہیں۔

(۶) کبھی، کیسے ہی ہلکے سے ہلکے مرض کو آسان نہ سمجھو اور اس کی تشخیص ومعالجہ میں سہل انگاری نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم نے بادی النظر میں سہل سمجھ کر جہدِ تام نہ کیا اور وہ باعث غلطی تشخیص ہوا جس نے سہل کو دشوار کردیا، یا فی الواقع اسی وقت وہ ایک مرضِ عسیر تھا اور تم نے قلتِ تحقیق سے آسان سمجھ لیا، کیا تم نے نہیں پڑھا کہ دق سا دشوار مرض والعیاذ باللہ تعالیٰ اول امر میں کتنا ہی سہل معلوم ہوتا ہے۔

(۷) مریض یا اس کے تیمار دار جس قدر حال بیان کریں کبھی اس پر قناعت نہ کرو، ان کے بیان میں بہت باتیں رہ جاتی ہیں جنہیں وہ قابل بیان نہیں سمجھتے، یا ان کے خیال اس طرف نہیں جاتے، ممکن ہے کہ وہ سب بیان میں آئیں تو صورتِ واقعہ

دگرگوں معلوم ہو، میںنے مسائل میں صدہا بار تجربہ کیا ہے کہ سائل نے تقریراً یا تحریراً جو کچھ بیان کیا اس کا حکم کچھ اور تھا، جب تفتیش کرکے تمام ماله وماعلیه اس سے پوچھے گئے اب حکم بدل گیا، پھر بھی بہت مواقع پر ہم لوگوں کو رخصت ہے کہ مجرد بیان مسائل پر فتویٰ دیدیں، مگر طبیب کو ہر گز اجازت نہیں کہ بے تشخیص کامل زبان کھولے۔

(۸) تمام اطبا کا معمول ہے الا من شاء اللہ کہ نسخہ لکھا اور حوالہ کیا، ترکیب استعمال زبان سے ارشاد نہیں ہوتی۔ بہت مریض جہلائے محض ہوتے ہیں، کہ آپ کا لکھا ہوا نہ پڑھ سکینگے، طبیب صاحب کو اعتماد یہ ہے کہ عطار بتادے گا، عطار کی وہ حالت ہے کہ مزاج نہیں ملتے اور ہجوم مریض سے اس بیچارے کے خود حواس گم ہیں کہ جلدی میں نا ہونے آدھی چہارم بات کہی اور دام سیدھے کیے اور رخصت، بارہا دیکھا گیا ہے کہ غلطی استعمال سے مریض کو مضرتیں پہنچ گئیں، لہٰذا یہ ضرور ہے کہ تمام ترکیب دوا وطریقۂ اصلاح واستعمال خوب سمجھا کر سمجھ کر ہر مریض سے بیان کرے، خصوصاً جہاں احتمال ہو کہ فرق آجانے سے نقصان پہنچ جائے گا۔

(۹) اکثر اطبا نے کج خلقی وبدزبانی وخردماغی وبے اعتنائی اپنا شعار کرلی گویا طب کسی سخت مرض مزمن کا نام ہے جس نے یوں بدمزاج کردیا، یہ بات طبیب کے لیے دین ودنیا میں زہر ہے، دین میں تو ظاہر ہے کہ تکبر ورعونت وتشدد وخشونت کس درجہ مذموم ہے، خصوصاً حاجت مند کے ساتھ اور دنیا میں یوں کہ رجوع خلق ان کی طرف سے کم ہوگی، وہی آئینگے جو سخت مجبور ہوجائینگے، لہٰذا طبیب پر اہم واجبات سے ہے کہ نیك

خلق، شیریں زبان ، متواضع ، حکیم مہربان ہو جس کی میٹھی باتیں شرابِ حیات کاکام کریں، طبیب کی مہربانی وشیرین زبانی مریض کاآدھا مرض کھودیتی ہے اور خواہی نخواہی ہر دل اس کی طرف جھکتے ہیں اور نیک نیت سے ہوتاہے تو خدا بھی راضی ہوتا ہے جو خاص جالب دست شفاہے۔

(۱۰) بہت جاہل اطبا کا انداز ہے کہ نبض دیکھتے ہی مرض کا عسیر العلاج ہونا بیان کرنے لگتے ہیں، اگرچہ واقع میں سہیل التدارک ہو، مطلب یہ کہ اچھا ہوجائے گا تو ہمارا شکر زیادہ ادا کرے گا اور شہرہ بھی ہو گا کہ ایسے بگڑے کو تندرست کیا، حالانکہ یہ محض جہالت ہے بلکہ اگر واقع میںمرض دشوار بھی ہو،تاہم ہر گز اس کی بو آنے نہ پائے، کہ یہ سن کر دردمند دل ٹوٹ جاتاہے اور صدمہ پا کر ضعفِ طبیعت باعثِ غلبۂ مرض ہوتاہے، بلکہ ہمیشہ بکشادہ پیشانی تسکین وتسلی کی جائے ، کہ کوئی بات نہیں،ان شاءاللہ تعالیٰ اب اچھے ہوئے۔

(۱۱) بعض احمق ناکردہ کار یہ ظلم کرتے ہیں کہ دوا کو ذریعۂ تشخیصِ مرض بناتے ہیں ،یعنی جو مرض اچھی طرح خیال میںنہ آیا انہوںنے رجماً بالغیب ایک نسخہ لکھ دیا کہ اگر نفع کیا فبہا ورنہ کچھ تو حال کھلے گا، یہ حرام قطعی ہے ، علاج بعد تشخیص ہونا چاہیے نہ کہ تشخیص بعد علاج۔ الخ

(مکتوب ۴

جمادی الآخرۃ روز جمعہ ۱۳۰۶ھ خطوط رضا صفحہ ۳۲ تا ۳۵)

*کسی خاص قوم کی مصنوعات کے بائیکاٹ سے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا نظریہ:*

*اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک رسالہ ’’تدبیر فلاح ونجات واصلاح‘‘ تحریر فرمایا جو معاشیات کے مختلف موضوعات پر کچھ سنجیدہ مشورے اور کچھ شرعی ہدایات پر مشتمل*

ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت میں جو تحریکیں شروع ہوئیں ان میں حد اعتدال سے تجاوز پایا جاتا تھا، ترکوں کی مدد کیسے کی جائے؟ یہ بھی ایک اہم سوال تھا، اس سلسلے میں ایک تحریک یہ شروع ہوئی کہ یورپ کی مصنوعات کا بائیکاٹ ہو، اسی رسالے میں اعلیٰ حضرت اس تحریک سے متعلق فرماتے ہیں:

"بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میناسے پسند نہینکرتا، نہ ہر گز مسلمانوں کے حق مینکچھ نافع پاتاهوں، اول تو یہ بھی کہنے ہی کے الفاظ ہیں، نہ اس پر اتفاق کرینگے نہ ہر گز اس کو نباہیں گے، اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنٹلمین حضرات ہی ہونگے، جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں، یہ توسارا یورپ ہے، پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا، اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا۔ پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا، اور ہو بھی تو کیا فائدہ، کہ وہ سو ترکیبوں سے اس سے دہ گنا ضرر پہنچاسکتے ہیں، لہٰذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی، بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بد گمانی کا موقع نہ دیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ۱۵؍۱۴۴)

اس دور میں معاشی قید وبند ہر دو دشمنوں کا طریقہ ہوگیا ہے، دو حریف حکومتیں ایک دوسرے پر اکانومی کے ذریعہ ضرب لگانے کو ترجیح دیتے ہیں، ہر روز کسی نہ کسی پلیٹ فارم سے کسی ملک کی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان شائع ہوتا رہتا ہے، مثلاً اسرائیل کی مصنوعات، فرانسیسی مصنوعات، چینی مصنوعات، ہندوستانی مصنوعات وغیرہ، بلکہ اس دور میں طاقت ور ممالک جس ملک سے ناراض ہوجاتے ہیں اس کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگا دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اس نظریے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طریقہ شریر قوم کا طریقہ ہے، مسلمان کو کسی قوم کے اقتصادیات پر ضرب لگانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ سلامت

روی پر قائم رہتے ہوئے اپنے معاشی حالات کو بہتر بنانے پر توجہ مرکوز رکھنا چاہیے۔

مسلمانوں کی معاشی ترقی کے لیے اعلیٰ حضرت کی طرف سے چار امور کی ہدایت:

آگے مسلمانوں کو اپنی حالت سنبھالنے کے لیے چار مشورے دیے ہیں، اور ان کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کرلیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے۔ وہ چار امور یہ ہیں:

"اولاً: باستثناء اُن معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ اور وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔"

اولین تنبیہ میں معاشیات کے ایک بڑے اہم نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشی حالات کو ابتری سے بہتری کی طرف لانے کے لیے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جس قدر اخراجات ہوں ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے زیادہ آمدنی کی جائے تاکہ آمدنی اخراجات سے زیادہ ہو تو اخراجات کے بعد بھی کچھ پس انداز ہوسکے اور وقت ضرور کام آئے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر آمدنی بڑھ نہ سکے تو لازمی طور پر اخراجات کو کنٹرول کیا جائے تاکہ معاشی حالات تباہی کی طرف نہ بڑھیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مسلمانوں کے معاشی حالات کی بہتری کے لیے یہ نسخہ تجویز فرمایا، ظاہر ہے غذا اور دوا میں کمی نہیں کی جاسکتی، اور تعلیمی اخراجات میں کمی نقصان دہ ثابت ہوگی، لیکن کورٹ کچہری اور تنازعات کے سلسلے میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ تباہ کن ہوتے ہیں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ مسلمان اس مسئلے کو ضرور اپنے بل بوتے پر حل کرسکتے ہیں اور یوں مسلمان اپنے اخراجات کو کم کرسکتے ہیں۔

"ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی

گھڑ نت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیںاور
اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔"

**تبصرہ:**

دوسری ہدایت میں جو کچھ ہے وہ اس زمانے میں سیکولر ماہرینِ معاشیات کے وضع کردہ معیار کے خلاف ہوسکتا ہے مگر اس سے اعلیٰ حضرت کے معاشی نقطۂ نظر کو سمجھا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ اپنا مال کدھر فروخت کیا جائے اس پر نظر نہ کرے، لیکن ضرورت کی اشیا کس سے خریدی جائیں اس کو اہمیت دیا جائے، اس سلسلے میں آپ کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے، کہ اشیائے ضرورت اپنی قوم سے خریدی جائیں تاکہ اپنا نفع اپنے بھائی کے پاس ہی رہے، اس طرح مسلمانوں کے معاشی حالات بہتر ہوں گے، کیوں کہ اگر اپنوں سے ہی خریدنے کا رجحان بڑھنے لگا تو مسلمانوں کو اپنی مصنوعات اور سامان تجارت فروخت کرنے کے لیے اس دنیا کا بہت بڑا بازار میسر ہوگا، ظاہر ہے ملکی سطح پر دیکھیں یا عالمی سطح پر، مسلمانوں کی تعداد اس وقت کروڑوں میں رہی ہوگی تو اب اربوں میں ہے، کیا مسلمان صنعت وتجارت میں خود کفیل ہوجائیں تو ان کو کسی اور بازار کی ضرورت رہ جائے گی؟ اس طرح دنیا کی بہت ساری قومیں ہم سے مسابقت میں پہلے ہی باہر ہوچکی ہوں گی، کہ جب ان سے سامان ہی نہ خریدا جائے گا تو بازار تجارت میں ان کے کمپٹیشن کا کچھ حاصل نہ ہوگا اور مسلمانوں کی تجارت محفوظ رہے گی۔ مسلمان تاجروں کو خریداروں کی کمی نہ ستائے گی، خریداروں کو اشیائے خورد ونوش کی حلت وحرمت کا مسئلہ نہ ہوگا، مسلمانوں کے مال کے بل بوتے پر غیر مسلم مضبوط ہوکر ہمارے ہی خلاف ہم سے ہی کمائی ہوئی دولت وثروت استعمال نہ کرسکیں گے۔ وغیرہ

**مسلم بینک کھولنے کی ترغیب:**

اسی میں آگے فرماتے ہیں:

"ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے
تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بنک کھولتے،
سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے
کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے، اور

اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کفل الفقیہ الفاھم" میں چھپ چکا ہے، اُن جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انہیں بھی فائدہ پہنچتا اور اُن کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی، اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں اُن سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائیداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے چنگے۔"

**تبصرہ:**

تیسرا نکتہ تو مسلمانوں کو خود کفیل بنانے کے لیے اکسیر ہے، آخر اسی نکتے کو استعمال کر کے دنیا کی ساری قومیں ترقی کرتی چلی گئیں مگر مسلمان پیچھے کے پیچھے رہ گئے، یہ نظریہ ہے اپنا بینک کھولنا، اس سے اقتصادیات کے باب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ادارک اور ان کی دور رس نگاہوں کا اندازہ ہوتا ہے، اس دور میں بینکوں کی افادیت کا سب کو اندازہ ہوگیا ہے، اپنے بینک نہ ہونے کے سبب ہی مسلمان مالی معاملات میں دوسری قوموں کے بینک پر انحصار کرتے ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتے ہیں مسلمانوں کو بھاری سود پر قرضے دیتے ہیں، اور ہماری جمع کردہ رقوم کو دوسری جگہوں پر لگا کر نفع بھی کماتے ہیں۔ مسلمان اپنے بینک قائم کریں اور بینک کو اسلامی نظام تجارت وشرکت کے مطابق چلائیں تو اس سے کئی فائدے ہوں گے، مثلاً سودی نظام کی تباہ کاروں سے چھٹکارا مل جائے گا، ہمارے سرمائے کو کوئی دوسری قوم ہمارے ہی خلاف استعمال نہ کرسکے گی، اورشریعت کی روشنی میں مالی معاملات درست رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسلامی بینک کے قیام کی تجویز وترغیب ۱۹۱۲ میں دی تھی، جب ہندوستان کے صرف بڑے شہروں میں چند بینک قائم تھے، جو ہندوؤں یا انگریزوں کے ہاتھ میں تھے۔ ۱۹۴۰ تک مسلمانوں کا کوئی بینک نہ تھا۔ بینک زیادہ تر انگریزوں کے تھے، چنانچہ مسلم ممالک میں جو دولت مند تھے وہ بھی اپنا سرمایہ مغربی ممالک کے بینکوں میں جمع کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے پیسوں سے مغرب نے خوب ترقی کی،

اور ہمارے لوگوں کو بڑے کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ میسر نہ ہوسکا۔ اس تعلق سے پروفیسر رفیع اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا امام احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کرلیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقینا مختلف ہوتی، اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا، ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں، یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مردِ مومن نے تو تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے، یہ ہی بات ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم (محمد علی جناح) نے دہرائی (جن کے باعث کلکتہ میں ۹ جولائی ۱۹۴۷ میں مسلم کمرشل بینک قائم ہوا) اگر ۱۹۱۲ میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دوچار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایات پر عمل کرلیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے"۔

(معارف رضا، ۱۹۸۱ء صفحہ: ۶۰ بحوالہ اسلامک بینک کا موجد امام احمد رضا، صفحہ: ۱۵، از پروفیسر مجید اللہ قادری کراچی)

واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت نے "کفل الفقیہ الفاہم" میں بیان کردہ بینک کے نفع کمانے کے جس جائز طریقے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مراد شاید کفل الفقیہ الفاہم کا یہ بارہواں سوال وجواب ہے:

سوال (۱۲): اگر یہ جائز ہے تو کیا ایسا جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے: روپے تو میرے پاس نہیں، ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا؟ کہ یہ سود کا حیلہ ہے؟ اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے؟ کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام؟ حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا۔

جواب: ہاں جائز ہے، جب کہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں، نہ کہ قرض کا۔ اس لیے کہ بیچنا جائز، کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا دس سے کچھ اوپر دے تو ضرور حرام ہے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ مترجم: جلد ۱۷ کفل الفقیہ الفاہم)

## بہتر اقتصادیات کا اصل سرچشمہ:

اسی میں اعلیٰ حضرت کی چوتھی ہدایت یہ ہے:

”رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوطی سے تھامنے نے اگلوں کو اُن مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں اُن کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا، اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت مینگرایا، فانا للہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔“ (فتاویٰ رضویہ مترجم۔ ۱۵، ۱۴۵، ۱۴۴)

یہ ہدایت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے جس خاص معاشی نظریات کی وضاحت کرتی ہے وہ ہے دینداری۔ اس دور میں جب بھی کسی مسلمان لکچرار یا واعظ سے مسلمانوں کی معاشی ابتری پر لکچر سنیے تو یا تو وہ دین سے دوری کو مکمل سبب کے طور پر پیش کرے گا یا دنیا داری کو دنیاداری کے اصولوں پر نہ برتنے کو ذمہ دار قرار دے گا۔ مگر اعلیٰ حضرت نے دونوں قسم کے اسباب ذکر فرمائے، حقیقت یہ ہے کہ ہر میدان میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کی دینداری ہے، جس کو اعلیٰ حضرت نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے سے تعبیر فرمایا، اس میں

کمی آتی ہے تو اس کے مظاہر دیگر کمزوری کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، پھر انسان انھیں مظاہر کو اپنی ناکامیوں کا سبب ماننے لگتا ہے۔

یہ چاروں امور اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آج سے سو سال قبل بیان کیے تھے، یہ سب آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں، اگر ان چاروں کو مسلمان اختیار کرلیں تو مسلمانوں کی معاشی حالات میں یکبارگی سدھار آئے گی۔

مسلمانوں کی معاشی ابتری کے چار اسباب:

اس کے بعد چار قسم کی بدحالی و بداطواری کا ذکر فرمایا جو اصل میں انھیں مذکورہ چاروں ہدایات کو نظر انداز کرنے کی تفصیل ہے، ان سے بھی اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مسلمان معاشی طور پر کس طرح خود کو سنبھالا دے سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اول پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں، اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند، گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں، کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں، فهل أنتم منتهون۔

دوم کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت و تجارت کو عیب سمجھتے ہیں، اور ذلت کی نوکریاں کرنے ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے حرام مال کھانے کو فخر و عزت، اور جو تجارت کریں بھی تو خریداروں کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں اگرچہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنے ہی بھائی کا ہے۔ اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خرید لینگے، اُدھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے، مسلمان صاحب چونّی سے کم پر راضی نہیں، اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا

بلکہ خراب۔ ھندو تجارت کے اصول جانتا ھے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہ زیادہ ملتا ھے اور مسلمان صاحب چاھتے ھیں کہ سارا نفع ایک ھی خریدار سے وصول کرلیں۔ ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ھندو سے خریدتے ھیں، کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو۔ فهل أنتم منتهون۔

سوم کی یہ حالت کہ اکثر امراء کو اپنے ناجائز عیش سے کام ھے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بیہودگی کے کاموں مینہزاروں لاکھوں اڑادیں وہ ناموری ھے ریاست ھے، اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار، اور جنھوننے بنیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیونکریں۔ دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض، ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کیا ضرورت ھے، نہ انھیں مرنا ھے نہ اللہ وحدہ قہار کے حضور جانا، نہ اعمال کا حساب دینا، انا لله وانا اليه راجعون، پھر سود بھی لینتو بنیا اگر بارہ آنے مانگے یہ دیڑہ دو سے کم پر راضی نہ ھوں، ناچار حاجت مند بنیوں کے ھتھے چڑھتے ھیں، اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ھیں۔

چھارم کا حال ناگفتہ بہ ھے کہ انٹر پاس کورزاق مطلق سمجھا ھے، وھاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے، اپنی ابتدائی عمر کہ وھی تعلیم کا زمانہ ھے یونگنوائی، اب پاس ھونے مینجھگڑا ھے،تین تین بار فیل ھوتے ھیں، اور پھر لپٹے چلے جاتے ھیں، اور قسمت کی خوبی کہ

مسلمان هی اکثر فیل کیے جاتے هیں، پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نهیںاور ملی بھی توصریح ذلت کی، اوررفته رفته دنیوی عزت کی بھی پائی وہ که عندالشرع هزار ذلت ، کھے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیك وبدمیںتمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجه یه هوتاهے که دین کو مضحکه سمجھتے هیں اپنے باپ دادا کو جنگلی ، وحشی ، بے تمیز ، گنوار ، نالائق، بیهوده، احمق، بے خرد جاننے لگتے هیں،بفرض غلط اگر یه ترقی بھی هوئی تو نه هونے سے کروڑ درجے بدتر هوئی، کیا تم علم دین کی برکتیں ترك کروگے۔ فهل أنتم منتهون۔(فتاویٰ رضویه مترجم ۱۵؍۱۴۶،۱۴۵)

امام احمد رضا کے مطابق معاشیات کے شرعی اصول :

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک رسالہ ’’خیرالآمال فی حکم الکسب والسوال‘‘ لکھا جس میں تجارت کے شرعی اصول پوری تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔کسب کے ذرائع اور مقاصد دونوں جہتوں سے ان کے احکام شرعیہ بیان کرتے ہوئے آمدنی کے مختلف ذرائع کے متعلق شرعی احکام کی تفصیل فرمائی ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم میں ۲۳ویں جلد میں موجود ہے۔اس میں آپ نے کسب اور حصول مال کے لیے جو شرعی اصول بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

کسب کے لیے ایک ذریعہ ہوتا ہے جس سے مال حاصل کیا جائے اور ایک مقصد ہوتا ہے جس کے لیے مال حاصل کیا جائے، ان دونوں میں نو احکام شرعیہ جاری ہیں یعنی فرض، واجب ،سنت، مستحب، مباح ،مکروہ تنزیہی ، اساءت،مکروہ تحریمی،حرام۔انھیں مختلف احکام کے لحاظ سے کسب کاحکم بھی مختلف ہوگا، ورنہ ان کے بغیر کسب کوئی خاص حکم نہیں رکھتا۔

ذرائع (Resources) میں مختلف احکام :

حرام: جیسے غصب، رشوت، سرقہ ، ربا، یوہیں زنا وغنا کی اجرت، اور تمام عقود باطلہ وفاسدہ قطعیہ۔

مکروہ تنزیہی: جیسے اذانِ جمعہ کے وقت تجارت، اور ایک مسلمان جب ایک چیز خرید رہا ہے اور قیمت طے ہوگئی مگر گفتگو ہنوز ختم نہ ہوئی کہ قیمت بڑھا کر خود لینا، یوں ہی تلقی جلب، بیع الحاضر للبادی، تانبے پیتل کے زیورات بیچنا اور جملہ عقود ومکاسب ممنوعہ ظنیہ۔

اساءت: یعنی وہ کام جسے نہ مکروہ تنزیہی کی طرح صرف خلاف اولیٰ کہا جائے کہ جس پر ملامت بھی نہیں، نہ تحریمی کی طرح گناہ وناجائز جس پر استحقاق عذاب ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ برا کیا قابل ملامت ہوا۔ یعنی مکروہ تنزیہی سے بڑھ کر اور مکروہ تحریمی سے کم تر۔ جیسے اپنے سے بڑے عالم کے ہوتے ہوئے عہدۂ قضا کی ملازمت، جب کہ وہ اس پر راضی ہو۔ یوں ہی ظہر ومغرب وعشا کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے بیع وشرا، اور ہر وہ کسب جو خلاف سنت ہو یا اس کا شغل ترک سنت کیطرف مؤدی ہو۔

مکروہ تنزیہی: جیسے بیع عینہ جب کہ مبیع بائع کے پاس واپس نہ آئے، (مبیع بائع کے پاس عود کرے تو مکروہ تحریمی ہے) مثلاً جو قرض مانگنے آیا اسے روپیہ نہ دیا بلکہ دس کی چیز پندرہ کو اس کے ہاتھ بیچی پھر اس نے دس کو بازار میں بیچ لی۔

مباح: جیسے جنگل کی لکڑی، دریا کی مچھلی، جنگل کے شکار۔

مستحب: جیسے خدمت اولیا وعلما کی نوکری

سنت: جیسے احباب کا ہدیہ قبول کرنا اور عوض دینا، اور افضل کسب مسنون سلطان اسلام کے تحت جہاد شرعی کرنا ہے۔ شامی میں ہے کہ سب سے افضل انواع کسب میں جہاد ہے پھر تجارت پھر کھیتی پھر صنعت۔

واجب: جیسے والدین کا عطیہ قبول کرنا، جب کہ نہ لینے میں ان کی ایذا مظنون ہو۔

فرض: جیسے والدین کا عطیہ نہ قبول کرنے میں ان کی ایذا کا یقین ہو تو قبول کرنا فرض ہے کہ ایذائے والدین حرام قطعی ہے۔ یوں ہی عہدۂ قضا کا اس کے علاوہ کوئی اہل نہ ہو تو یہ عہدہ قبول کرنا فرض ہے۔

غایات (Purpose) میں مختلف احکام:

فرض: جیسے جان بچانے کو کھانا پینا اور ستر عورت کے لیے کپڑا پہننا، بلکہ اتنا کھانا جس سے کھڑے ہوکر فرض نماز ادا کرسکے اور رمضان میں روزے رکھ سکے۔ یوں ہی اہل وعیال

کے فرض اخراجات اور دیون مفروضہ کی ادائیگی۔ یوں ہی حج فرض ہونے کے بعد مال نہ رہا تو حج فرض کی ادائیگی۔

واجب: جیسے اتنا کھانا کہ ادائے واجبات پر قادر ہو، زوجہ کا حق جماع ادا کر سکے۔ کپڑے میں اتنی زیادت کہ انتقالات نماز میں زانو نہ کھلیں، یوں ہی صدقہ فطر، اور قربانی جب کہ واجب ہونے کے بعد مال نہ رہا، اور ہر واجب جس کی تحصیل کے لیے مال درکار ہو۔

سنت: جیسے نماز کے لیے عمامہ وغیرہ مسنون لباس، اور تجمل عیدین وجمعہ، وتعمیر وتوسیع مساجد وصلہ رحمی وہدیہ احباب، مساکین کی غمخواری، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری اور مہمانوں کی ضیافت وغیرہ سنن مالیہ، وعطر، مشک، سرمہ، کنگھا اور آئینہ اتباع سنت کی نیت سے۔

مستحب: جیسے پل، مسافر خانہ ، اور مدارس کی تعمیر، بلکہ مہمان کے ساتھ پیٹ بھر کھانا تا کہ وہ ہاتھ اٹھا لینے سے شرما کر بھوکا نہ رہ جائے۔ یوں ہی عورت کے لیے سیر خوری اس نیت سے کہ شوہر کے لیے حفظ جمال کرے۔

مباح: جیسے زینت وآرائش، لباس ومکان، عورتوں کے لیے زیورات، جب کہ یہ سب امور منکرات اور برے مقاصد سے خالی ہوں۔

مکروہ تنزیہی: جیسے اپنے لیے قسم قسم کے میوہ جات سے تفکہ

اساءت: جیسے اتباع شہوت نفس ولذت طبع کے لیے حلال کے ساتھ تنعم میں انہماک۔

مکروہ تحریمی: جیسے محض تکاثر وتفاخر کے لیے مال جمع کرنا، یوں ہی پیٹ سے زیادہ چند لقمے کھانا جن کا معدے میں بگڑ جانا مظنون نہ ہو، مگر جب کہ روزے کی قوت مقصود ہو یا مہمان کا ساتھ دینا۔ یوں ہی لباس شہرت، یعنی ایسا چمکیلا نادر لباس جس پر انگلیاں اٹھیں۔

حرام: جیسے ریشمی کپڑے، یوں ہی پیٹ سے زیادہ کھانا جس کا بگڑ جانے کا ظن ہو۔

یہ تو کسب کے ذرائع اور اس کے مقاصد کے متعلق شرعی احکام تھے، اب خود کسب کے احکام کی تفصیل فرماتے ہیں جس کا مدار مذکورہ نو صورتوں پر ہے، کیوں کہ کسب کا تعلق ذرائع اور مقاصد دونوں سے لازمی ہے، اور کسب کے شرعی حکم کی بنیاد دونوں پر ہے۔ مذکورہ دونوں صورتوں یعنی کسب کے ذرائع اور کسب کے مقاصد سے متعلق نو احکام مذکورہ میں اول چار جانب طلب ہیں یعنی ان کا مطالبہ ہے، اور آخری چار جانب نہی ہیں یعنی ان کی ممانعت۔

جانبِ طلب میں فرض وواجب میں طلبِ جازم ہے اور سنت ومستحب میں غیر جازم، اور آخری چار میں مکروہ تنزیہی واساءت میں نہی ارشادی ہے، اور مکروہ تحریمی وحرام میں نہی حتمی، رہا مباح تو وہ طلب ونہی دونوں سے خالی ہے۔ اب اگر کسب کا سبب اور غرض دونوں اقسامِ تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہیں جب تو وہی حکم کسب کا بھی ہوگا، مثلاً ذریعہ بھی فرض اور مقصد بھی فرض تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا۔ اور دونوں حرام تو ایسا کسب دوہرا حرام ہوگا۔

اور اگر سبب وغرض مختلف اقسام سے ہیں تو تین حال سے خالی نہیں:

(۱) اختلاف جانب واحد میں ہو مثلاً طلب یا نہی کے اقسام میں ہو جیسے سبب فرض ہو غرض واجب، یا سبب مکروہ تنزیہی، غرض حرام

(۲) اختلاف جانب وسط ہو جیسے سبب واجب یا حرام ہو اور غرض مباح، یا اس کا عکس، ان دونوں صورتوں میں کسب اقویٰ کے تابع ہوگا مثلاً فرض ووجوب کا اختلاف ہے تو فرض، اور وجوب وسنیت کا تو واجب، اور ایک مباح اور دوسرا اور کسی قسم کا ہے تو کسب اسی قسم کا ہوگا۔

(۳) اختلاف اختلاف جانبین ہو، یعنی سبب جانب طلب میں ہے اور غرض جانب نہی یا بالعکس، پہلی صورت میں کسب کا حکم مطلقاً وہی ہوگا جو غرض کا ہوگا، مثلاً غرض حرام ہے تو کسب بھی حرام اگرچہ سبب فرض واجب ہو، حتی کہ اگر سبب اعلیٰ درجۂ طلب میں ہو یعنی فرض اورغرض ادنیٰ درجۂ نہی میں یعنی مکروہ تنزیہی جب بھی کسب مکروہ تنزیہی سے خالی نہیں ہوسکتا اگرچہ سبب فی نفسہ فرض ہے، وجہ یہ کہ کوئی غرض معین کسب کے لیے لازم نہیں وہ اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے، مانا کہ سبب فرض تھا مگر جب اس نے کسی حرام یا ناپسندیدہ کی نیت سے کیا ضرور حرمت وناپسندیدگی میں گرفتار ہوا، کہ ایسی نیت کیوں کی، اس کی نظیر نماز ہے جو دکھاوے کو پڑھی، اگرچہ نماز فی نفسہ فرض ہے مگر نیت خبیثہ موجب تحریم ہوگی۔

اس کے عکس میں یعنی جب سبب جانب نہی ہو اور غرض جانب طلب، اگر وہ سبب متعین نہ تھا، بلکہ اس کا غیر جو نہی سے خالی ہو ممکن تھا تو اس صورت میں بھی کسب کا حکم مطلقاً وہی ہوگا جو نہی کا ہوگا، کہ غرض اگرچہ فرض ہے جب مباح ذریعہ سے مال مل سکتا تھا تو حرام یا مکروہ کی طرف جانا اپنے اختیار سے ہوا، اور اس کا الزام لازم آیا، اور اگر سبب متعین تھا کہ دوسرا طریقہ قدرت ہی میں نہیں تو اب دو صورتیں ہوں گی:

(الف) غرض وسبب کی نہی وطلب دونوں ایک ہی مرتبہ میں ہوں مثلاً سبب حرام، غرض فرض، سبب مکروہ تحریمی غرض واجب، سبب میں اساءت غرض سنت، سبب مکروہ تنزیہی غرض مستحب، اورصرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ نوع واحد میں بھی تفاوت وقوت پر بھی نظرلازم ہے، کہ بعض فرض بعض سے زیادہ موکد ہوتے ہیں اور بعض حرام بعض سے زیادہ سخت ہوتے ہیں، جب سب وجوہ سے طرفین میں تساویٔ قوت ثابت ہوتوحکم کسب میں اتباعِ سبب یعنی جانبِ نہی کوترجیح ہوگی۔ کیوں کہ شرع ماموارت کی بجاآوری سے زیادہ منہیات سے بچنے کو اہم قراردیتی ہے۔اور جب دونوں کی قوت کم وبیش ہوتو اقویٰ کا اعتبار ہوگا، سبب ہو یا غرض، جیسے مالِ غیر بلااجازت لینا حرام ہے اورخنزیر وخمر کی حرمت اس سے بھی زائد اور جان بچانے کی فرضیت ان سب سے اقویٰ ہے، لہٰذا حالت مخمصہ میں ان اشیا کا اتنا تناول لازم ہوا کہ جان بچ جائے، اور جانب غرض کوترجیح دی گئی، اور اگر یہ مضطر کچھ نہ پاتا مگر یہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کرکھائے تو حلال نہیں اگرچہ اُس شخص نے اجازت بھی دی ہو، کہ حرمت انسان اس فرض سے اقویٰ ہے۔لہٰذا جانب سبب کوترجیح رہی۔

اس تفصیل کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہ تقریرمنیر حفظ رکھنے کی ہے، کہ اول تا آخر اس تحقیق جمیل وضبط جلیل کے ساتھ اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی، وباللہ التوفیق۔(فتاویٰ رضویہ ۲۳/ ۶۰۳ تا ۶۲۰)

## سوال کرنے کا حکم:

حصولِ مال کی دوصورت ہوسکتی ہے، یاتوکسی چیز کے عوض میں حاصل ہوا خواہ وہ مال کے عوض جس کوتجارت کہتے ہیں یا خدمت کے عوض جس کوصنعت یا اجرت کہتے ہیں، یا بلاعوض مال حاصل ہوا، بلاعوض مال کا حصول حرام بھی ہوسکتا ہے جیسے غصب اور چوری، یا جائز ہوسکتا ہے جیسے ہدیہ، وصیت، وراثت، اور ایک صورت ہے کہ مال حاصل کرنے کے لیے سوال کیاجائے، یہ محتاج کو جائز ہے اورغیر محتاج کوحرام ہے۔ اسی رسالے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کی تفصیل فرمائی ہے،جس کا خلاصہ یہ ہے:

جب غرض ضروری نہ ہوتو سوال حرام، مثلاً آج کا کھانے کو ہےتوکل کے لیے سوال حلال نہیں، کہ کل تک کی زندگی بھی معلوم نہیں، کھانے کی ضرورت درکنار۔ یوں ہی رسوم شادی کے

لیے سوال حرام ، کہ نکاح شرع میں ایجاب وقبول کا نام ہے جس کے لیے ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر غرض ضروری ہے اور بے سوال کسی حلال طریقے سے دفع ہوسکتی ہے جب بھی سوال حرام، مثلاً کھانے کو کچھ پاس نہیں، مگر ہاتھ میں ہنر ہے یا آدمی تندرست مزدوری کے لائق ہے کہ اپنی صنعت یا اجرت سے بقدر حاجت کمائی کرسکتا ہے تو اس وقت تک اسے سوال حلال نہیں جب تک کہ حاجت مخمصہ کی حد تک نہ پہنچے، نہ اسے دینا جائز ، کہ ایسوں کو دینا کسب حرام پر مدد دینا ہے، اگر کوئی نہ دے تو جھک مار کر خود ہی محنت مزدوری کریں۔

اور اگر کوئی دوسرا طریقہ حلال میسر نہیں، حرفت وصنعت کچھ نہیں جانتا نہ محنت مزدوری پر قدرت ہے، یا کسب تو کرسکتا ہے مگر حاجت فوری ہے، کہ کسب کا انتظار نہیں ہوسکتا تو سوال حلال ہوگا۔ کہ ان صورتوں میں کام یوں ہی نکل سکتا ہے کہ مانگ کرلے یا چھین کر یا چرا کر یا کوئی حرام یا مردار کھائے، سرقہ وغصب کی حرمت سوال سے اشد ہے، اور حرام ومردار کی ممانعت چوری اور غصب سے بھی سخت تر۔

علمائے کرام نے جہاد اور طلب علم دین میں مشغولی کو بھی وجوہِ معذوری سے شمار کیا اور ایسے کے لیے سوال حلال بتایا۔

جب مدار ضرورتِ غرض اور تعینِ ذریعہ پر ٹھہرا تو کچھ اکل وشرب ہی کی تخصیص نہیں، کہ جس کے پاس ایک دن کے کھانے کا ہے اسے سوال مطلقاً منع ہو، بلکہ اگر دس دن کا کھانا موجود ہو اور کپڑا نہیں یا کپڑا ابھی ہے مگر ہلکا کہ جاڑے کی آفت روک نہیں سکتا اور کپڑا حاصل کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں اسے ایسے کپڑے کا سوال حلال ہے۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ صفحہ ۶۰۳ تا ۶۲۰ رسالہ خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال)

حصول مال اور کسب وتجارت کے متعلق شرعی احکام کا اتنا جامع بیان علمی تاریخ میں نہیں ملتا، اس قدر جامع بیان مسلمانوں کے لیے ساری دنیا کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً معاشیات کا بہت بڑا سرمایہ ہے، معاشیات کے ماہرین اگر ان تفصیلات کو اس فن کی کتابوں میں شامل کرلیں تو یہ موضوع بہت جامع ہوجائے گا۔ اور مسلمان ان کو سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کرلیں تو معاشی امور میں کبھی غلط روی کا شکار نہ ہوں گے، کسی کی حق تلفی نہ ہوگی، مالی پریشانیوں کا سامنا نہ ہوگا، اور سارے معاملات عین نقطۂ اعتدال پر رہیں گے۔

### منی آرڈر کے ذریعہ رقم کی ترسیل پر اجارہ کا مسئلہ:

رشید احمد گنگوہی نے منی آرڈر کے ذریعہ بھیجی جانے والی رقم پر بھیجنے کی جو فیس دی جاتی ہے اسے سود قرار دے کر حرام قرار دیا، اس کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے ''کتاب المنیٰ والدرر لمن عمد منی آردر''۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہی منشائے غلط ہے، منی آرڈر میں دو قسم کے دام دیے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسری محصول کی رقم، مثلاً دس روپے دو آنے، اگر پہلے دام بعینہ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو خالص اجارہ ہوتا، اگر بدل کر ان کی نظیر دینے کا ضابطہ بنائے بغیر وہاں نظیر دیتے تو بھی محض اجارہ ہوتا اور ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ ہوتا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرفِ امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے۔ مگر جب کہ یہ امساکِ عین اور دفعِ مثل ضابطہ معہودہ ہے کہ ڈاک خانے والوں نے اپنی آسانی کے لیے وضع کیے، مگر مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی، اس کا مطلب بعینہ روپیہ بھیجنے میں بھی حاصل تھا، تاہم بوجہ ضابطہ وتعارف جب کہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں قرض کا تحقق ماننا بھی غلط نہیں، اگر چہ بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔ یوں ہی دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دیے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی، یا کسی ایسے کام کے عوض دیے جاتے جو منفعت مقصودہ عقد اجارہ کے لائق نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا، مگر حاشا یہاں ہرگز ایسا نہیں، بلکہ وہ یقینا اجرت ہیں، دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے ہیں لینے والے اجرت ہی سمجھ کر لیتے ہیں، کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ دو آنے سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے۔ اگر کہیے کس کام کی اجرت؟ ہاں مرسل الیہ کے گھر جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور رسید لانے کی۔ شرع میں مہما امکن تصحیح کلام و تصحیح عقود پر نظر رہتی ہے، نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد پر، جیسے دس روپے دو آنے کے عوض دو روپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملایئے تو عین ربا، مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیر کر ربا سے بچاتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ منی آرڈر میں اگر چہ اجارہ

محضہ نہیں مگر ہرگز قرض محض بھی نہیں، بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حل ہو گئے ، ربا کا خیال اسی پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے۔(ملخصاً فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۹ صفحہ ۵۶۳ تا ۶۰۷)

اس طرح امام احمد رضا قدس سرہ کے دور میں معاشیات اور مالی معاملات میں جس قدر بھی سوالات آئے آپ نے ان کو بخوبی حل کیا اور ساتھ ہی ایسی تحقیقات

چھوڑ گئے جن کی روشنی میں آج کے جدید مسائل بھی بخوبی حل کیے جاتے ہیں، بلکہ انھیں سے روشنی لے کر دیگر مکاتبِ فکر کے علما بھی فقہ المعاملات میں دادِ تحقیق دے رہے ہیں۔آج اسلامک بینکنگ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، بلکہ مختلف مما لک میں اسلامک بینکنگ سسٹم کو لانچ بھی کیا گیا ہے، اوران کے پروموٹرس مشاورت کے لیے مفتیانِ کرام کی ایک ٹیم سے بھی مستقل وابستہ رہتے ہیں۔ہمیں نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے سودی نظام سے اپنے اسلامک بینکنگ سسٹم کو کتنا دور رکھا ہے، اس لیے کہ ہمارے بہت مفتیان کرام کو ابھی بھی ان پر تحفظات ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات خصوصاً ''کفل الفقیہ الفاہم'' کے جوابات کی روشنی میں (جن کا خلاصہ گزرا) سودی نظام سے بالکلیہ صاف شفاف اسلامک بینکنگ استوار کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆☆☆

## امام احمد رضا اور زر کی بازار کاری

{پروفیسر عبدالمجید صدیقی ،سابق پرنسپل سٹی کالج ، مالیگاؤں}

cell.9221275129, Email: abmajeed. siddiqui@ gmail. com

اسلامی معاشیات کے چند بنیادی اصول ذیل میں درج کیے جارہے ہیں جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قران مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

☆اے ایمان والو ! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگرو ہ کہ کوئی

سود اتمھاری باہمی رضا مندی کا ہو- (سورۂ نسا:۹۹/ کنزالایمان )

☆اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دو، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں اور گردن چھڑانے میں- (سورۂ بقرۃ:۱۷۷/ کنزالایمان )

☆اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں-
(سورۂ بنی اسرائیل:-۲۶/۲۷ کنزالایمان )

☆اے ایمان والو! اللہ سے ڈرواور چھوڑدو جو باقی رہ گیا سود، اگر مسلمان ہو۔
(سورۂ البقرۃ:۲۷۷/ کنزالایمان )

☆ پھر اگر ایسا نہ کروتو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کروتو اپنا مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہچاؤ نہ تمھیں نقصان ہو۔ (سورۂ البقرۃ:۲۷۸/ کنزالایمان )

☆ وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑا ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جواب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے ، وہ اس میں مدتوں رہیں گے، اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں کوئی ناشکرا بڑا گنہ گار۔ (سورۂ البقراۃ: ۲۷۴۔۲۷۵/ کنزالایمان)

☆(اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔)

اس ضمن میں چند احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ملاحظہ فرمالیں:

☆حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا دیکھنا! عیش پسند زندگی سے دور رہنا کیوں کہ اللہ کے بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گزارتے۔ (احمد)

☆میرے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر آدم کے کسی بیٹے کی ملکیت میں سونے کے دو پہاڑ دے دیں تو تیسرے پہاڑ کی تمنا کرے گا، صرف قبر کی مٹی ہی آدم کی اولاد کا پیٹ بھر سکتی ہے۔ (صحیح بخاری، باب ۸۱، حدیث ۶۴۳۶)

☆سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو یہ پروانہ ہوگی

کہ جو مال وہ حاصل کر رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام ۔ ( صحیح بخاری شریف )

☆ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے اہل خانہ پر ثواب کی نیت سے خرچ کرنا اس کے حق میں صدقہ ہے ۔ ( بخاری عن ابن مسعود )

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے ۔ ( بیہقی )

درج بالا قرآن واحادیث کے چند حوالوں سے کچھ ایسے اسلامی معاشی امور اخذ کیے جا سکتے ہیں جن کا تعلق عصری معاشیات سے بھی ہے ، ذیل میں مختصراً اس کی وضاحت کی جارہی ہے ۔

(۱) **آمدنی و دولت** (Income and wealth) کسی ذریعے سے حاصل ہونے والا مال آمدنی ہے، اسے آدمی اپنی ضروریات پر خرچ کرتا رہتا ہے ، اس کے بعد جو حصہ بچ رہتا ہے وہ اس کی دولت (wealth ) کی شکل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ کسی ذریعہ سے حاصل ہونے والا مال آمدنی ہے، اس میں سے جو پس انداز ہو کر جمع ہو جائے وہ دولت ہے۔

(۲) **صرف** (Consumption ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی ضروریات کے پیش نظر بہت ساری چیزوں کو پیدا فرمایا، ان چیزوں نے انسانی زندگی کو بے شمار سہولیات بہم پہنچائی ہیں ، ان ہی کے سبب ہمارا کھانا پینا ، رہنا سہنا ، لباس ، ادویات اور حصول علم وغیرہ ممکن ہوئے ہیں ، تمھارے وہ مال جن کو اللہ نے تمھارے زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے ۔ حسب ضرورت اور حسب استطاعت ان چیزوں ( اموال ) کے استعمال کی ترغیب دی ہے ، فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتلا کر انسان کو اس سے رکنے کی ترغیب بھی دی ، نیز اس بات کی بھی ترغیب دی کہ ” لوگ اپنا مال اللہ کے بندوں کی خیر وفلاح میں بھی لگائیں “ ....... چنانچہ اسلام نے فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنی ضروریات پر نیز اللہ کے بندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے ۔

(۳) **بچت** ( Saving ): آمدنی کا وہ حصہ جو خرچ نہ کیا گیا ہو بچت کہلاتا ہے ، اسلام فضول خرچی اور عیش پسندانہ زندگی گزارنے سے روکتا ہے، اسلام بچت کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اللہ کی راہ میں میں خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے دولت کی

ذخیراندوزی (Hoarding) سے روکتا بھی ہے ، جمع پانی کے مقابلے میں بہتا ہوا پانی معاشرہ کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے۔معیشت میں یہ بچت نہایت اہم رول ادا کرتی ہے،جس کی کارگزاری کا مشاہدہ زر بازاراورسرمایہ بازار میں ہم آگے کریں گے۔

اس ضمن میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ کسی بھی مقصد سے استعمال کے لیے اس بچت کوسود پر دینے کی اسلام شدت سے مخالفت کرتا ہے۔

(۴) **روپیہ کاروبار میں لگانا** (Investment):اس سے مرادوہ خرچ ہے جومنافع کمانے کا سبب بنے۔اس خرچ سے نقصان بھی ممکن ہے ، کاروباری شخص اپنی خود کی بچت کے ساتھ مختلف ذریعوں سے وسائل حاصل کر کے منافع کی امید پر کاروبار میں لگاتا ہے ، اللہ کا فضل تلاش کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے، یہ کاروبار زراعت ،صنعت وحرفت ، وغیرہ میں کوئی ایک یا ایک سے زائد بھی ہوسکتا ہے۔

روپیہ کاروبار میں لگانے کے تعلق سے اسلام نے کچھ شرائط متعین کر رکھی ہیں مثلاً سودی کاروبار نہ کریں ، شراب جیسی حرام اشیا کی پیداوار اور تجارت سے مکمل احتراز کریں ۔ مال روک کر بازار میں مصنوعی قلت پیدا نہ کریں۔

بعض لوگ اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں ، راہ گیروں ، سائلوں اورگردن چھڑانے میں لگا دیتے ہیں ،اورآخرت میں کہیں بڑے اجر کے حق دار ہوجاتے ہیں ۔ ناچیز اسے بھی Investment ہی گردانتا ہے۔

درج بالا معاشی معاملات خواہ آمدنی ہو یا دولت یا صرف (Consumption)، بچت (Saving) یا روپیہ کاروبار میں لگانا (Investment) ہوتمام معاشی معاملات میں زر (Money) کا عمل دخل کلید ہے۔

آیئے ان مشمولات کے حوالے سے کچھ غور وفکر کرلیں!

اسلامی وجدید معاشی نظام میں بعض قدر مشترک ہونے کے باوجود ان کے اندر بے پناہ بنیادی اختلافات بھی ہیں ، ان میں سب سے بڑا اختلاف ہے جدید معاشی نظام کا ''سود''۔ سود ہی وہ بنیاد ہے جس پر سرمایہ دارانہ نظام کی عمارت کھڑی ہے ۔جس کے اوپری

منزلے پر نہایت آرام وآسائش کے ساتھ دنیا کی ایک مخصوص اور محدود آبادی جام دوشینہ سے شاد براجمان ۔ جب کہ نچلے منزلے پر ایک بہت بڑی آبادی نان شبینہ سے بھی محروم ومحتاج ہے ۔مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی معاشی حالت تو اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔

مجدد علم معاشیات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی اس خستہ حالی کو بہت پہلے محسوس کرلیا تھا اور آپ نے اس کا علاج بھی تجویز فرمادیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں :

## رہنما اصول:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں پس انداز ہوسکیں ۔

(۲) بمبئی ،کلکتہ ، رنگون ، مدراس ، حیدرآباد وغیرہ کے تو انگر گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں ۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کریں ۔

(بحوالہ : امام احمد رضا کے معاشی نکات ،تحریر : پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی ، کوئنز یونی ورسٹی کنیڈا، ماخوذ : تدبیر فلاح ونجات واصلاح، از امام احمد رضا، ناشر نوری مشن مالیگاؤں )

جدید معاشی نظام کے حوالے سے بازار کاری (Marketimg) میں زر (Money) کے رول کا جائزہ مذکورہ بالا چار نکات کی روشنی میں لینے سے قبل اعلیٰ حضرت کی ایک اور فقید المثال تحریر ''کرنسی نوٹ کے مسائل'' ( کفل الفقیہ ) سے بھی استفادہ میں ضروری سمجھتا ہوں ۔ ملاحظہ کریں۔

۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۴ھ میں اعلیٰ حضرت کے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حنفی امام شیخ عبد اللہ میر داد نے آپ کے سامنے کرنسی نوٹ سے متعلق ۱۲/سوالات پیش کیے تھے ، اس وقت وہاں کرنسی نوٹ ایک نئی چیز تھی ، اعلیٰ حضرت نے ان سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔ ان ذیل میں ہر سوالات میں سے چند بنیادی اور متعلقہ سوالات کے جوابات شامل

مقالہ کررہاہوں ،مثلاً

(تفصیلی مطالہ کے لیے ملاحظہ کریں :ص ۱۰ تا ۱۲ ، کرنسی نوٹ کے مسائل ،ازامام احمد رضا، پیش کش الرضا پبلی کیشن ممبئی ، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی )

سوال ا۔کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

جواب ۔نوٹ قیمتی مال ہے رسید نہیں ۔

سوال ۲ ۔کیا اسے درہموں دیناروں اور پیسے کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب ۔ ہاں جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے ۔

سوال ۳۔ اگراسے کپڑے کے بدلے لیا جائے تو بیع متفایضہ ہوگی یا مطلق بیع ؟

جواب ۔ یہ اصطلاحی ثمن ہے لہٰذا کپڑے کے بدلے اسے لینا بیع متفایضہ نہیں بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

سوال ۴۔کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اسے اور اگر جائز ہے تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا دراہم کے ساتھ؟

جواب ۔ ہاں اسے بطور قرض دینا جائز ہے، اور ادائیگی صرف اس کے مثل کے ساتھ ہوگی۔

سوال ۵ ۔کیا اسے بطور ادھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب ۔ ہاں جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تا کہ دین کے بدلے دین نہ ہو۔

سوال ۶ ۔کیااس میں بیع سلم جائز ہے ،مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع اور صفت معلوم ہو اور مہینہ پیشگی درہم دینا؟

جواب ۔ ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال ۷۔ نوٹ میں لکھی ہوئی روپوں کی تعداد سے زائد کے بدلے اس کی بیع جائز ہے ؟ مثلاً دس کا نوٹ ۱۲ یا ۲۰ روپے یااس کے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب۔ ہاں اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال ۸۔ اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید، عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں البتہ میں دس کا نوٹ تم پر ۱۲ روپے میں بیچتا ہوں تم ہر مہینے ایک روپے ادا کرتے رہنا ، کیا اسے سود کا حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا ؟ اور اگر روکا نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہے اور (وہ) حرام ،

حالاں کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے، یعنی زائد مال حاصل کرنا۔

جواب۔ ہاں جائز ہے اور واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں، اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا کیوں کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا سوالات اور ان کے جوابات زر (Money) کی بازار کاری (Marketing) میں زبردست رول ادا کرسکتے ہیں۔ نیز غیر سودی بنکاری اور اسٹاک ایکسچنج مارکیٹ کو اسلامی انقلابی فکر سے مالا مال کرسکتے ہیں۔

مولوی امید علی صاحب (۱۳۱۸ھ/ ۱۸۹۹ء) میں موضع چرقاضی پور ڈاک خانہ سو بگا چہ، ضلع پابنا، ملک بنگالہ سے ایک استفتا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ان الفاظ میں روانہ کیا کہ ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام اور سوال کرنا کب جائز ہے اور کب نا جائز؟

اس مختصر سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے ایک رسالہ بعنوان ''خیر الآمال'' تحریر فرمایا جسے الرضا پبلی کیشن کی پیش کش پر رضا اکیڈمی ممبئی ۹ نے ''تجارت کا جائز طریقہ کے عنوان سے شائع کیا۔ اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے وقت حوالے سے روپے کمانے کے ۹/احکامات تحریر فرمائے ہیں۔ جو اس طرح ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) مباح (۶) مکروہ تنزیہی (۷) اساءت (۸) مکروہ تحریمی (۹) حرام

اس رسالہ کے صفحہ ۱۱ پر آپ تحریر فرماتے ہیں: احکام کسب کی طرف چلیے، **فاقول و با اللہ التو فیق** ظاہر ہے کہ کسب یعنی تحصیل مال خواہ روپیہ ہو یا طعام یا لباس یا کوئی شے سبب وغرض دونوں سے ناگزیر ہے، احکام نو ۹/گانہ میں پہلے چار جانب طلب ہیں جن میں فرض وواجب دونوں کی طلب جازم ہے اور سنت ومستحب کی غیر جازم، اور پچھلے چار جانب نہی ہیں جن میں مکروہ تنزیہی واسائت سے نہی ارشادی اور تحریمی وحرام سے حتمی اور مباح طلب نہی دونوں سے خالی ہے، اب اگر سبب وغرض دونوں اقسام تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہیں جب تو ظاہر ہے وہی حکم کسب پر ہوگا، مثلاً ذریعہ بھی فرض اور غرض، تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا اور دونوں حرام تو دونوں حرام علیٰ ہٰذا القیاس۔ چنانچہ ذریعہ اور غرض یہ وہ دو عوامل ہیں جو کسب (

روپیہ کمانے ) کے عمل کو متعین کرتے ہیں کہ یہ عمل فرض ہے .... یا.... حرام، اس کی روشنی میں آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کی کمائی کس زمرہ میں آتی ہے۔

فی زمانہ ''کمائی'' عموماً روپے پیسے کی شکل میں ہوتی ہے جسے علم معاشیات میں ''زر''(Money) کہا جاتا ہے، ماہرین معاشیات کہتے ہیں:

Money is the matter of functions four a medium, a measure, a standard a store.(Money Economics, by Suray B Gupta, Page3)

معیشت میں روپیہ چار کام انجام دیتا ہے : اول تبادلہ کا ذریعہ (Medium of Exchange) دوم قدر پیمائی (Measure of value) سوم بعد کی ادائیگی کا پیمانہ (Standard of deferred payment) چہارم قدر کی ذخیرہ اندوزی (Store of Value)۔

ماہرین معاشیات اس پر متفق ہیں کہ ''قدر پیمائی''، ''تبادلہ کا ذریعہ'' کا پر تو ہے۔ اسی طرح ''بعد کی ادائیگی کا پیمانہ''، ''قدر کی ذخیرہ اندوزی'' کا پرتو ہے چنانچہ زر کے دو ہی کام ہیں ، اول تبادلہ کا ذریعہ ،دوم قدر کی ذخیرہ اندوزی ۔ زر کے ان افعال نے بازارکاری (Marketing) کے عمل کو آج بہت آسان بنادیا ہے۔

بازارکاری ایک ایسا عمل ہے جہاں خریدنے اور بیچنے والے اکٹھا ہوکر خرید وفروخت کا عمل انجام دیتے ہیں ، اس کی بے شمار قسمیں بتائی جاسکتی ہیں ،جتنی اشیا اتنے بازار، لیکن ان تمام بازاروں کو ہم درج ذیل بازاروں میں تقسیم کریں گے۔

(۱)صرَف بازار (Consumption Market) (۲)زر بازار (Money Market or Banking) (۳)سرمایہ بازار (Capital Market)

آیئے ان تینوں بازار میں زر یعنی Money کا کیا عمل دخل ہے اس کا جائزہ لیں۔

(۱) **صرَف بازار:** اس بازار میں صارفین وہ اشیا خریدتے ہیں جنھیں وہ خریدنا چاہتے ہیں یا انھیں خریدنا پڑ جاتا ہے، اس شے کی طلب اور دزر کی شکل میں اس کی قیمت متعین کرتے ہیں اس قیمت پر خریدنے کا فیصلہ خریدار اس وقت کرتا ہے جب اس شے سے ملنے والی افادیت (Utility) زر کی مقدار کے برابر ہوتی ۔ اگر خریدار کی نظر میں شے کی افادیت کم ہے تو وہ کم

خریدے گا یا نہیں خریدے گا۔ اور اگر افادیت زر سے زیادہ ہے تو وہ زیادہ خریدے گا، اسی طرح سے تاجر بھی اپنے نفع ونقصان کے پیش نظر شے کے فروخت کا فیصلہ کرتا ہے۔

دنیاوی بازار میں دونوں فریق (خریدنے اور بیچنے والا) اپنے مفاد کا بھرپور خیال رکھتے ہیں جس کے سبب تجارت میں حسب ضرورت دونوں جائز وناجائز دونوں طریقوں کا استعمال کرتے ہیں جب کہ اسلامی صَرف بازار میں جائز طریقوں سے تجارت کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً جو کپڑا آپ فروخت کررہے ہیں اگر اس میں کچھ نقص ہے تو خریدار کو آپ نقص بتا کرفروخت کریں، اسی طرح سے وزن بڑھانے کے لیے نیچے کے گیہوں کو گیلا کرلیں اور اوپر خشک گیہوں رکھ کراگر آپ بیچنا چاہتے ہیں تو آخرت میں آپ کی گرفت یقینی ہے۔

اپنے رسالہ "خیرالآمال" (تجارت کا جائز طریقوں) میں (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کسب یعنی تحصیل مال میں صرف روپیہ کا شمار نہیں فرمایا ہے بلکہ طعام یا لباس یا کوئی شے کے حصول کا ذریعہ اور اس کی غرض دونوں فرض ہیں تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا، مثلاً ایک شخص نے حمالی کے ذریعہ کچھ روپیہ کمایا ہے اور اس کے بچے بھوکے ہیں تو اس پر دوہرا فرض یہ کہ وہ اناج خریدے نہ کہ شراب۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کے مطابق صرف بازار میں اپنا روپیہ کیسے خرچ کرنا ہے اس کی پوری پوری رہنمائی صارف حاصل کرتا ہے۔

(11) **زر بازار** (Money Market or banking) : زربازار وہ بازار ہے جہاں "مستقبل میں زر (Money) کے استعمال" کی خرید وفروخت ہوتی ہے زر بیچنے والوں کو آپ قرض دینے والا (Money Lender) سمجھ لیجیے مثلاً ساہوکار یا بنک وغیرہ۔ اس کے برعکس زر خریدنے والے کو آپ قرض لینے والا (Borrower) سمجھ لیجیے، بالخصوص سرمایہ دارانہ نظام میں قرض دینے والے ایک خاص منافع پر اپنا زر (Money) قرض لینے والے کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ عام زبان میں اس عمل کو ہم قرض لینے دینے کا عمل کہتے ہیں جو نقصان سے قطع نظر ایک خاص منافع کی شرط پہ منعقد ہوتا ہے، یہ خاص منافع "سود" ہے چناں چہ اس بازار میں سود پر قرض کا لین دین ہوتا ہے، قرض لینے والا اس قرض کو جیسے خرچ

کرنا چاہے وہ اسے خرچ کرسکتا ہے، چاہے وہ اسے اپنے صرف (Consumption) پر خرچ کرے چاہے زراعت، تجارت یا صنعت وحرفت پر بہرحال اسے ''سود'' ادا کرنا ہوتا ہے۔

ہندوستان میں قرض مہیا کرنے والے روایتی ادارے بھی ہیں ۔(مثلاً ساہوکار، وغیرہ وغیرہ) اور جدید ادارے بھی ہیں مثلاً بنک وغیرہ ۔ روایتی ادارے عموماً بہت زیادہ شرح سود پر قرض دیتے ہے جب کہ جدید اداروں کی شرح سود نسبتاً کم ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہیں جن کے سبب ساہوکاروں (روایتی اداروں) کے مقابلے میں بنک (جدید ادارے) کو قبول عام حاصل ہے ۔(ویسے اول الذکر ابھی بھی بازار زر میں ہیں، ) چنانچہ ہم اپنی بات بنک تک ہی محدود رکھیں گے۔

بینک کسے کہتے ہیں ؟ بینک ایک ایسا ادارہ ہے جو لوگوں سے ایسی امانت (Deposit) قبول کرتا ہے، جسے چیک کے ذریعہ واپس (Withdraw) لیا جاسکتا ہے اور جسے سود پر لوگوں کو بطور قرض دیا جاسکتا ہے۔

بینکاری نہایت قدیم کاروبار ہے۔ بابل اور روم کی قدیم تہذیبوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے ۔اٹلی کی نشاۃ ثانیہ اور پھر ۱۷/ ویں صدی عیسوی میں برطانیہ میں جدید خطوط پر بینک کی شروعات ہوئی۔

لفظ بینک غالباً اطالوی لفظ (BANCO) سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ بینچ ہے۔ لندن کے لومبارڈ واسٹریٹ میں بینچ پر بیٹھ کر سونار، یہودی وغیرہ لوگوں سے امانت قبول کرتے اور امانت کو سود پر حکومت، ضاعوں، تاجروں اور دیگر ضرورت مندوں کو بطور قرض دیا کرتے تھے ، Lawrence S. Tiller اور William L. Silber اپنی کتاب Principles of Money, Banking and Financial Markets کے ساتویں ایڈیشن کے ص ۱۷۶ پر رقم طراز ہیں کہ (تجارتی) بینک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو کئی مختلف النوع خدمات پیش کرتا ہے جس میں چیکنگ حسابات اور کاروباری قرض شامل ہیں ۔

بینک کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارہ قصیر المدتی قرضے (Shortterm Loans) سود پر مہیا کرتا ہے۔

## سودی بینکوں کی کارگزاریاں :

(Functions) ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

## (۱) قبول امانت

(Acceptance of Deposit): بینک چار امانتیں قبول کرتا ہے، مثلاً

(i) رواں حسابات (Current Accounts)

(ii) بچت حسابات (Saving Accounts) (iii) میعادی حسابات (Fixed Account) (iv) مراجعتی حسابات (Recurring Accounts) ...... جتنی طویل مدت کے لیے امانت رکھی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ سودی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۲) قرض کی پیش کش (Advancement of Loan): یہاں بھی بنک چار قسم کے قرضے سود پر قرض خواہوں کو فراہم کرتا ہے جو ذیل میں بالا ختصار درج ہیں:

(i) نقدی قرض (Cash Draft) (ii) زائد قرض (Over Draft) یعنی زائد از رقم بطور قرض نکالنا (iii) یک مشت قرض (Loan) (iv) ہنڈی توڑنا (Disconting of Bill of Exchange) اسے آپ منہائی قرض بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۳) تخلیق زر کی کارگزاری (Credit Creation Function)

(۴) غیر بینکاری کارگزاریاں: اس کی تین قسمیں ہیں جو مندرجۂ ذیل ہیں:

(الف) بطور گماشتہ / ایجنٹ کارگزاریاں (Agency Function)

(ب) عمومی افادیتی خدمت (General Litility Cervices)

(ج) سماجی بینکاری خدمات (Social banking Services)

ان چار کارگزاریوں میں سوائے چوتھی کارگزاری کی بقیہ تمام کارگزاریوں میں بینک کاروبار کرتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنک بغیر سودی کاروبار کیے درج بالا تمام کارگزاریاں انجام دے سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ شریعت نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور بیع کو حلال، جدید بنکس کی شریانوں میں غلیظ سودی خون دوڑتا ہے، جب کہ اسلامی بنکوں کے پیکر میں منافع کا صالح خون گردش کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے شریعت کے اس کلیدی ضابطے کا اظہار اپنی تحریر ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' (ناشر: نوری مالیگاؤں، ص ۱۲) میں یوں

فرمایا ہے کہ: ثالثاً ممبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائی کے لیے بنک کھولتے، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ''کفل الفقیہ الفاہم'' میں چھپ چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد علم معاشیات سے متصادم نہیں ہے، بلکہ اس کے متوازن ہے، شریعت نے ''سو طریقے نفع لینے'' کے جو بتلائے ہیں اس پر ایک زمانے تک اسلامی معیشت کار بند رہی ہے یہ ایک ایسا درس تھا جسے مسلمانوں کی سیاسی غلامی نے ذہنوں سے محو کر دیا تھا، اعلیٰ حضرت نے اس سبق کو پھر سے یاد دلایا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب زر کا تبادلہ اشیا سے ہوتا ہے تو عام بازاروں میں زر کے بدلے تاجر جب اپنی اشیا فروخت کرتا ہے تو اسے منافع حاصل ہوتا ہے جب کہ بینک ایک ایسا بازار ہے جہاں زر کا تبادلہ زر سے ہوتا ہے۔ زر کے ذریعے ایک متعینہ مدت کے لیے زر قرض لینے کے نام پر خریدا جاتا ہے، زر کی یہ خرید فروخت ایک متعینہ شرع پر ہوتی ہے جسے سود کہا جاتا ہے، مثلاً زید نے بکر کے ہاتھوں ١٠/ فی صد شرح سود پر ایک سال کے لیے ایک لاکھ روپے فروخت کیا (یعنی بطور قرض دیا) سال بھر گزرنے پر بکر زید کو ایک لاکھ دس ہزار روپے دینے کا پابند ہے، یہ دس ہزار سود ہے لیکن زر کی اس فروخت میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بکر جو ایک لاکھ روپیہ سال بھر کے لیے حاصل کر کے کاروبار کرتا ہے اس کے منافع میں سے زید دس ہزار کا حق دار تو بن گیا لیکن اگر زید کو کاروبار میں نقصان ہوتا ہے تو اس نقصان کا کیا؟ یہیں پر سودی بنکاری شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے اسی سبب سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرمائے ہیں کہ: سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر سو طریقے نفع لینے کے حاصل فرمائے جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصل ہے۔''

آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ کتبِ فقہ میں نفع لینے کے حاصل طریقے کون کون سے ہیں، ان حلال طریقوں کا ایک اجمالی خاکہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس بات کو ہم پہلے جان لیں کہ زر بذات خود زر پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، مثلاً زر آپ اپنی تجوری میں رکھیں یا بینک میں اگر استعمال میں نہ آئے تو عددی طور پر اس میں

کوئی بھی اضافہ ناممکن ہے جب تک زر کے ساتھ انسانی محنت وصلاحیت روبہ عمل نہ ہوتو عددی طور پراس میں نہ ہی کوئی اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی کمی۔ چنانچہ زر بذات خود بانجھ ہے۔

## کتب فقہ میں نفع لینے کے حلال طریقے:

نفع لینے کے حلال طریقوں کا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

### (۱) مضاربت:

اس کے مطابق بنک غیر سودی بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرے گا۔ کاروبار کرنے والا شخص بنک سے غیر سودی بنیادوں پر سرمایہ حاصل کرکے اپنے کاروبار میں لگائے گا، اور جو نفع حاصل ہوگا وہ ایک متعینہ تناسب کے حساب سے بنک اور کاروباری شخص کے درمیان تقسیم ہوگا اور اگر کاروبار میں نقصان ہوا تو طے شدہ معاہدے کے تحت بنک وہ نقصان اٹھائے گا۔

(۲) **مشارکت**: اس طریقہ کار میں دونوں فریق (بنک اور کاروباری شخص) سرمایہ کاری کریں گے اور دونوں مل کر کاروبار کریں گے، اور جو نفع حاصل ہوگا طے شدہ معاہدے کے مطابق دونوں میں تقسیم ہوگا، اور اگر نقصان ہوتا ہے تو ہر فریق اپنے اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب نقصان اٹھائے گا۔

(۳) **مرابحہ**: یہ طریقۂ کار بڑا سیدھا سا ہے، جو ایک مثال سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً زید کو اپنے کارخانے کے لیے ایک مشین درکار ہے، جس کی آج بازار میں قیمت دس لاکھ روپے ہے آج زید اتنی بڑی رقم یک مشت خرچ کرکے مشین خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، غیر سودی بنک آج دس لاکھ کی یہ مشین خرید کر زید کے ہاتھوں بارہ لاکھ روپے میں اس رعایت کے ساتھ فروخت کرتا ہے کہ وہ یہ بارہ لاکھ روپے سال بھر میں قسط وار ادا کرے، مثلاً ہر ماہ ایک لاکھ روپے۔ ایسا کرنے سے بینک نے دو لاکھ روپے کما لیا۔

غیر سودی بنک کا یہ طریقہ کار سب طریقوں سے زیادہ مقبول ہے۔

(۴) **بیع موجل**: اس طریقۂ کار میں اپنے خریدار زید کو تاخیر سے ادائیگی کی سہولت کے ساتھ بنک ایک سامان فروخت کرتا ہے۔ لیکن یہ ادائیگی قسطوں میں نہیں بلکہ یک مشت ہوتی ہے، دس لاکھ کی ایک مشین خرید کر زید کو بارہ لاکھ روپے میں ایک سال کی ادائیگی کی مہلت کے ساتھ فروخت کرتا ہے سال کے گزارنے پر زید بارہ لاکھ روپے بینک کو ادا کرے گا چنانچہ

اس میں بینک نے دولاکھ روپے کمالیا۔

مرابحہ اور بیع موجل میں ایک اور فرق ہے، مرابحہ میں فروخت کی گئی شے کی قیمت خریدار کو معلوم ہوتی ہے جب کہ بیع موجل میں بنک کے لیے یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنی قیمت خریدار کو آگاہ کرے۔

بعض فقہا نے بینک کے ذریعے کمائے گئے اس دولاکھ روپیہ کو سود قرار دیا ہے جب کہ فقہاے احناف نے اس بنیاد پر جائز قرار دیا ہے کہ فروخت کرنے والا شخص اپنا سامان جس قیمت پر چاہے فروخت کرسکتا ہے۔ یہ خرید و فروخت ویسی ہی ہے جیسی کہ عام طور پر بازاروں میں کسی شے کا تبادلہ زر کر کے تاجر منافع کماتا ہے۔

یہاں بتلانا دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ مضاربت اور مشارکت کے مقابلے میں مرابحہ اور بیع موجل بینکوں میں زیادہ منافع بخش اور مقبول طریقۂ کار رہے ہیں۔

(۵) **بیع سلم**: اس طریقۂ کار میں خریدار قیمت پہلے ادا کرتا ہے اور مال بعد میں طے شدہ متعینہ مدت پر بنک خریدار کو دیتا ہے اس کی ایک صورت اور بھی ہے جسے بیع استسفاء کہتے ہیں جس کے مطابق خریدار سامان کی قیمت کی پیشگی ادائیگی کرتا ہے اور فروخت کرنے والا اس سامان کو تیار کر کے خریدار کو بعد میں مہیا کرتا ہے۔

بیع سلم اور بیع موجل ایک دوسرے کی ضد ہیں بیع سلم میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے، سامان بعد میں ملتا ہے جب کہ بیع موجل میں سامان پہلے مل جاتا ہے قیمت بعد میں ادا کی جاتی ہے۔

(۶) **اجارہ**: اس طریقۂ کار میں بنک اپنے مالکانہ حقوق کی ایک شے (مثلاً رہائشی مکان) کسی کو کرائے پر دے اور ساتھ ہی ساتھ اسے اسی شخص کے ہاتھوں فروخت بھی کردے۔ لیکن اس شے کی قیمت قسطوں میں کرائے کے ساتھ وصول کرے۔

مثلاً ماضی میں بنک نے ایک مکان دس لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج زید کے ہاتھوں اسی مکان کو بارہ لاکھ روپے میں بنک سال بھر کی مدت ادائیگی کے ساتھ فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اور ساتھ ہی سال بھر کے لیے زید کو ہی کرائے پر دینا بھی چاہتا ہے، اگر زید اس پر راضی ہے تو وہ ہر ماہ بنک کو (مکان کی قیمت کا ایک لاکھ روپیہ اور مکان کے کرائے کا دس ہزار روپیہ)

ایک لاکھ دس ہزارروپے ادا کرے گا۔ سال بھر میں تمام ادائیگیوں کے بعد مکان کے مالکانہ حقوق بنک زید کے نام منتقل کر دے گا اس طرح بنک (مکان کی قیمت پر دو لاکھ روپے اور مکان کے کرائے کے نام پر ایک لاکھ بیس ہزار کمالیتا ہے۔

مضاربت اور بشاکت کے مقابلے میں بقیہ تمام طریقۂ کار منافع کمانے کے لیے کہیں زیادہ بہتر ثابت ہوتے رہے ہیں۔ اول الذکر دونوں طریقوں سے بہ مشکل پانچ فی صد منافع بنک کو ملتا ہے جب کہ تمام تر منافع دوسرے طریقۂ کار سے حاصل ہوتے ہیں۔

سودی بنک کے حصول زر کے ذرائع: اجمالاً انھیں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جدید بنک شیئر فروخت کر کے زر کی فراہمی کرتا ہے، جسے وہ سودی کاروبار میں لگاتا ہے۔

(۲) سود کی لالچ دے کر مختلف حسابات (Accounts) کے نام پر (جیسا کہ اوپر درج کیا جاچکا ہے) امانتیں جمع کرتا ہے۔

(۳) حسبِ ضرورت دوسرے بنکس اور مالیاتی اداروں سے بھی قرض وغیرہ لے سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال ان تمام ذرائع کا تعلق سودی کاروبار سے ہے، جو غیر سودی بینکوں کے لیے قطعی طور پر نا قابل قبول ہیں۔ غیر سودی بنک انھیں ذرائع سے زر کی فراہمی کرسکتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوگا کہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل کیا گیا زر سود کی لالچ کے بجائے نفع اور نقصان میں حصہ واری کے پر ہوگا۔ چنانچہ کچھ مال دار حضرات (جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں نیز مقدمہ بازی، غیر پیداوار اخراجات پر لگام لگا کر) رقم پس انداز کریں۔ یہ رقم بنک کے شیئر خریدنے اور بنکوں میں بطور امانت (Deposit) رکھنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے اسی طرح غیر سودی بنک دوسرے غیر سودی مالیاتی اداروں اور بنکوں سے زر کا حصول کرسکتا ہے، بہر حال ان حصول زر کی بنیاد سود کی بجائے نفع ونقصان میں حصہ داری پر ہوگی۔

اسی طرح سے غیر سودی بنک نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر تخلیق زر (Credit Creation Function) کی انجام دہی بھی کرسکتی ہے، (غیر سودی بنک کے اس کارگزاری پر گفتگو بہت طوالت طلب ہے، اس عنوان پر پھر کبھی گفتگو کی جائے گی۔

غیر سودی بنک کی غیر بنکاری کارگزاریاں (Non-Banking Function)

اپنے گاہکوں کی درخواست پر بنک یہ خدمات ادا کرتا ہے ان کارگزاریوں کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔:

(الف) بطور گماشتہ / ایجنٹ کارگزاریاں (Agency Function)

(ب) عمومی افادیتی خدمات (General Utility Services)

(ج) سماجی بنکاری خدمات (Social Banking Services)

آیئے غیر سودی بینکوں کے ان کارگزاریوں کا مختصراً جائزہ لیں:

(الف) **بطور گماشتہ / ایجنٹ کار گزاریاں**: بنک بطور ایجنٹ بھی اپنی خدمات انجام دے سکتا ہے اور ان کے عوض "معاوضہ خدمت" (Service Charge) وصول کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتا ہے اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ مالیاتی دستاویزات مثلاً چیک، ہنڈی وغیرہ جمع کرنا اور ان کی ادائیگی کرنا اگر سودی لین دین نہیں ہے تو۔

☆ رقومات کی منتقلی بحوالہ مقام وافراد۔

☆ اپنے کھاتے داروں کے اکاؤنٹ سے قرض، بجلی کے بل وغیرہ کی ادائیگی۔

☆ بطور متولی یا ناظم وصیت ناموں کا نفاذ۔

☆ حصص (Shares) وغیرہ کی خرید وفروخت اور ان پر ملنے والے منافع کو اپنے گاہکوں کی جانب سے وصولیابی۔

(ب) **عمومی افادیتی خدمت**: ان اقدامات کے صلے میں بھی معاوضہ خدمت (Service Charge) حاصل کرکے بنک اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتا ہے۔ مثلاً

☆ اپنے گاہکوں کے نام پر ذاتی اور تجارتی خط اعتبار (Latter of Credit) بنک جاری کرسکتا ہے تاکہ اس خط کی بنیاد پر گاہک بازار میں روپیوں کے بغیر بھی لین دین کرسکے۔

☆ اپنے گاہک کے لیے زرمبادلہ (Foreign Exchange) کی خرید وفروخت بنک کرسکتا ہے۔

☆ مناسب اجرت پر گاہک کو "محفوظ تحویل" (Safe Deposite) کی سہولت بہم پہنچا

سکتا ہے۔

☆کاروبار میں درکار تجارتی و صنعتی اعداد و شمار اور دیگر معلومات کاروباری شخص کو مہیا کرسکتا ہے۔

☆سفری چیک جاری کرسکتا ہے۔

☆عوامی اداروں کے ذریعہ لیے گئے قرضوں کی واپسی کی تحریری ضمانت بنک دے سکتا ہے، اگر یہ قرض غیر سود ہوتو۔

(ج) **سماجی بنکاری خدمات** : فی زمانہ سماجی بنکاری خدمات نامی ایک نیاباب بنک کی کارگزاریوں میں شامل ہوگیا ہے۔ بنک کچھ خدمات ادا کرکے سماج سے اگر منافع کماتا ہے تو سماج کے لیے کچھ ایسی خدمات بھی اسے ادا کرنا چاہیے جو منافع کے بغیر ہو۔ بنک اگرچہ ایک منافع کمانے کے مقصد سے قائم کیا گیا ایک کاروباری ادارہ ہے لیکن آج اس سے یہ توقع بھی رکھی جارہی ہے کہ منافع کے بغیر بھی یہ ادارہ سماج کو کچھ خدمات دے۔ ان خدمات کا کوئی عوض جدید بنکوں کو نہیں ملتا اس کے برعکس کچھ نہ کچھ اخراجات کا بوجھ بنک کے خزانے پر ضرور پڑتا ہے چنانچہ بادل نخواستہ جدید بنکوں کو اس کام کا بوجھ ڈھونا پڑتا ہے۔

اسلامی اصولوں پر اگر غیر سودی بنک اس کام کی انجام دہی کرے تو یہ کام اسے بوجھ نہیں معلوم ہوگا بلکہ اسکے کارندوں کے لیے اطمینان قلب کا سبب بنے گا نیز بنک کے خزانے پر بھی کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔

صاحب نصاب افراد پر اسلام نے زکوٰۃ فرض قرار دیا ہے، اسلام صدقات وخیرات کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ زکوٰۃ وصدقات وخیرات کی راہ سے اسلام دولت کی مساویانہ تقسیم کے بجائے منصفانہ وعادلانہ تقسیم کو ترجیح دیتا ہے غیر سودی بنک ان مدات میں آئی ہوئی رقومات سے ایک الگ محکمہ قائم کرسکتا ہے اور شریعت کی روشنی میں غریبوں ، قلاشوں، بیواؤں، معذوروں، مسافروں، اور دیگر مستحقین منظّم طور پر مالی اعانت کرسکتا ہے۔

(د) **سرمایہ بازار:** یہ تیسرا اہم بازار ہیں جہاں عصری معیشت میں زراپنا گراں قدر رول ادا کرتا ہے آیئے پہلے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس بازار کے معنی اور ہئیت کا جائزہ لیں۔

سرمایہ بازار یعنی کیا؟ عام فہم الفاظ میں سرمایہ بازار وہ بازار ہے جہاں سرمائے

کالین دین ہوتا ہے اس لین دین میں عیاں خانوں کے ساتھ ساتھ نہاں خانوں میں بھی ''زر'' (Money) کی کرم فرمائی ہوتی ہے۔ زر بازار (Money Market) کاروبار وضرویات پر صرف کرنے کیلیے اگر قصیر المدتی (Short Term) صرفہ بشکل زر مہیا کرتا ہے تو سرمایہ بازار کاروباری وتجارتی مقاصد کے لیے کثیر المدتی (Long Term) صرفہ بشکل زر فراہم کرتا ہے۔ enberry and Robert Z. Aliber Thomas Mayer j.s Dues نے اپنی کتاب Money Banking and The Economy کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) '' سرمایہ بازار فاضل (آمدنی) رکھنے والی اکائیوں سے خسارہ (آمدنی) رکھنے والی اکائیوں کی طرف فنڈ کو بڑے پیمانے پر منتقل کرتا ہے۔'' L.R Ritter and W.L Silber اپنی کتاب Principles of Money, Banking and Financial Markets کے ساتویں ایڈیشن کے صفحہ ۲۵ پر سرمایہ بازار کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ (ترجمہ) '' مالیاتی (سرمایہ) بازار بچت کر کے قرض دینے والوں اور قرض لے کر خرچ کرنے والوں کے درمیان (سرمایہ) ارسال کرنے کی ترکیب ہے۔'' انھیں دونوں ماہرین کے مطابق سرمایہ بازار طویل مدتی تحفظات (Long Term Securities) اور زر بازار مختصر مدتی تحفظات (ShortTerm Securities) کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ سال بھر سے زائد مدت کو طویل مدت سمجھا جاتا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ سرمایہ بازار کا نہایت اہم حصہ ہے۔

مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) اپنے جیسی بہت ساری اکائیوں میں سے ایک ہوتی ہے۔ جو سرمایہ بازار سے حصول سرمائے کے لیے جڑی ہوئی ہے۔

ایک مشترک سرمایہ کمپنی سرمایہ بازار سے کس طرح سرمایہ حاصل کرتی ہے؟

یہ کمپنی سرمایہ بازار میں اپنے حصص (Shares) اور تمسکات (Debentures) فروخت کر کے سرمایہ حاصل کرتی ہے، آیئے اس کے طریقۂ کار پر ایک نظر ڈالیں۔

**حصص** (Shares): مشترک سرمایہ کمپنی حصص فروخت کر کے سرمایہ حاصل کرتی ہے۔ یہ حصص دو طرح کے ہوتے ۔ اول - ترجیحی حصص، (Preferencial Shares) دوم - عام حصص (Equity Shares)، آیئے ان دونوں حصص کا جائزہ لیں۔

**اول - ترجیحی حصص :** مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) کے قیام کے لیے کچھ افراد آگے آتے ہیں۔ابتدائی قانونی اور مالیاتی معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر کمپنی قائم کرتے ہیں ۔ یہ حضرات کمپنی کو جو رقم فراہم کرتے ہیں اس کے عوض میں کمپنی کے ترجیحی حصص (Preferencial Shares) کے حق دار ہو جاتے ہیں ۔ کمپنی کو نفع ملے یا نقصان ، ترجیحی حصص رکھنے والے حضرات مستقبل میں ہر سال ایک متعینہ شرح کے مطابق کمپنی سے منافع حاصل کرتے ہیں اس منافع کو Dividend (منافع میں حصہ ) کہا جاتا ہے۔

Dividend منافع میں ایک حصہ ہے لیکن اپنے اصل اعتبار سے یہ سود ہی ہے۔کیوں کہ Dividend کا تعلق کمپنی کو ملنے والے منافع سے ہی ہوتا ہے لیکن کمپنی کے نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کمپنی کو چاہے ملے یا اسے نقصان اٹھانا پڑے ترجیحی حصص رکھنے والوں کو بہر حال ایک متعینہ شرح کے مطابق Dividend ضرور ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو شریعت کی روشنی میں Dividend کا لبادہ اوڑھے ہوئے یہ سود (Interest) ہی ہے۔

**ترجیحی حصص رکھنے والوں کو Dividend نامی یہ خصوصی فائدہ کمپنی کیوں دیتی ہے؟**

اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں ،مثلاً

(الف ) عام حصص کے فروخت سے پہلے بڑی مقدار میں کچھ حضرات اپنا سرمایہ کمپنی کے سپرد اس وقت کر دینے میں خطرہ (Risk) مول لیتے ہیں جب یہ کمپنی رحم مادر سے نوزائدہ طفل کے درمیانی دور سے گزرنا شروع ہوتی ہے،وجود میں آنے کے بعد یہ نوزائدہ طفل انتہائی نگہداشت کا مستحق ہوتا ہے اور وہ لوگ یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں ۔

(ب ) ترجیحی حصص ایک طرح کا ’’ترغیبی صلہ‘‘ ہے جو ان حضرات کو ملتا ہے جو کمپنی کو قائم کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں ۔ کمپنی کے قیام کے تعلق سے تمام ابتدائی کارروائیاں کرنا، قانونی معاملات کی تکمیل کرنا ، کمپنی کے لیے دیگر مالیاتی اداروں کے سامنے فضا ساز گار کرنا، کمپنی کے لیے عوام میں اعتبار اور خیر خواہی (Goodwill) پیدا کرنا، ایسے کئی اہم امور کی انجام دہی کی ذمہ داری کاروباری دنیا میں مالی منفعت کے بغیر متصور نہیں ۔ چنانچہ نئی کمپنی کے قیام کے لیے لوگ آگے آئیں اس لیے ترجیحی حصص کے نام سے یہ ’’ترغیبی صلہ

‘‘(Inducement Gift) ان حضرات کو میسر ہوتا ہے۔

اسے کوئی بھی نام دیا جائے ترغیبی صلے کے نام پر ملنے والا یہ منافع شریعت کی نظر میں بہر حال ’’سود‘‘ ہے۔ کیوں کہ کمپنی کے نفع اور نقصان کے ساتھ یہ تغیر پذیر نہیں ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر کمپنی نفع بڑھتا ہے تو اسی تناسب سے ان کا Dividend بڑھے اور اگر کمپنی نقصان اٹھاتی ہے تو مضاربت / مشارکت کے اصول کے مطابق جس کا جتنا زیادہ سرمایہ، تناسب کے اعتبار سے نقصان میں اس کا اتنا ہی زیادہ حصہ ہو۔ یہاں فقہائے عظام سے میں ایک رہنمائی کا خواستگار ہوں۔ کیا شریعت میں ایسی کوئی گنجائش ہے کہ کمپنی کے قیام کے لیے پہل کرنے والوں کو (جنھیں آج ترغیبی صلہ مل رہا ہے) کوئی ایسا ترغیبی صلہ دیا جاسکتا ہے جو سود نہ ہو؟ میرا قیاس ہے کہ شریعت میں ایسی کچھ راہیں نکالی جاسکتی ہیں مثلاً کمپنی کو نفع ملنے کی صورت میں خصوص مراعات، خصوص نذرانے، خصوص انعامات جیسی خصوص نوازشات وغیرہ۔ اس سال یہ خصوس نوازش موقوف قرار دی جائے جس سال کمپنی نقصان سے دوچار ہوتی ہے۔ ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

**دوم - عام حصص** (Equilty Shares) **:** کمپنی سرمایہ بازار (Stock Exchange Market) میں اپنے حصص فروخت کرتی ہے۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ ایک حصہ (Share) کی قیمت کم سے کم رکھی جاتی ہے تاکہ کوئی بھی اسے خرید سکے۔ کبھی کبھی کمپنی براہ راست سرمایہ بازار میں اپنے حصص فروخت کرتی ہے اور کبھی اسٹاک بروکرس / ایجنٹس کے ذریعے فروخت کرواتی ہے۔ حصہ (Shares) خریدنے کے بعد خریدار کمپنی کا حصے دار (Shareholder) بن جاتا ہے اور اتنی رقم کمپنی میں کاروبار کرنے کے لیے جمع ہو جاتی ہے۔ اسٹاک بروکر کے پاس برائے فروخت رکھے ہوئے حصص میں سے کچھ مالیت کے حصص اگر غیر فروخت شدہ رہ جاتے ہیں تو وہ اتنا سرمایہ کمپنی کو فراہم کر دیتا ہے اور مستقبل میں ان حصص کو فروخت کرتا رہتا ہے۔ بہر حال کمپنی سے جاری کیے گئے حصص کسی بھی صورت میں کمپنی واپس نہیں خریدتی سوائے اس کے کہ کمپنی کا دیوالیہ پٹ جائے۔

ایک حصے دار (Shareholder) جب تک چاہے حصص اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور

سالانہ Dividend (منافع میں حصہ) حاصل کرسکتا ہے اور جب چاہے بازار قیمت پر اپنے حصص فروخت کر کے اپنا سرمایہ بازار سے نکال سکتا ہے۔

اس بات کا احتمال ہے کہ کمپنی کسی سودی کاروبار میں ملوث ہو جائے (مثلاً کسی بنک یا انشورنس کمپنی سے اپنا اثاثہ بیمہ (Underwrite) کروائے) تو ایسی کمپنی کے حصص خریدنے کا مطلب ہے سودی کاروبار میں مدد کرنا، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے ان کمپنیوں کے حصص نہیں خریدے جاسکتے۔ بصورت دیگر حصص خریدنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی کمپنی سودی کاروبار کے کانٹوں سے اپنا دامن فی زمانہ بچا سکتی ہے؟ یہ ایک امر محال محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ایسا ہونا ناممکن بھی نظر نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تواں گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں، اسی تجویز سے حوصلہ پاکر یہ مشورہ دینے کی یہ ناچیز جسارت کر رہا ہے کہ مسلمان مشترک سرمایہ کمپنی (Joint Stock Company) قائم کرنے کی انھیں خطوط پر کوشش کریں جن خطوط پر اعلیٰ حضرات نے بینک کھولنے کا مشورہ دیا ہے۔

۱۹ جنوری ۲۰۱۱ء بروز بدھ ممبئی سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اردو اخبار روز نامہ انقلاب کے صفحہ ۳ پر شائع ایک خبر علم معاشیات کے مجھ جیسے طالب علم کی توجہ کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ یہاں مفتیان وفقہائے کرام کی شرعی رہنمائی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ خبر یہ ہے کہ پی۔ ڈبلیو۔ ایم (Pragmatic Wealth Management Pvt.Ltd.) نامی ادارے کی تحریک پر چند علمائے ہند نے (اپنے دعوے کے مطابق) شریعت کی روشنی میں سرمایہ کاری کے میدان میں کچھ اصول بنائے ہیں۔ ان کے مطابق ''یہ بات محسوس کی گئی کہ اسٹاک ایکسچینج کی موجودہ صورت حال میں بعض شرعی قباحتیں شامل ہوگئی ہیں لیکن چوں کہ شیئرز کی خرید وفروخت بنیادی طور پر شرکت کی ایک جدید شکل ہے اور شرکت کو شریعت اسلامی نے نا صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ نیز موجودہ بنکنگ نظام اور انشورنس نظام کے مقابلے شیئرز کی خرید وفروخت شرعی اصولوں سے قریب تر

ہے۔اس لیے بعض امور کی رعایت کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اگر چہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان معیار کی رعایت کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت مکمل طور پر شریعت کے دائرے میں آجاتی ہے۔لیکن چوں کہ سرمایہ کاری کہ مروجہ دوسری صورتوں کے مقابلے یہ صورت نسبتاً بہتر ہے اور اس میں کم مفاسد پائے جاتے ہیں۔نیز مسلمان اس وقت خود اپنا نظام قائم کرنے کے موقف میں نہیں ہیں بلکہ وہ مروجہ نظام کا حصہ بننے پر ایک حد تک مجبور ہیں اس لیے موجودہ حالت میں مخصوص شرائط کے ساتھ انھیں قبول کرتے ہوئے عزم بھی رکھنا چاہیے اور کوشش بھی کرنی چاہیے کہ ہم مستقبل میں تمام شرعی مفاسد سے پاک مالیاتی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ذیل میں وہ ضوابط ومعیار درج کیے جارہے ہیں۔

(۱) جس کمپنی کا شیئر خریدا جارہا ہے ہو اس کا بنیادی کاروبار حلال ہو۔

(۲) اگر اس کمپنی نے سودی قرض لے رکھا ہو تو وہ بارہ مہینوں کے اور مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن کا /۳۳ فی صد سے زائد نہ ہو۔

(۳) شیئر خریدتے وقت کمپنی کا نقد (سیال) اثاثہ بارہ مہینوں کے اوسط مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن کا ۳۳/ فی صد سے زائد نہ ہو۔

(۴) کمپنی کا دَین اگر واجب الوصول ہے تو وہ بھی بارہ مہینوں کے اوسط مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن کے /۳۳ فی صد سے زائد نہ ہو۔

(۵) اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن جزوی طور پر سود لینے یا اور کسی حرام کام میں ملوث ہو تو حاصل ہونے والی مجموعی آمدنی میں ان حرام ذرائع سے حاصل شدہ رقم پانچ فی صد سے زائد نہ ہو۔''

اپنے تبصرے میں ریٹائرڈ ڈائرکٹر آر بی آئے جناب محمد یعقوب خان نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے یہ ایک بہترین موقع ہے۔

انقلاب کے حوالے سے یہ خبر اس مقالے میں مَیں نے اس لیے شامل کیا ہے کہ ہمارے علمائے کرام، مفتیان عظام، اور فقیہان محترم اس بات کا مشاہدہ کریں کہ درج بالا پانچ تجاویز شریعت کے کس درجے میں قابل قبول ہیں۔ یا ان تجاویز سے بہتر کوئی اور حل ملت کی رہنمائی کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے۔

**تمسکات** (Debentures) : سرمایہ بازار میں سرمائے کی فراہمی کا تیسرا اہم ذریعہ تمسکات کی فروخت ہے ۔مشترک سرمایہ کمپنی جب بازار سے قرض حاصل کرنا چاہتی ہے توتمسکات نامی دستاویز بازار میں فروخت کرتی ہے اس کے ذریعے کمپنی قلیل مدتی قرضے حاصل کرتی ہے ۔عموماً کمرشیل بنکس ، بیمہ کمپنیاں، افرادا ور دیگر مالیاتی ادارے تمسکات خریدتے ہیں ۔اور جب یہ تمسکا پختہ (Mature) ہوجاتے ہیں یعنی اپنی مدت (مثلاً سال بھر ) کوپہنچ جاتے ہیں تو کمپنی اپنے تمسکات سود کی ادائیگی کے ساتھ واپس خرید کر قرض کے بوجھ سے سبک دوش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ سراسر سودی کاروبار ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

ایک اور بات ! تمسکات خریدنے والے افراد یاادارے تمسکات کی پختگی (Maturity) سے قبل بھی تمسکات کمپنی کو لوٹا کر قرض کے طور پر دی گئی اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں ۔اس صورت میں تمسکات خریدنے والوں کوسود کم ملے گا ۔ چنانچہ یہ بھی سودی کاروبار ہے جس کی اجازت شریعت نہیں دیتی۔

کبھی کبھی کمپنی ایسے تمسکات بھی فروخت کرتی ہے(جس میں شرح سودکم ہوسکتا ہے ) جس کی پختگی پر یہی تمسکات حصص میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کے تمسکات پہلی قسم کے تمسکات کے مقابلے میں کم شرح سود پر یا کبھی کبھی بغیر کسی شرح سود کے سرمایہ بازار میں قابل فروخت ہوتے ہیں میری ناقص رائے میں ایسے تمسکات جن پر کوئی شرح سود نہیں ہوتااور جن کی پختگی پر یہ تمسکات حصص میں متبدل ہوجاتے ہیں شرعی طوران میں سرمایہ کاری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔علمائے کرام اس معاملے میں رہنمائی فرمائیں۔

اب تک ہم نے ترجیحی حصص ،عام حصص، اور تمسکات کے ذریعہ سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کے امکانات سود کے حوالے سے زیر بحث رکھا ہے لیکن اور کچھ عوامل ہیں جو اس میدان خارزار میں دامن گیر ہوتے ہیں تھوڑی سی گفتگوان پر بھی کر لی جائے۔

**سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری پر سود کے علاوہ اثر انداز ہونے والے عوامل** : سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کرنے سے پہلے جہاں ہم سود سے بچنے کی فکر کرتے ہیں وہیں کچھ اور عوامل بھی ہیں جن کا بہت دھیان رکھنا ہو گا، مثلاً

(۱) شریعت نے جن چیزوں کی پیداوار یا تجارت وغیرہ حرام و نا پسندیدہ قرار دیا ہے مشترک سرمایہ کمپنی ایسا کاروبار تو نہیں کر رہی ہے مثلاً شراب و دیگر نشہ آور اشیا کی خرید و فروخت۔

(۲) مشترک سرمایہ کمپنی کوئی ایسا کاروبار تو نہیں کر رہی ہے جس کے تانے بانے وطن دشمنی سے جڑے ہوئے ہیں۔

(۳) کمپنی ایسے کاروبار میں تو نہیں لگی ہے جو غیر قانونی ہو مثلاً کالا بازاری، اسمگلنگ، اشیا کی ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، ٹیکس چوری، کھلے گھوٹالے وغیرہ۔

(۴) انسانیت دشمن سرگرمیاں، دھوکا دہی، رشوت ستانی وغیرہ۔

شرعی احکام کی روشنی میں اس فہرست کو مزید بڑھایا جا سکتا ہے۔

**اھم نوٹ:** سرمایہ بازار کے تعلق سے اکثر مقامات پر صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور جناب مفتی نظام الدین رضوی کی مایۂ ناز کتاب ''کمپنی کا نظام کار اور اس کی شرعی حیثیت'' سے ناچیز نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ برہان ملت، مبارک پور اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔ میری رائے میں اپنے مواد کے اعتبار سے یہ نہایت ہی گراں قدر کتاب ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے چاہنے والوں کا بھرم رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اس مضمون میں اس کتاب کے حوالے اتنے زیادہ ہیں کہ ان حوالہ جات کا اندراج کرنے کے بجائے ساری کتاب کے پڑھنے کی سفارش کی جا سکتی ہے۔

**اختتامیہ:** اپنے اس مقالے کا اختتام عزیزم مولا محمد صادق رضا مصباحی کے ان کلمات پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو اپنی معنوی گہرائی و گیرائی کے اعتبار سے مقالہ نگار کے دل کے کسی کونے میں تپ رہے ہیں اور سسک رہے ہیں ان کے یہ کلمات شاید آپ کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیں:

''پس ماندگی اور خستہ حالی مسلمانوں کو جہاں جہاں تک لے گئی امام احمد رضا کی تصوراتی آنکھوں نے وہاں تک اس کا تعاقب کیا اور مسلمانوں کو اس سے نجات کے لیے ایسا فکری نظام بتایا جو دراصل اہل سنت کی ترقی کا آئینہ خانہ ہے۔ لیکن افسوس آج اس سے شدید بے اعتنائی ہے۔ ان کے نام اور خدمات پر تو اہل سنت جان چھڑک رہے ہیں اور ان کی شخصیت کی سحر طرازی میں وہ اس طرح گم ہیں کہ ان کے افکار و تعلیمات کی انگلی ان کے ہاتھ

سے چھوٹ گئی ہے۔ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے نام پر دیوانہ وار ٹوٹے پڑرہے ہیں لیکن یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں کہ آخر مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟......''

''امام احمد رضا قدس سرہٗ سے سچی محبت کا اظہار تو یوں تھا کہ ان کے فکری پہلوؤں پر بھی سنجیدگی سے عمل کیا جاتا....''

(ماخوذ:امام احمد رضا کا فکری نظام اور ہماری بے اعتنائی ، ازمولانا محمد صادق رضا مصباحی،سہ ماہی افکار رضا ممبئی،۵۰واں خصوصی شمارہ،صفحہ ۱۹۶۔۱۹۷)

# زراعت کے شرعی اصول اور امام احمد رضا

مولانا محمد اظہار النبی حسینی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

انسان کی جسمانی بقا کا دار و مدار کلی طور سے زراعت پر ہے، کیوں کہ جسمانی بقا کے لیے نباتات ازبس ضروری ہیں۔انسان آج کے دور کا ہو یا قبل از تاریخ کا کسی نہ کسی طرح زراعت سے وابستہ ضرور ہوتا ہے۔اس لیے انسانی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہونے والی کتاب قرآن پاک اور انبیاے کرام علیہم اصلوۃ والسلام کی تعلیمات میں زراعت کے بارے میں تعلیمات موجود ہیں۔

اسلام کے زرعی نظام پر بہت کچھ پہلے بھی لکھا جاتا رہا ہے۔ جوں جوں تاریخ آگے بڑھتی ہے نئی ضروریات پیدا ہوتی ہیں اور ان بدلے ہوئے حالات میں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر عہد اور ہر زمانے میں من جانب اللہ ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں جو مرجع عوام و خواص ہوتی ہیں اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں خلق خدا کی شرعی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔چودہویں صدی ہجری میں اللہ تعالی نے امام احمد رضا خان کو اس عظیم منصب کے لیے منتخب فرمایا جو اس صدی میں مرجع علما و عوام بنے رہے اور خلق خدا کی شرعی رہنمائی فرماتے رہے۔

چوں کہ میرے عنوان کے دو اجزا ہیں۔ پہلا جز زراعت کے شرعی اصول اور دوسرا جز اس حوالے سے امام احمد رضا کی خدمات۔اس لیے زراعت سے متعلق کچھ ضروری باتیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

**زراعت کے لغوی معنی اور اصطلاحی معانی:** زراع اور زراعت کا اطلاق اس پودے پر ہوتا ہے جسے بیج سے اگایا جائے، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: حصدت الزرع،" یعنی میں نے کھیتی کاٹی۔ اس کی جمع زروع آتی ہے۔اس کا غالب استعمال گیہوں اور جو کے لیے ہوتا ہے۔اس پودے کے لیے بھی کہا جاتا ہے جسے جوت کر اگایا گیا ہو اور اس کا ایک معنی ڈالنا بھی ہے۔ زراعت بفتح الزاء اس زمین کو کہا جاتا ہے جس میں کھیتی کی جاتی ہے، لسان العرب میں ہے:

"زَرَعَ الحَبَّ یَزرَعُہ زَرعاً وَزِراعةً: بَذَرہ، وَالاِسمُ الزَّرعُ وَقدغَلَبَ عَلَی البُرّ وَالشَّعِیر، وَ جَمعُہُ زُرُوع، وَقِیلَ: الزَّرعُ نَبَاتُ کُلِّ شَیئٍ ◻ یُحرَثُ، وَقِیلَ: الزرع طَرحُ البذر۔

وَجَاءَ فِي الحَدِیثِ : الزّرَّاعَةُ، بِفَتحِ الزَّايِ وَتَشدِیدِ الرّاءِ، قِیلَ هِيَ الارضِ الَّتِي تُزرَعُ۔" (لسان العرب، فصل الزاد، ج:۸،ص:۱۴۱، دار الفکر، بیروت)

اس کے اصطلاحی اور لغوی معانی یکساں ہیں، جیسا کہ الموسوعۃ الفقھیتہ میں ہے:

"ولایَخرُجُ المَعنیَ الاصطِلاحِيُّ عَنِ المَعنیَ اللّلغويّ"۔

یعنی اس کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔(الموسوعۃ الفقھیۃ ،ج: ۲۳،ص: ۲۲)

## زراعت کی تاریخ اور اس کا شرعی حکم:

حقیقت یہ ہے کہ زراعت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اس دنیا کی تاریخ۔ دنیا کے سب سے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدم علیہِ السَّلام نے کھیتی باڑی کی ہے، جیسا کہ انبیاے کرام کے پیشوں سے متعلق مستدرک میں حضرت وہب بن منبہ رَضِی اللہ تعالیٰ عَنہُ کی حضرت ابن عباس رَضِيِ اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک طویل روایت میں ہے: "أُحَدِّثُکَ عَنَ اِبرَھِیمَ أَنَّہُ کَانَ عَبَدًا زَرَّاعًا۔"

میں تمھیں حضرت آدم علیہِ السَّلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ آپ علیہِ السَّلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ اسی روایت میں حضرت ابراہیم علیہِ السَّلام کے بارے میں ہے:

نبی کریم صَلی اللہُ تعالیٰ علیہ وسَلَم کے بارے میں بھی روایت ملتی ہے کہ آپ صَلی اللہُ تعالیٰ علیہ وسَلَم نے کاشت کاری فرمائی ہے، چنانچہ شرح سیر کبیر میں ہے:

" فَلَابَأسَ بِالاشتِغَالِ بِالزِّرَاعَۃِ، فَانَّ النَّبِيَّ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ - أَ زَدَرَعَ بِالَجَرَفِ، ھُوَ اسَمَ مَوَضِعٍ۔" یعنی زراعت کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لیے کہ نبی کریم صَلی اللہُ تعالیٰ علیہ وسَلَم نے "جرف" میں زراعت فرمائی ہے ۔ جرف ایک مقام کا نام ہے۔(شرح السیر الکبیر، ج:۱، ص:۱۵)

اسی طرح امام سرخسی کی مبسوط میں ہے:

"قَالَ الشَّيخُ الاَمَامُ الاَجَلُّ الزَّاهِدُ شَمسُ الاَئِمَّةِ وَ فَخرُ الاِسلاَمِ أَبُو بَكرٍ مُحَمَّدُ بنُ أَبِي سَهلٍ السَّرَخسِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ- امَاءً: اعلَم بِأَنَّ المَزَارَعَةَ مُفَاعَلَةٌ مِنَ الزَّرَاعَةِ، وَالاِكتِسَابُ بِالزِّرَاعَةِ مَشرُوعٌ، أَوَّلُ مَن فَعَلَهُ آدَمُ - صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلاَمُهُ عَلَيهِ- عَلَى مَارُوِيَ أَنَّهُ لَمَّا أُهبِطَ الَى الأَرضِ أَتَاهُ جِبرِيلُ بِحِنطَةٍ وَأَمَرَهُ بِالزِّرَاعَةِ،وَازدَرَعَ رَسُولُ اللَّهِ- صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ -بِالجُرُفِ۔"

(المبسوط للسرخسی، ج: ۲۳، ص: ۲، دار الفکر، بیروت)

**یعنی شمس الائمہ فخرالاسلام امام سرخی نے املا کراتے ہوئے فرمایا:** جان لیجیے کہ مزارعت، زراعت سے باب مفاعلت کا مصدر ہے۔پیشہ زراعت سے طلب رزق جائز ہے۔سب سے پہلے زراعت کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں،جیسا کہ روایت ہے کہ جب آپ علیہ السلام روے زمین پر اُتارے گئےتو حضرت جبریل علیہ السلام گیہوں لے کر حاضر بار گاہ ہوئے اور زراعت کے لیے عرض کیا۔اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام جرف میں زراعت فرمائی۔

**زراعت کی اهمیت قرآن میں:** سورہ واقعہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

"اَفَرَءَيتُم مَّا تَحرُثُونَ، ءَاَنتُم تَزرَعُونَهٗ اَم نَحنُ الزّٰرِعُونَ۔"

**ترجمہ:** تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

اور سورہ عبس میں فرماتا ہے: "فَليَنظُرِ الاِنسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ۔اَنَّا صَبَبنَا المَآءَ صَبًّا۔ ثُمَّ شَقَقنَا الاَرضَ شَقًّا۔فَاَنبَتنَا فِيهَا حَبًّا۔وَّ عِنَبًا وَّ قَضبًا۔وَّ زَيتُونًا وَّ نَخلًا۔ وَّ حَدَآئِقَ غُلبًا۔وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔مَّتَاعًا لَّكُم وَ لِاَنعَامِكُم۔"

**ترجمہ:** تو آدمی کو چاہیے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور چوپاؤں کے۔

**زراعت کی اهمیت احادیث میں:** کتب احادیث میں سب سے بڑا درجہ

رکھنے والی کتاب صحیح البخاری میں امام بخاری نے ''کتاب الحرث والمزارعة'' کا عنوان قائم کیا پھر باقاعدہ زراعت کی فضیلت کا باب ''بَابُ فَضلِ الزَّرعِ وَالغَرسِ اِذَا أُکِلَ مِنهُ'' قائم فرمایا اور درج بالا سورہ واقعہ کی آیت کریمہ پیش کرنے کے بعد زراعت کی فضیلت میں یہ حدیث پاک روایت فرمائی:

عَن اَنَسِ بنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: مَا مِن مُسلِمٍ یَغرِسُ غَرسًا، أَو یَزرَعُ زَرعًا، فَیَأکُلُ مِنہُ طَیرٌ، أَو اِنسَانٌ، أَو بَہِیمَۃٌ، اِلَّا کَانَ لَہُ بِہِ صَدَقَۃٌ''

(صحیح البخاری، باب فضل الزراع والغرس، ح:۲۳۲۰)

**ترجمہ:** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بوئے، پھر اس میں سے پرندہ یا انسان یا جانور کھائے، تو وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

اس مقام پر اعلامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح فتح الباری میں فرمایا: وَلَا شَکَّ أَنَّ الآیَۃَ تَدُلُّ عَلَی اِبَاحَۃِ الزَّرعِ مِن جِہَۃِ الاِمتِنَانِ بِہِ وَالحَدِیثُ یَدُلُّ عَلَی فَضلِہِ بِالقَیدِ الَّذِی ذَکَرَہُ المُصَنِّفُ وَقَال ابن المُنِیر: أَشَارَ البُخَارِیُّ اِلَی اِبَاحَۃِ الزَّرعِ.'' یعنی بلا شبہہ آیت کریمہ زراعت کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے اور حدیث بھی مصنف کی ذکر کردہ قید کے ساتھ اس کی فضیلت بیان کر رہی ہے۔امام ابن المنیر نے فرمایا: امام بخاری نے زراعت کی اباحت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔(فتح الباری، ج:۵،ص:۳، دارالمعرفۃ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی اپنی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: ذکر مَا یُستَفَاد مِنہُ فِیہِ: فضل الغرس وَالزَّرعِ، وَاستدلَّ بِہِ بعضھم علی أَن الزَّرعَۃَ أفضل المکاسب، وَاختلف فِي أفضل المکاسب، فَقَالَ النَّوَوِيّ: أَفضلھَا الزِّرَاعۃ، وَقیل: أفضلھَا الکسب بِالیَدِ، وَھِيالصَّنعَۃ، وَقیل: أفضلھَا التِّجَارَۃ، وَأکثر الأَحَادِیث تدل علی أَفضَلِیَّۃ الکسب بِالیَدِ... وَقد یُقَال: ھَذَا أطیب من حَیثُ الحل، وَذَاکَ أفضل من حَیثُ الِانتِفَاع العَام، فَھُوَ نفع مُتَعَدٍّ اِلیٰ غَیرہ.''

یعنی باب میں مذکورہ حدیث سے زراعت اور شجر کاری کی فضیلت مستفاد ہے۔اس سے بعض

حضرات نے یہ استدلال کیا کہ زراعت سب سے افضل ذریعہ کسب و معاش ہے۔ اور افضل ذریعۂ کسب کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام نووی نے فرمایا: سب سے افضل زراعت ہے اور بعض کا قول ہے کہ سب سے افضل اپنے ہاتھ سے کسب کرنا ہے اور وہ صنعت ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ سب سے افضل تجارت ہے۔ اکثر احادیث کسب بالید پر دلالت کرتی ہیں۔ (تطبیق کے لیے) یہ کہا جاتا ہے کہ کسب بالید حلال ہونے کی حیثیت سے افضل ہے اور زراعت انتفاع عام کی حیثیت سے افضل ہے؛ اس لیے کہ یہ ایسا نفع ہے جو دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ (عمدہ القاری، ج:۱۲،ص:۱۵۶، دار احیاء التراث، بیروت)

چوں کہ زراعت کا تعلق زمین سے ہے اور زمین کسی نہ کسی کی ملکیت رہتی ہے یا پھر ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے زمین اور اسکی ملکیت کے مسائل کا تعلق بھی ایک جہت سے زراعت کے باب سے ہوتا ہے؛ اس لیے زمین اور اس کی ملکیت کے حوالے سے چند امور ملاحظ کیجیے۔

**اراضی اور اس کی قسمیں:** کتب فقہ میں ملکیت زمین کے مسئلہ پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور زمین کی مختلف قسموں کے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں، بعض کتابوں میں اراضی کی چھ قسمیں اور ان کی تفصیل اس طرح ہے: اراضی مملوکہ، اراضی موقوفہ، اراضی مملکت، اراضی موات، اراضی الحوز اور اراضی متروکہ۔

**اراضی مملوکہ:** وہ اراضی ہیں جو اسباب ملکیت میں سے کسی سبب کی بنا پر کسی فرد یا جماعت کی ملکیت قرار پائی ہوں۔ غیر آباد کو آباد کرنے کی بنا پر یا کسی ایسے طریقہ انتقال کی بنا پر جس میں پہلے مالک کی حقیقی رضا مندی موجود ہوا کرتی ہے۔ ایسی اراضی کا حکم یہ ہے کہ ان کا مالک ان میں ہر وہ تصرف کرسکتا ہے جو اس کے لیے فائدہ مند ہونے کے ساتھ دوسروں کے لیے ضرر رساں نہ ہو، لیکن دوسرا کوئی اس کی رضا مندانہ اجازت کے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ گنہ گار مجرم قرار پاتا ہے۔

**اراضی موقوفہ:** وہ اراضی ہیں جن کو ان کے مالکوں نے مصارف خیر اور رفاہ عام کے لیے وقف کر دیا ہو۔ ایسی اراضی کا حکم یہ ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں اور کوئی ان کو بیچ اور خرید نہیں سکتا اور نہ ہبہ کرسکتا ہے، واقف خود یا اس کا قائم مقام اپنی تحویل ونگرانی میں رکھ کر ان کے فوائد وثمرات صرف ان مصارف میں خرچ کرسکتا ہے جن کے لیے وہ اراضی وقف کی گئیں۔

**اراضیِ مملکت:** اس کے ذیل میں وہ اراضیِ آتی ہیں جو حکومت کی تحویل ونگرانی میں اور بیت المال سے متعلق ہوتی ہیں ان میں دوطرح کی اراضی شامل ہیں:

پہلی وہ جن کے مالک کسی ارضِی وسماوی آفت کی زد میں آکر مر گئے ہوں یا نا قابل برداشت حالات کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور کسی دوسرے ملک میں چلے گئے ہوں اور پیچھے ان کا کوئی وارث موجود نہ ہو۔

دوسری وہ اراضِی، جو دشمن سے جنگ کے بعد مال غنیمت کے طور پر ملی اور فاتحین میں تقسیم کے بعد حکومت کے پاس بچ گئی ہوں۔ایسی اراضِی کا شرعی حکم یہ ہے کہ ان میں تصرف کرنے کا تمام تر اختیار حکومت اور اس کے سر براہ کو ہوتا ہے، وہ ان میں ہر وہ تصرف کرسکتا ہے جو اس کی صواب دید کے مطابق ملک کے اجتماعی مفاد کے لیے ضروری ہو،اگر وہ یہ دیکھے کہ اجتماعی مفاد کے لیے ان کو کاشت کرانا ضروری ہے تو بیت المال کے خرچ سے ان کو کاشت بھی کرا سکتا ہے، نیز وہ ایسی اراضِی ان لوگوں کو بطور جاگیر بھی دے سکتا ہے جنھوں نے ملک وقوم کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہوں اور کوئی بڑا فائدہ پہنچانے کی وجہ سے ملک وقوم پر ان کا احسان ہو اور اگر ضروری ہو تو وہ ایسی اراضِی کو فروخت کر کے ان کی رقم بیت المال میں بھی داخل کرسکتا ہے۔

**اراضِی موات:** وہ غیر آباد اراضِی ہیں جن سے کسی کا حق آباد کاری بھی متعلق نہ ہو اور وہ آبادی یعنی شہر و گاؤں سے اتنی دور بھی ہوں کہ یہاں کی اونچی آواز وہاں سنائی نہ دیتی ہو، اس قسم کی اراضِی کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے ان کو آباد کرے اور قابل کاشت بنائے وہ ان کا مالک قرار پاتا ہے۔بعض ائمہ فقہا کے نزدیک اس میں سلطان و امیر کی اجازت ضروری ہے اور بعض کے نزدیک ضروری نہیں۔جن کے نزدیک ضروری ہے وہ بھی سلطان و امیر کی اجازت کو سبب ملکیت نہیں مانتے بلکہ دوسروں کی طرح وہ بھی سبب ملکیت ،احیاوتعمیر کو مانتے ہیں، البتہ سلطان کی اجازت سے حق آباد کاری ضرور حاصل ہو جاتا ہے جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین سال ہے۔اگر وہ اس عرصے میں اسے آباد نہیں کرتا تو اس کا حق آباد کاری ختم ہو جاتا ہے اور زمین اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اس کی حیثیت ارض میتہ کی ہو جاتی ہے، علامہ کاسانی بدائع میں لکھتے ہیں:

وَلَو أَقطَعَ الاِمَامُ المَوَاتَ اِنسَاناً فَتَرَکَهُ وَلَم یَعمُرهُ لَا یُتَعَرَّضُ لَهُ الیٰ ثَلَاثِ سِنِینَ فَاِذَا مَضٰی ثَلٰثُ سِنِینَ فَقَدظَلَّ مَوَاتًا کَمَا کَانَوَ لَهُ أَن یُقطِعَهُ غَیرَہُ لِقَولِہِ - عَلَیہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ - (لَیسَ لِمُحتَجِرٍ بَعدَ ثَلَاثِ سِنِینَ حَقٌّ ☐ٍ). (بدائع الصنائع، ج:٦، ص: ١٩٤، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

یعنی اگر امام وامیر نے کسی انسان کو بطور جاگیر مردہ زمین دی پس اس نے اسے یونہی چھوڑ دیا اور آباد نہ کیا تو تین سال تک اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے، البتہ تین سال گزر جائیں تو وہ زمین پھر ویسی ہی مردہ زمین کے حکم میں لوٹ جاتی ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین سال کے بعد محتجر کا کوئی حق نہیں۔

**اراضی الحوز:** اس قسم میں وہ اراضی داخل ہیں جن کے مالک کسی وجہ سے ان کو کاشت کرنے اور حکومت کا خراج ادا کرنے سے قاصر و عاجز ہو گئے ہوں اور انھوں نے عارضی طور پر وہ اراضی حکومت کے حوالے کر دی ہوں تاوقتے کہ وہ ان کو کاشت کرنے کے قابل نہ ہو جائیں، حکومت جس طرح چاہے ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ اس قسم کی اراضی کا حکم یہ ہے کہ وہ اصل مالکوں کی ملکیت میں رہتی ہیں، چنانچہ وہ ان کو فروخت اور وقف و ہبہ وغیرہ کر سکتے ہیں، حکومت ایسی زمینوں کی مالک نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف نگراں ومحافظ ہوتی ہے، ان کے مالک جب ان کو دوبارہ آباد کرنے پر یعنی کاشت کرنے پر قادر ہو جائیں تو ان کو واپس کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

**اراضی متروکہ:** اراضی متروکہ وہ اراضی ہیں جو آبادی یعنی شہر یا گاؤں کے اندر یا متّصل قرب و جوار میں واقع ہوتی ہیں اور غیر زرعی مقاصد و مصالح کے لیے چھوڑ دی جاتی ہیں، جیسے تفریح گاہیں، کھیل کود کے میدان، چراگاہیں، قبرستان وغیرہ جو پوری آبادی کے فائدہ کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت اجتماعی ملکیت کی ہوتی ہے۔

ایسی اراضی کا حکم یہ ہے کہ وہ جس مقصد کے لیے ہوتی ہیں اس سے آبادی کا ہر فرد فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کسی کو اس سے روکا اور منع نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ایسی اراضی سے فائدہ اٹھانے کا حق آبادی کے سب لوگوں کو یکساں طور پر ہوتا ہے اور ایسی اراضی جن اجتماعی مقاصد کے لیے مخصوص و متعیّن ہوتی ہیں انھیں مقاصد کے لیے ان کو استعمال کی جا سکتی ہیں اور اگر کسی

دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا ہوتو صرف اجتماعی مشورے و مرضی سے استعمال کی جاسکتی ہیں انفرادی رائے اور مرضی سے نہیں۔

**مزارعت:** کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے پاس زمین ہوتی ہے مگر اسے کاشت کاری اور زراعت نہیں آتی اور کسی آدمی کو کاشت کاری کا کام آتا ہے مگر اس کے پاس زمین نہیں ہوتی اور کبھی آدمی کے پاس زمین اور اس میں کام کا ہنر دونوں ہی ہوتے ہیں مگر اس کے پاس اس کے لیے فرصت نہیں ہوتی ، ایسی صورت میں ہر ایک کی ضرورت کی تکمیل کے لیے اسلام نے مزارعت کا نظام پیش کیا جو آج کثیر علاقوں میں رائج ہے، چوں کہ زراعت کی ایک شکل مزار عت بھی ہے؛ اس لیے مزارعت کی تعریف اور اس کی مشروعیت سے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

**مزارعت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:** المُزَارَعَةُ فِي اللُّغَةِ مِن زَرَعَ الحَبَّ زَرعاًوَزِرَاعَةً: بَذَرَہُ، وَالأَرضَ: حَرَثَهَا لِلزِّرَاعةِ،وَزَرَعَ اللّٰهُ الحَرثَ: أَنبَتَهُ وَأنمَاہُ، وَزَارَعَهُ مُزَارعَةً: عَامَلَهُ بِالمُزَارَعَةِ." یعنی مزارعت لغت میں زَارَعَ الحَبَّ زَرعاًوَزِرَاعَةً بیج بونے، جوتنے، زَرَعَ اللّٰہ الحَرثَ اگانے بڑھانے اور زَارَعَہُ مُزَارَعَةً بٹائی پر معاملہ کرنے سے ماخوذ ہے ۔ مزارعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ: "المزارعة،المعاملة على الارض ببعض مايخرج منها ."اور مزارعت کی اصطلاحی تعریف "عَقدُ ◻ِ عَلَى الزَّرعِ بِبَعضِ الخَارِجِ." ہے۔یعنی بعض پیداوار کی کھیتی پر عقدو معاملہ کرنا۔(الموسوعۃ الفقہیۃ ، ج:۳۷،ص:۴۹)

**مزارعت کا شرعی حکم:** مزارعت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں بنیادی طور پر فقہا کا اختلاف ہے ،مگر تعامل کی وجہ سے سب کے نزدیک جائز ہے۔ہم صرف جواز کے قائلین کی گفتگو پیش کرتے ہیں:

اختَلَفَ الفُقَهَاءُ فِي حُكمِ المُزَارعَةِ اِلَى اتِّجَاهَينِ:

فَذَهَبَ المَالِكِيَّةُ (۱) وَالحَنَابِلَةُ (۲) ، وَأَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدُ ◻ِ (۳) ، وَعَلَيهِ الفَتوَى عِندَ الحَنَفِيَّةِ اِلَى جَوَازِ عَقدِ المُزَارَعَةِ ، وَ مَشرُوعِيَّتِهَا ، وَمِمَّن رَأَى ذَلِكَ سَعِيدُ بنُ المُسَيَّبِ ، وَطَاوسُ ◻ِ ، وَعَبدُ الرَّحمَنِ بنُ الأَسوَدِ ، وَمُوسَى بنُ

طَلحَةَ، وَالزُّهرِيُّ، وَعَبدُ الرَّحمَنِ بنُ أَبِي لَيلَى وَابنُهُ، وَابنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا فِي قَولٍ.وَاستَدَلُّوا عَلَى ذَلِکَ بِالسُّنَّةِ وَالاِجمَاعِ وَالمَعقُولِ.

یعنی مزارعت کے بارے میں فقہا کے دو رجحانات ہیں:

**پہلا:** مالکیہ، حنابلہ، اور صاحبین کا ہے، حنفیہ کے نزدیک عقد مزارعت کے جواز پر فتوی ہے۔اسی کے قائل حضرت سعید بن مسیب، طاؤس، عبدالرحمن بن اسود، موسی بن طلحہ، عبدالرحمن بن ابی لیلی اور ان کے صاحب زادے ہیں۔ایسا ہی حضرت ابن عباس سے بھی ایک قول منقول ہے۔ان حضرات نے اس پر سنت اجماع اور قیاس سے استدلال کیا۔

(ایضا،ص:۵۰)

## امام احمد رضا رحمۃاللّٰہ تعالیٰ علیہ اورمسائل زراعت

: زراعت اور اس سے متعلقہ امور کے بیان کے بعد اب امام احمد رضا کا زراعت کے حوالے سے لوگوں کی رہنمائی کرنا ملاحظہ کیا جائے، جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ یقینا امام احمد رضا اپنے وقت کے مرجع انام مفتی شرع تھے جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے رہ نما اصول بیان کیے۔

**زراعت حلال یا حرام:** یقینا زراعت ایک حلال ذریعہ معاش ہے جس کا بیان قرآن و حدیث میں بھی موجود ہے۔بھلا ایسے حلال پیشہ اور ذریعہ کو کون حرام بتا سکتا ہے؟امام احمد رضا نے بھی مختلف سوالات کے جواب میں ضمنی طور پر ہی سہی، لوگوں کو اس کا حلال ہونا بتایا، چنانچہ جب آپ سے ایسے شخص کے یہاں مسلمانوں کے کھانا کھانے اور وعظ ومولودشریف پڑھ کر کچھ لینے کے بارے میں سوال ہوا جس کے پاس مال گزاری اور تجارت جیسے حلال ذریعہ بھی ہیں اور ساتھ ہی وہ سود بھی کھاتا ہے تو آپ نے اس سوال کے ضمن میں زراعت کے حلال ذریعہ اور پیشے ہونے کو بیان کیا۔فتاوی رضویہ میں ہے:

”کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سود خوار کے یہاں کھانا کھانا مسلمانوں کو اور وعظ مولودشریف پڑھ کر اس سود خوار سے کچھ لینا اور اس کا پیسہ مسجد میں لگانا گیارہویں مولودشریف میں مٹھائی تقسیم کرنا اور کپڑا وغیرہ خیرات کرنا حالاں کہ اسی زید سود خوار کے یہاں تجارت چمڑہ فروشی وغیرہ زمینداری مال گزاری بھی ہوتی ہے ان سب

صورتوں میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:** جب اس کے یہاں رزق حلال کے ذرائع تجارت زراعت بھی موجود ہیں تو امور مذکور میں کچھ حرج نہیں جب تک کسی خاص روپیہ کی نسبت معلوم نہ ہو کہ یہ وجہ حرام سے ہے۔امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **بہ نا ء خذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کمافی الھندیۃ عن الذخیرۃ.** ہم اس کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا واضح نہ ہو جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ذخیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔(ت)

ہاں بنظر مصالح شریعہ اس کی زجر و توبیخ اور نگاہ مسلمانان میں اسی کے فعل کی تقبیح کے لیے اس کی دعوت سے احتراز خصوصاً مقتدا عالم کو انسب واولی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی رضویہ،ج:۲۱،کتاب الحظر والاباحۃ،ص:۶۳۳،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

**تمام پیشوں میں افضل پیشہ:** تمام پیشوں میں زراعت کس درجہ کا پیشہ اس حوالے سے فتاوی رضویہ میں ہے:

**اقول:** کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لیے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور ان کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا، حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دم میں پکڑو یعنی کھیتی کرو ،زراعت میں پڑو،جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی،فرمایا اس لیے کہ وہ اس وقت جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے،اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت ، پھر زراعت ، پھر حرفت،جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔"

(ایضا،ج:۱۷،ص:۴۶۸)

**علم زراعت حاصل کرنے کا شرعی حکم:** امام احمد رضا سے سائل نے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" میں مذکور علم کی مراد دریافت کی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

**الجواب:** حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" کہ بوجہ کثرت

طرق و تعدّ د مخارج حدیث حسن ہے، اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد و عورت پر طلبِ علم کی فرضیت۔تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو، ان کا اعم و اشمل و اعلیٰ و اکمل و اہم و اجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنّی المذہب ہوتا ہے اور انکار و مخالفت سے کافر یا بدعتی، والعیاذ باللہ تعالی۔سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کی تعلیم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائل نماز یعنی اس کیفرائض و شرائط و مفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج ، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع و شراء، مزارع پر مسائل زراعت، موجر و مستاجر پر مسائل اجارہ، وعلی ہذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انھیں میں سے ہیں مسائل حلال و حرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تو اضع و اخلاص و توکل وغیرہ اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر و ریا و عُجب و حسد وغیرہ اور اُن کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق و فاجر و مرتکب کبائر ہے یونہی بعینہ ریاء سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔**نسئل اللہ العفو و العافیۃ**" (ایضا، ج:۲۳،ص:۶۲۴، ۶۲۵)

دوسرے مقام پر ہے:

"کیا فرماتے ہیں علماے دین... کون سے علوم ہیں کہ ان کی فرضیت کا حکم ہے یا اس میں مسلمان کو اپنی طبیعت کا اختیار ہے جو علم چاہیں پڑھیں پڑھائیں، ثواب و عقاب سے اس کے لیے آگاہ فرمایئے گا۔بیّنو اتو جروا

**الجواب:** علم دین سیکھنا اس قدر ہے کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو غسل، نماز، روزے وغیرہ ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے جب تک یہ حاصل کرے، جغرافیہ، تاریخ، وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔

حدیث میں ہے: "**طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ**" ہر مسلمان

مرد عورت پر علم کی تلاش فرض ہے۔(ت)''(ایضا،ج:۲۳،ص:۶۴۸)

## کاشت کار کے لیے زمین میں حق موروثیت و ملکیت کا ثبوت:

قانون انگریزی کے اندر تھا کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمین دار کو پھر کوئی مجاز بے دخلی وغیرہ کا نہیں رہتا۔اس لیے مرادآباد سے کسی نے یہ استفتا کیا کہ کیا کاشت کار کوئی حق موروثیت حاصل ہے یا نہیں تو امام احمد رضا نے ایک تفصیلی فتوی تحریر فرمایا اور زمین کی قسموں کے اعتبار سے اس سوال کا جواب تحریر فرمایا۔ملخصا راستفتا و جواب استفتا دیکھیے:

''(۱)شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بید خلی وغیرہ کا نہیں رہتا،حاصل ہے یا نہیں؟اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲)نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور مظالم ہے یا نہیں؟

(۳)اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے،اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے،اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوٰی سے مجبور ہے،تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا اور مقدم و مرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴)اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوٰی بے دخلی مجبور ادائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟''

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

**الجواب:** مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے،جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعا اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقا جائز ہے خواہ زمین مملوکہ ہو،یا موقوف،یا سلطانی،... ہاں اگر زمین نا قابل زراعت تھی اس نے اسے بنایا کمایا،اس میں چوگزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین لا کر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،... تو اگر وہ امین مملوکہ نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی میت المال کی،جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں،یا وقف ہے تو البتہ ان کارروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وہ زمین کبھی اس کے قبضہ

سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا۔مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ ،...ہاں اس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے گی ، اور یہ اضافہ پر راضی ہو، تو بے دخل کر دیا جائے گا، یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا،...

اور اگر زمین مملوک ہے۔جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعا ہرگز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگر چہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ مدت ختم ہوگئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اسکے درخت وعمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کر دے اور درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کر کے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کر دینے کا اختیار ہوگا اگر چہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں،...

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔وہ صرف قانونی بات ہے تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوی موروثی جبرا قابض ہے، یا لگان اس کی مرضی سے کم دے، تو عند اللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم و غاصب و گنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگر چہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، با ایں ہمہ اگر زمیندار دعوٰی بے دخلی دائر کر دے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے اگر چہ مدعی مظلوم ہی ہو،...

ہاں اگر زمیندار اس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ ادا کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعا قبول ٹھہرے گا اور اس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اس سے وصول نہیں کر سکتا۔تو یہ خرچہ رقم اس آتے ہوئے میں وصول کر لے کہ اس کا لینا قانوناً بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعا بوجہ اضافہ جائز ہے۔...

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی وہ اور اس کے گرد و پیش کی زمینیں پہلے ایک روپیہ بیگھ تھیں، اب مثلاً دو روپے بیگھ ہوگئیں، اور اس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعا دو روپے کی شرح لازم ہوگی، اگر چہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحتہ انکار کرتا رہا ہو،...

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے۔ جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذہ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے...

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفسیہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔ یا اس سے لینے کا شرعا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانون نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانون نا جائز ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روا نہیں۔...

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانون کوئی رقم اس سے وصول کر سکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگر چہ قانون کسی دوسرے نام سے ملے۔...

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلاً سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی برے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔" (ایضا ملخصا، ج: ۲۰، ص: ۱۹۳-۱۷۹)

غیر آباد زمین کا خراج نہ دینے سے زمین مالک کے ملک سے نکل جاتی ہے؟ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورمنٹ کی ہو جاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضا مندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا

نہیں؟اور اس زمین کا لینا درست ہے یانہیں؟ اگر کسی نے خریدی ہوتو واپس دے یانہیں؟ اگر دے تو جوخرچ اس زمین پر کیا ہے اس سے واپس لے یانہیں؟ نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ اس کونہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ بینوا توجروا۔

**الجواب:** شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دین میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا، **لأنه هو المضيع لماله** ( کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگر چہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے۔اس کا الزام اس پر نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ایضا، ج:۲۰ص:۲۱۰،۲۱۱)

**وقف کی امین میں زراعت کا حکم:** اہالیان جائس کا دستور قدیم رہا ہے کہ اپنے مقابر میں مساجد بھی بنا دیا کرتے تھے جس پر مسافران وخود اہالیان وقف بے وقت نماز ادا کیا کرتے تھے زمانہ کے دستبرد سے بعض ایسی مسجدیں تو خشت بن کر رہ گئیں اور بعض اب بھی موجود ہیں ایسے تو دہائے خاک وخشت کو فضیلت مسجد حاصل ہے یانہیں اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یانہیں؟ اگر نہیں ہے تو آیا وہاں کی اینٹوں فروخت کر کے اپنے صرف میں لانا یا اس قطعہ زمین میں اپنا مسکن بنانا یا مزروعہ کر کے کاشت میں لانا درست ہے یانہیں؟ اور اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

**الجواب:** مقبرہ اگر وقف ہے اور مقابر عامہ غالباً وقف ہی ہوتے ہیں تو جو مسجد واقف نے قبل وقف بنائی کہ اتنے حصہ کو مسجد اور باقی کو مقبرہ کیا وہ ابدلآباد تک مسجد ہے اگر چہ ویران ہو جائے **هو الصحيح وبه يفتى.**

اس حالت میں تو اس کا آباد کرنا واجب اور اس میں آداب مسجد لازم، اور اسے زراعت وغیرہ سے اپنے تصرف میں لانا حرام، اور اگر زمین مقبرہ کے لئے وقف ہو چکی تھی، اس کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد کیا اگر چہ خود واقف نے تو وہ مسجد نہیں ہوسکتا، نہ آداب مسجد کا مستحق، مگر ذاتی تصرف زراعت وغیرہ اس میں بھی حرام کہ وہ مقبرہ کے لئے وقف ہے اور مقبرہ تصرفات سے آزاد، اور اگر وہ مقبرہ وقف نہیں جیسے دیہات میں مالکان دیہ کی اجازت سے لوگ دفن ہوتے

ہیں بے اسکے کوئی قطعہ مقابر کے لئے معین کر کے وقف کیا جائے اس میں اگر مالک نے مسجد بنائی یا دوسرے نے، اور مالک نے اسے جائز کیا تو وہ مسجد ہوگئی، اور اس کا وہی حکم ہے جو پہلے گزرا کہ اس کا ادب لازم، اور اس میں تصرف حرام، بشرطیکہ وہ زمین خالی میں بنائی گئی ہو، نہ قبور پر کہ قبروں کی زمین صالح مسجدیت نہیں اور اگر غیر مالک نے بنائی اور مالک نے جائز نہ کیا تو وہ مسجد نہیں، مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ایضا، ج:۱۶،ص:۵۳۹، ۵۴۰)

## غیر مسلموں اور بد مذہبوں کو کاشت کے لیے زمین کرایہ پر دینا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، درباہ جواز وعدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنیٰ، و لگان اراضیات زرعی، ایسے لوگوں سے نصارٰی کے پادری ہنود کے پنڈت یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیر مقلدوں کے واعظ، کسبیان، ڈھاری، بھانڈ، شراب کھینچے بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق فجار، مشرک وکفار، خصوصاً وہ جو اپنے مذہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں، اور عموماً وہ کہ مامور باشاعت ہوں بینوا توجروا۔

**الجواب:** یہاں دو مقام ہیں، اول یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ دوم تقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا۔

اول کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت و زراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہ معصیت نہیں۔ اگر چہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے جس کا اس شخص پر الزام نہیں۔

**لاتزر وازرۃ وزرا خری قلت وبه ظهر ان المسئلة ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام و صاحبیه رضی اللہ تعالیٰ عنهم و هو المستفاد من کلمات العلماء.**

کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور علماء کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ (ت)

**ردالمتار میں ھے زیر قول درمختار:** **جاز اجارۃ بیت سواد الکوفة لیتخذ بیت نار اوکنیسة اوبیعة اوبیاع فیه الخمر و قالا لا ینبغی**

ذٰلک۔زیلعی ۲۔ کوفہ کی آبادی میں ذمی کو مکان کرایہ پر دینا تاکہ وہ آتش کدہ یا گرجا، عبادت خانہ بنائے یا شراب فروخت کرے تو جائز ہے،صاحبین نے فرمایا،یہ مناسب نہیں ہے زیلعی اھ ملخصا۔(ت)

انھیں علامہ زیلعی وعلامہ بدرالدین عینی وعلامہ حسام وعلامہ جلال کرلامی صاحبان بنایہ ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ سے نقل کیا: **والدلیل علیہ انہ لو اٗجرہ للسکنیٰ جاز وھو لا بدل لہ من عبادتہ فیہ** ۳۔اھ۔اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر رہائش کے لئے کرایہ پر دے تو جائز ہے حالانکہ وہ اس میں ضرور عبادت کرے گا۔اھ(ت)

یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذ اللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے،**تو یحبون ان تشیع الفاحشۃ** ۴ (وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔ت)

حقیقۃً نہ سہی اس کی طرف منجر ہے۔ **وانما الدین النصح لکل مسلم** ۵۔دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے وباللہ التوفیق۔

(ایضا،ج:۱۹،ص:۴۴۲-۴۴۰)

## مشترک زمین میں زراعت کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں میں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشتکرے،تو جائز ہے یا نہیں؟اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟بینوا توجروا۔

**الجواب:** زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے بلا شبہ روا ہے،پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے۔اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے تو جب تک تصریح نہ ہوجائے کہ لگان نہ لیا جائے گا،شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا۔

**لان الاتجارۃ من الشریک جائزۃ لعدم الشیوع فی المنافع الحادثۃ اذا کل تحدث علی مسلکہ اما لملکہ او للاجارۃ، بخلاف الاجارہ من احد شریکہ، او اجارۃ البعض من غیر الشریک حیث لا تجوز للشیوع کما فی الھدایۃ والدر۔**

تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یا اجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے

بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو نا جائز ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایا جائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور درمختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار وغاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہوسکتا۔ **لانها وان کانت معدة للا عتغلال فالشریک یتصرف فیها بتاویل الملک، والتصرف به بتاویل العقد یمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال الیتیم حیث یجب فیهما مطلقا کما بینه فی الدر المختار[3] ورد المحتار[4]۔**

کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ ان سے بے پوچھے بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول ومنصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کر لینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے، لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت اجارت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے۔ اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا۔ ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اس کی زراعت کر لیں، مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے۔ اقول: مگر یہ حکم اس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معدو معروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے مگر اذن عاریت واجارہ دونوں کو محتمل ہے۔ اور عاریت اقل ہے۔ تو وہی متعیّن ہے۔ اور اجارہ بلا دلیل ثابت نہیں۔ لہذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین

معدللاستغلال ہے۔جیسے زمین دیہات اس میں ثبوت اذن بحکم اعدا دوعہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا۔جب تک صراحۃ نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کر دیں **لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدا** (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ت) تو یہ صورت اولیٰ یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی،اور لگان لازم آئے گا،اسے نہ مانئے تو بحال منفعت اذن دلالۃ ثابت ہونا،اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجودنہیں،تو آباددیہات میں سا کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا توشریک دیگرکواپنے حصہ کی اجرت ملتی،اورشریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں،صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے،اورممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو،اس کے اسباب نہ رکھتا ہو،اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو،ان کی فرصت نہ پاتا ہو،تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا،اس پر رضا واذن دلالۃ ماننا بہت مشکل ہے۔بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں،اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کومضرت پہنچے گی یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے،اقول: وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃ ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا جب یہ نہیں وہ نہیں ،تو نہ ہوا مگر مطلقا بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے۔

**وذٰلک لان الاصل فی التصرف فیما فیہ ملک لغیرہ الحظر الا باذنہ ولو دلالۃ ولم یوجدھو ولاھی۔** اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہے اگر چہ وہ اجازت دلالۃ ہو،جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں۔(ت)(ایضا،ج:۲۰،ص:۱۹۹-۱۹۷)

**کاشت پر لگان کی ایک نا جائز صورت کا بیان:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے،بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا ،وقت مقررہ پرلگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وسال درسال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا

ناجائز داخل سود ہے؟

**الجواب:** یہ محض حرام وسود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہو گیا، **فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانھا احد السبعین** (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔(ایضا،ص:۲۰۹)

**مرھون زمین میں زراعت کے ذریعہ فائدہ اٹھانا:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرہون شئی سے فائدہ اٹھانا مثلاً زمین رہن رکھا اس کو جوتتا ہے اوراس میں زراعت بوتا ہے اوراس کے مینڈھ وغیرہ بندھواتا ہے اس کے نیچے اس کا منافع کھاتا ہے اوراس کو قیاس کرتا ہے بکری اور گھوڑے کے اوپر جائز ہے اس کے منافع کھانا یا نہیں؟ فقط

**الجواب:** مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا حرام اور نرا سُود ہے،

**کما افادہ العلامۃ الطاحاوی و االعالامۃ الشامی فی حاشیتی الدرو حققناہ فی فتاوٰ ینا، و اللہ تعالیٰ اعلم۔**

جیسا کہ علامہ طحاوی اور علامہ شامی نے درمختار کے حاشیوں میں افادہ فرمایا ہے ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

(ایضا،ج:۲۵،ص:۲۴۰)

**زمین سے متعلق ایک اھم مسئلہ:** ملک بنگالہ میں ظاہراً ملک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی

دوم ملک زمینداری

سوم ملک رعیتی

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہی اصل ملک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔زمین (عہ) بادشاہ کے تحت میں زمین کا ملک ہے۔اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں،اور اعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار

رعایا کو زمین و مکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم وبیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دوسو روپے بیچے، اور عمرو دوسو روپے دے کر قبالہ کر لے، اور زید وعمرو میں خرید وفروخت ہو گیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دو سو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک تصرف کرنے نہ دے گا ،پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا بالدلائل (دلائل کے ساتھ بیان کر کے اجر حاصل کیجئے۔ت)

**الجواب:** جو زمیندار آباو اجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں یا جس نے ایسے مالکوں سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وہ زمیندار اس زمین کا شرعاً مالک ہے اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذر آنہ دینے کے بعد بھی کاشت کاری سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشت کار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے جائز ہے۔اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے، اور نذر آنہ کہ زمیندار کو دیا جائیگا کہ سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز نہیں، ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہو چکا، اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کر لیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہو گیا خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے۔ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی، نہ یہ کہ کاشتکار کا بیع بیع شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے، اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو اور زمیندار کا اس نذر آنہ پر قبول کرنا زرثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے۔تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے۔اور وہ نذرانہ زمیندار نے لیا اس کے لئے جائز ہے۔مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشت کار دوم سے لے گا یہ حرام وباطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشت کار دوم زمین کا مالک مستقل ہو گیا، غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ایضا، ۲۰۲، ۲۰۳)

## بٹائی کے کھیت میں اندازے سے پیداوار مقرر کرنے کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کوخواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو، چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے پیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرا دے اور کاشت کار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہوتو اس کو کاٹ لے۔اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا،اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کومنسوخ کر دے،ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کر لے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہوتو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو، اور اگر اس تخمینہ سے کم ہوتو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کر چکا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** کنکوت باطل ہے،شرعاًاس کا کچھ اعتبار نہیں،نوے من تخمینہ ہواور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا،اور آدھے پر بٹائی ہے۔تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے۔اسے جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے اور پینتالیس من زمیندار کو دے،اور اگر اسی من پیدا ہوتو زمیندار کا حق صرف چالیس من ہے پانچ من زیادہ لینا اسے حرام ہے۔ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اس کی باطل منظوری کہ برخ اف مقتضائے عقد و بے اذن شرع ہے۔کچھ معتبر نہیں،

**ہرایہ میں ھے-: من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فھو فاسد و ان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز۔لان الشرط الاول لا یقتضیه العقد، الثانی یقتضیه ا۔**اگرکسی نے اس شرط پر زیتون خریدا کہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا،تو یہ عقد باطل ہے۔اور اگر اس شرط پر خریدا کہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لا تعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔(ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی ومنظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں، **لجواز ان یاخذ منھم بغیر غدر ولو بعقدان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناہ فی بیوع فتاونا، واﷲ تعالیٰ اعلم۔** کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز

ہے اگر چہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہوتو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)(ایضاص:۲۰۳،۲۰۴)

**بٹائی پر زمین دینے کا حکم:** بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیح معتبر میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوفرماتے سنا: من لم یذ المخابرۃ فلیئو ذن بحرب من اللہ ورسولہ۔

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد۔ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام و فاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اوراسی پر فتوٰی قرار پایا۔

**ھدایہ میں ھے (ترجمہ)** امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے۔اور صاحبین رحمہا اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخابرہ یعنی مزارعۃ سے منع فرمایا،اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اجرت بنانا ہے۔تو یہ آٹا پسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اہل خیبر سے زمین کا معاملہ تو وہ امن کے عوض اخراج کا وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پایا جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کوتعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیسا کہ سائی کی چیز بنوانا اھ مختصرا۔(ایضا،ج:۱۹،ص:۲۰۲،۲۰۳)

## دوامی پٹہ پر لی گئی زمین کے احکام:

ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی و رضا مندی اپنی بیس بیگھ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو،اوران اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ،مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے،اگر قسط پر ادا نہ کرو گے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔اب کاشتکار ان اراضی کوخود ہی کاشت کرتا ہے،اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھ پانچ

روپے لیتا ہیاور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں،اگر بخوشی و رضا مندی اپنی کاشت کار واپس کر دے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار نے ادا نہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کر دیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار ان اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعا پہنچتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں۔ ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا ، یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے، اور دوسروں کو ذیلی بھی بنا سکتا ہے۔مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا،مگر تین صورتوں میں ،ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری۔

☆☆☆

# امام احمد رضا اور مسائل زراعت

مولانا محمد فیض عالم قادری مصباحی۔ خضر پور کولکاتا (مغربی بنگال)

**(۱) زراعت کا لفظی معنیٰ:** زِراعت کا معنیٰ کاشتکاری اور کھیت ہے ''مُزارَعَت'' کھیتی کرنا۔

(۲) زارَعَ یُزارِعُ مُزارَعۃً: کا معنیٰ ہے بونا۔ زمین میں بیج ڈالنا۔ ''فُلاناً'' بٹائی پر معاملہ کرنا۔

**زراعت کی اصطلاحی تعریف:** علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں مزارعت کا معنیٰ یہ ہے کہ مالکِ زمین اپنی زمین کاشتکار کو دے اور فصل ان دونوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ حصہ کے مطابق تقسیم کر لی جائے۔ (شرح صحیح مسلم جلد رابع ص ۲۴۱)

**دوسری تعریف:** زمین کو غلہ کی پیداوار کے ایک معین حصہ کے عوض دینا مزارعت ہے۔ اور پھلوں کی پیداوار سے ایک معین حصہ کے عوض درختوں کی دیکھ بھال کرنا مساقات ہے۔ (ایضاً ص ۲۶۳)

**زراعت کا ذکر قرآن میں:** سورۃ انعام آیت۔ ۱۴۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ (ترجمہ) وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ کچھ زمین پر پھیلے ہوئے اور کچھ بے پھیلے ہوئے اور کھجور اور کھیتی جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار، کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ۔ کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے۔ اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور بے جانہ خرچ کرو۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے اسے پسند نہیں۔

**تفسیر:** یعنی اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے باغات پیدا کئے کچھ وہ جو چھتوں پر قائم رہتے ہیں جیسے انگور، تربوز، خربوز وغیرہ اور کچھ وہ جو اپنے تنوں اور شاخوں کی وجہ سے کسی چھت وغیرہ کے محتاج نہیں ہوتے یہ سب رنگ مزے، مقدار اور خوشبو میں باہم مختلف ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ سب چیزیں جب پھلیں تو کھانا اسی وقت سے جائز ہوتا ہے۔ لیکن زکاۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے۔

## زراعت کا ذکر حدیث پاک میں:

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے دو چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں زمین کو اس غلہ کے عوض

کرائے پر دیتے تھے جو نہروں کے کناروں والی زمین پر پیدا ہوتا تھا یا اس چیز کے عوض جس کا زمین کا مالک استثنا کرلیتا تھا (مثلاً تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار کا استثنا کر لیتا تھا) پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کر دیا میں نے رافع سے پوچھا۔زمین کو درہم اور دینار کے عوض کرائے پر دینا کیسا ہے انہوں نے کہا درہم اور دینار کے عوض میں کوئی حرج نہیں ہے ۔(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۴)

حنظلہ بن قیس انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا آیا زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے۔؟انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں لوگ نہروں اور نالوں کے ساتھ والی زمینوں کی پیداوار کے عوض اور اس زمین کی معین پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دیتے تھے۔پس کبھی پانی کے ساتھ والی زمین خراب ہوجاتی اور دوسری سلامت رہتی اور کبھی یہ سلامت رہتی اور وہ خراب ہوجاتی اور لوگوں کے لئے یہی کرایہ ہوتا تھا۔اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کر دیا۔البتہ اگر کرایہ کی مقدار معلوم اور اسکی سلامتی کی ضمانت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔(صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳)

مذکورہ مفہوم کی حدیث کو امام ابو داؤد ابن حبان،امام عبدالرزاق وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے مذکورہ حدیثوں سے زمین کو کرائے پر دینے کا ثبوت ملتا ہے جو کہ زراعت کی ایک صورت ہے ۔لیکن کچھ حدیثیں وہ ہیں جن سے زمین کو بٹائی پر دینے کے عدم جواز کا ثبوت ملتا ہے۔مثلاً امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کاشتکاری کرتے تھے اور زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار معین اناج کے عوض کرائے پر دیتے تھے۔ایک دن میرے ایک چچا آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک نفع آور چیز سے روک دیا ہے۔اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زیادہ نفع ہے۔آپ نے زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور معین اناج کے عوض کرائے پر دینے سے روک دیا ہے۔اور زمین کے مالک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ زمین مین خود زراعت کرے یا کسی کو زراعت کے لئے دے دے۔اور کرائے پر دینے یا اس کہ علاوہ کسی اور صورت کو ناپسند فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳)

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا انہوں نے کہا مجھے حضرت ثابت بن ضحاک نے حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزارعت سے منع فرما دیا (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴)

اس مضمون کی روایات حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

## زمین پر کاشت کاری کی صورتیں:

مالکِ زمین اور مُزارِعْ (کھیتی کرنے والا) کے درمیان معاملہ کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) مالکِ زمین مزارع سے یہ کہے کہ میں تم کو مزارعت (کھیتی) کیلئے یہ زمین اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم اس کی پیداوار میں سے مثلاً سو کیلو گرام پیداوار مجھےبطور معاوضہ دو گے۔ یہ معاوضہ بالا جماع باطل ہے۔ کیونکہ اس میں غرر (دھوکہ) ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ زمین میں پیداوار ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو کس قدر ہوگی۔

(۲) مالکِ زمین یہ کہے کہ میں تم کو اس شرط پر زراعت کیلئے زمین دیتا ہوں کہ تم اس زمین کے فلاں حصے کی پیداوار مجھے دو گے۔ اور زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار خود رکھو گے۔ یہ معاملہ بھی بالا جماع باطل ہے۔ اس میں عزر ہے ۔ کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ زمین کے فلاں حصہ میں پیداوار ہوگی یا نہیں ہوگی۔ کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔

(۳) مالکِ زمین مزارع کو زمین کرایہ پر دے اور کرایہ میں سونا، چاندی، کرنسی، غلہ اور دوسری چیزوں کی ایک معین مقدار طے کرے اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمین کی پیداوار اجرت میں نہ دیا جائے یعنی بٹائی پر نہ دیجائے۔ اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔

(۴) مالکِ زمین، مزارع کو زمین بٹائی پر دے یعنی یہ طے کیا جائے کہ مزارعت کے عوض اس زمین کی پیداوار کا نصف یا تہائی حصہ بطور معاوضہ کے دیا جائے گا۔ اس میں بھی فقہا کا اختلاف ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۸)

پہلی اور دوسری صورتیں بالا جماع باطل ہیں۔ تیسری صورت کرایہ پر دینے کی ہے جسمیں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک طعام (غلہ اناج) کے علاوہ سونے چاندی اور دوسری چیزوں کے عوض دیا جاسکتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام

ابو یوسف، امام محمد، اور جمہور فقہا کے نزدیک زمین کو سونے، چاندی، کرنسی، کپڑے، اناج اور دوسری چیزوں کے عوض کرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔(ایضاً۔ص ۲۲۸)اور کچھ لوگوں کے نزدیک مطلق کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔(ایضاً۔ص ۲۲۸)۔چوتھی صورت مخابرہ (زمین کو بٹائی پر دینا) کی ہے۔یعنی مالکِ زمین کاشتکار کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ اس زمین سے جو کچھ پیداوار حاصل ہوگی اس کا مثلاً نصف، ثلث، یا ربع میں لونگا اور باقی پیداوار تمہاری ہوگی۔اس صورت میں بھی فقہا کے مختلف اقوال ہیں۔

**اول:** مخابرہ (مزارعت) مطلقاً جائز ہے یہ امام احمد، امام ابو یوسف، اور امام محمد کا قول ہے۔ اور بعض شافعیہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے۔

**ثانی:** مخابرہ (مزارعت)مطلقاً نا جائز۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے

**ثالث:** مزارعت چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ان میں بنیادی شرط یہ ہے کہ مزارعت مساقات کے ضمن میں ہو۔بایں طور کہ درختوں کے درمیان خالی زمین ہو اور ان میں کاشتکاری کی جائے۔یہ امام شافعی کا قول ہے۔

**رابع:** مزارعت مساقات کے ضمن میں جائز ہے بشرطے کہ وہ خالی زمین جس میں کاشتکاری ہو وہ درختوں پر مشتمل جگہ کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ زمین کی پیداوار کے حصہ کے عوض زمین کو دینا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک کے نزدیک ناجائز ہے۔ البتہ امام شافعی، اور امام مالک بعض شرائط کے ساتھ مساقات کے ضمن میں مزارعت کو جائز کہتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ مساقات کے ضمن میں بھی مزارعت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مساقات بھی ناجائز ہے۔(شرح صحیح مسلم جلد رابع ص ۲۳۸، ۲۳۹) لیکن بکثرت احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہے۔اس لئے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔کہ مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے حصہ کے عوض بٹائی پر دینا جائز ہے۔(فتاویٰ رضویہ جلد دہم جدید ص ۲۱۷ کتاب الزکاۃ مطبع مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات)

## فقہ حنفی میں زراعت کے قوانین:

خلیفہ ءاعلیٰ حضرت صدرالشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ بہار شریعت حصہ پانزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ مزارعت کے جواز کے لئے چند شرطیں ہیں کہ بغیر ان شرطوں کے جائز نہیں (۱) عاقدین عاقل بالغ آزاد ہوں، اگر نابالغ یا غلام ہوں تو اس کا ماذون ہونا ضروری ہے (۲) زمین قابل زراعت ہو۔ اگر شور زمین یا بنجر جس میں زراعت کی قابلیت نہیں ہے مزارعت پر دی گئی تو یہ عقد ناجائز ہے۔ اگر کسی وجہ سے اس وقت زمین قابل زراعت نہیں ہے مگر وہ وجہ زائل ہو جائیگی مثلاً اس وقت وہاں پانی نہیں ہے مگر وقت پر پانی ہوجائیگا...... یا اس وقت کھیت پانی میں ڈوبا ہوا ہے بونے کے وقت تک سوکھ جائیگا تو مزارعت جائز ہے۔ (۳) وہ زمین جو مزارعت پر دی گئی معلوم ہو (۴) مالک زمین کاشتکار کو وہ زمین سپرد کر دے اور اگر یہ ٹھہرا ہے کہ مالکِ زمین بھی اس میں کام کریگا تو مزارعت صحیح نہیں (۵) بیان مدت مثلاً ایک سال دو سال کیلئے زمین دی اور اگر مدت کا بیان نہ ہو تو صرف پہلی فصل کیلئے مزارعت ہوئی۔ اور اگر ایسی مدت بیان کی جس میں زراعت نہ ہو سکے یا اتنی مدت بیان کی کہ اتنی مدت تک ایک کے زندہ رہنے کی بظاہر امید نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں مزارعت فاسد ہے۔ (۶) یہ بیان کہ بیج مالک زمین دے گا یا کاشتکار کے ذمہ ہوگا۔ اگر بیان (وضاحت) نہ ہو تو وہاں کا جو عرف ہو وہ کیا جائے جیسے ہندوستان بھر میں یہی عرف ہے کہ بیج کاشتکار کے ہوتے ہیں (۷) یہ بیان کہ کے کیا چیز بوئیگا اور اگر متعین نہ کرے تو یہ اجازت دے کہ تیرا جو جی چاہے اس میں بونا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کتنے بیج ڈالے گا کہ زمین جتنی ہوتی ہے اسی حساب سے کاشتکار بیج ڈلا کرتے ہیں۔ (۸) ہر ایک کو کیا ملے گا اس کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو۔ اگر فقط ایک کو دینا قرار پایا تو عقد صحیح نہیں۔ اور یہ شرط کہ دوسری چیز میں سے دیا جائیگا اس سے بھی شرکت نہ ہوئی۔ اور جو مقدار ہو ہر ایک کے لئے اس کا متعین ہوجانا ضروری ہے۔ مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی اور جو کچھ حصہ ہو وہ جزوشائع ہو لہٰذا اگر ایک کیلئے یہ ٹھہرا کہ ایک من یا دو من دیئے جائیں گے تو صحیح اور اگر یہ ٹھہرا کہ بیج کی مقدار نکالنے کے بعد باقی کو اس طرح تقسیم کیا جائیگا تو مزارعت صحیح نہیں ہوئی اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کھیت کے اس حصہ کی پیدوار فلاں لے گا یا باقی فلاں یا باقی کو دونوں میں تقسیم کیا جائیگا یہ مزارعت صحیح نہیں۔ اور

اگر یہ ٹھہرا کہ زمین کا عشر نکال کر باقی کو تقسیم کیا جائیگا تو حرج نہیں یوں ہی اگر یہ طے ہوا کہ دونوں میں ایک کو پہلے پیداوار کا دسواں حصہ دیا جائیگا اس کے بعد اس طرح تقسیم ہوتو اس میں بھی حرج نہیں ۔(بہارشریعت حصہ ۱۵ زراعت کا بیان)

**زراعت فاسد ہونے کی شرطیں :** (۱) پیداوار کا ایک کیلئے مخصوص ہونا۔ (۲) مالک زمین کے کام کرنے کی شرط (۳) ہل بیل مالک زمین کے ذمہ شرط کردینا کھیت کاٹنا اور اٹھا کر خرمن (کھلیان) میں پہونچانا پھر دائیں چلانا اور غلہ کو بھوسہ اڑا کر جدا کرنا ان سب کو کاشتکار پر شرط کرنا مفسد ہے یا نہیں ۔اسمیں دو روایتیں ہیں ۔اور ہندوستان کا عرف یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی کاشتکار ہی کرتا ہے ۔مگر رواج یہ ہے کہ ان سب چیزوں میں مزدوری جو کچھ دی جاتی ہے وہ مشترک غلہ سے دیجاتی ہے ۔ مزارع (کاشتکار) اپنے پاس سے نہیں دیتا بلکہ ان تمام مصارف کے بعد جو کچھ غلہ بچتا ہے وہ حسب قرار داد تقسیم ہوتا ہے۔ (۴) ایک کو غلہ ملے گا اور دوسرے کو صرف بھوسا (۵) غلہ بانٹا جائے گا اور بھوسا وہ لیگا جس کے بیج نہیں ہیں مثلاً مالک زمین (۶) بھوسا بانٹا جائے گا اور غلہ صرف ایک کو ملے گا ۔اور اگر یہ شرط ہے کہ غلہ بٹے گا اور بھوسا اس کو ملے گا جس کے بیج ہیں جیسا ہندوستان میں یہی عرف ہے کہ مزارع (کاشتکار) بیج دیتا ہے اور بھوسا لیتا ہے یہ صورت صحیح ہے۔ یونہی اگر بھوسا کے متعلق کچھ ذکر ہی نہ آیا کہ اس کو کون لیگا یہ بھی صحیح ہے ۔مگر اس صورت میں بھوسا کون لیگا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بھی بٹے گا۔ دوسرا یہ کہ جس کے بیج ہیں اسے ملے گا یہی ظاہرالروایہ ہے ۔اور ہندوستان کا عرف دوسرے قول کے موافق ہے۔(بہارشریعت پانزدہم زراعت کا بیان)

**زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں :** درمختار کتاب البیوع ۔"**فصل فی مالا ید خل فی البیع تبعا**" میں ہے۔

ترجمہ: زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں مگر جب کھیتی اُگی ہوئی ہو اور بے قیمت ہوتو بیع میں داخل ہوگی اصح قول کے مطابق (شرح الجمع) بائع کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھیتی کو اوکھاڑ کر زمین مشتری کے حوالے کرے جب زمین کی تسلیم واجب ہو چکی ہو اور اگر مشتری نے ثمن نقد نہ دیئے ہوں تو بائع کو مذکورہ بالا حکم نہیں دیا جائیگا (خانیہ) اور فصولین میں جو آیا ہے کہ کھیتی بائع کیلئے ہے زمین کی اجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ

مشتری اس پر راضی ہو۔نھر اھ ملتقطا۔(فتاوی رضویہ ج ۱۷ص ۱۲۰ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات)

## زراعت اور حقِ موروثیت:

**سوال نمبر۱:** شریعت کے نزدیک کاشتکار کوحق موروثیت (جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے جوشخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی بے دخلی وغیرہ کا حق نہیں رہتا) حاصل ہے یا نہیں۔

**سوال نمبر ۲:** اگر حق موروثیت حاصل نہیں ہے پھر بھی کاشتکار جبرا(زبردستی) قابض ہو جائے تو وہ ظالم اور گنہگار ہے یا نہیں۔؟

**جواب نمبر۱:** صرف وقت گزرنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر چہ بیس سال کاشت کرے۔جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاًاس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے۔خواہ زمین مملوک ہو ،یا موقوف ،یا سلطانی(گورنمنٹی)شرعاً ہرگز حق موروثیت حاصل نہیں ہوتا وہ صرف قانونی بات ہے(ملخصاً)

**جواب نمبر ۲:** جب شرعا حق مورثیت حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ قابض ہےتو عنداللہ ضرور قابض و غاصب وگنہگار اورحق العبد میں گرفتار ہے۔ یہاں (دنیا میں) اگر چہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کوکوئی عذر نہ ہوگا۔(ملخصا) دلیل اورتفصیل (فتاویٰ رضویہ جلدنمبر ۲۰ جدیدص ۱۷۹ تا ۱۸۹ کتاب المزارعت میں ملاحظہ کریں)

**زراعت کی زکاۃ:** اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔**وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ**(پ ۸ سورہ انعام آیت ۱۴۱)

**ترجمہ:** کھیتی کٹنے کے دن اسکا حق ادا کرو۔صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس زمین کوآسمان یا چشموں نے سیراب کیا ۔یاعشری ہو یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کرتے ہوں اس مین عشر (دسواں حصہ) ہے ۔اورجس زمین کو سیراب کرنے کیلئے جانور پر پانی لاد کر لاتے ہوں اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔ بہار شریعت حصہ پنجم۔(زراعت اور پھلوں کی زکاۃ کا بیان) ابن نجار

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر اس شئ میں جسے زمین نے نکالا عشر یا نصف عشر ہے۔

**مسئلہ:** عشر واجب ہونے کے لئے عاقل بالغ ہونا شرط نہیں۔ مجنون اور نابالغ کی زمین میں جو کچھ پیدا ہو اس میں عشر واجب ہے۔(عالمگیری وغیرہ) بحوالہ بہارشریعت حصہ پنجم (زراعت اور پھلوں کی زکاۃ کا بیان)

**مسئلہ:** عشر میں سال گزرنا بھی شرط نہیں جب کہ سال میں چند بار یا ایک کھیت میں زراعت ہوئی تو ہر بار عشر واجب ہے۔(درمختار)

**مسئلہ:** اس میں نصاب بھی شرط نہیں ایک صاع (چار کیلو نوے گرام) بھی پیداوار ہو تو عشر واجب ہے۔اور یہ شرط بھی نہیں کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو۔ اور یہ شرط بھی نہیں کہ کاشتکار زمین کا مالک ہو۔

**مسئلہ:** جس چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہوا اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر لیا جائیگا یہ نہیں ہوسکتا کہ مصارف زکاۃ ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اجرت یا بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دیا جائے (درمختار ردالمحتار بحوالہ بہارشریعت حصہ پنجم ص ۵۲ زراعت اور پھلوں کی زکاۃ کا بیان)

**مسئلہ:** عشری زمین بٹائی پر دی تو عشر دونوں پر ہے اور خراجی زمین بٹائی پر دی تو خراج مالک پر ہے (ردالمحتار)

مسئلہ: زمین جو زراعت کے لئے نقدی پر دی جاتی ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کا عشر زمین دار پر ہے۔اور صاحبین کے نزدیک کاشتکار پر۔ اور علامہ شامی نے یہ تحقیق فرمائی کہ حالت زمانہ کے اعتبار سے اب قول صاحبین پر عمل ہے ۔(بہارشریعت حصہ پنجم، زراعت اور پھلوں کی زکاۃ کا بیان)

### خلاصۂ گفتگو:

زراعت خواہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے۔ اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں نیز کوئی بھی ملک زراعت کو ترقی دئے بغیر ترقی اور خوشحالی کے منازل کو طے نہیں کرسکتا ہے۔زراعت اور

کاشتکاری مالک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہوتے ہیں۔ دونوں کی ترقی وخوشحالی ملکی و معاشی ترقی وخوشحالی کی ضامن ہوتی ہے۔زراعت سے صنعت وتجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔ اسی طرح ،صنعت وتجارت کی ترقی کیلئے بھی زراعت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے زراعت کے شعبہ کو نظر انداز کیا ہے وہ خاطر خواہ ترقی نہ کرسکیں بلکہ تنزلی ،بدحالی ،بھوک ،اور بدامنی کا شکار ہوکر رہ گئیں ۔لہذا ہمیں چاہیئے کہ اس شعبہ کو ہرگز نظرانداز نہ کریں اور اسے ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی شعبۂ زراعت کو خوب سے خوب تر ترقی عطاء فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

☆☆☆

# امام احمد رضا اور مسائل صنعت وحرفت

(مولانا محمد شاہد القادری، ناظم و بانی کلیۃ السیدۃ آمنۃ للبنات
کلکتہ 7003910625,9231506317)

مذہب اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اسلام اپنے متبعین کو زندگی میں آنے والے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے، ان مسائل کا تعلق خواہ عائلی زندگی سے ہو یا ثقافتی زندگی سے ، سماجی زندگی سے ہو خواہ سیاسی زندگی سے، تعلیمی زندگی سے ہو خواہ تحفظاتی زندگی سے ہو، معاشی زندگی سے ہو یا معاشرتی زندگی سے، تبلیغی زندگی سے ہو یا تعبدی زندگی سے ، تمام کے تمام شعبہائے زندگی کے لئے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اصول وضوابط سے بہرہ مند کیا ہے، اسی لئے ببانگ دھل کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا عالمی اور عالمگیری مذہب ہے کہ جس کے پاس مہد سے لے کر لحد تک کے اپنے قوانین ہیں، جنہیں قوانین الٰہیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے طنزاً کہا کہ تمہارا کیسا مذہب ہے جو پیشاب و پائخانہ کے وقت بھی اپنا ہی قانون بتاتا ہے اور اپنے متبعین کو آزاد نہیں رکھتا ہے، صحابی رسول سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ الحمد للہ! مذہب اسلام اپنے متبعین کے لئے زندگی کے ہر ایک شعبہ کے لئے اپنا قانون رکھتا ہے ، کسی معاملہ میں اپنے ماننے والے کو اسلام نے محتاج نہیں رکھا ہے۔

اقتصادی مسائل اور معاشیاتی مسائل کے حوالے سے آئے دن نت نئے مسائل آتے رہتے ہیں، جیسے شیئر بازاری کے مسائل، بینکنگ نظام، بیع وشراء کے مسائل، زرعی و صنعتی مسائل اور عالمی اقتصادی مسائل ،ان تمام کاروبار میں نفع ونقصان اور خرید فروخت کا تعلق بنیادی طور پر اسلام سے تعلق رکھتا ہے، تاکہ حرام وحلال، جائز و ناجائز اور صحیح وغلط کے فرق کا علم ہو، اور اللہ و رسول کی خوشنودی مقصد اول رہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت سیدی الشیخ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات اپنی جگہ مسلم ہے، آپ مذہب اسلام کے ایک ایسے

محقق، داعی اور مدبر گذرے ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کے درپیش مسائل کا حل پیش کرکے قوم مسلم کو داخلی اور خارجی انتشار سے محفوظ رکھا، انہیں مسائل میں سے مسائل صنعت وحرفت ہیں۔ پیش نظر مقالہ میں ''امام احمد رضا اور مسائل صنعت وحرفت'' کے حوالے سے گفتگو کی گئیں ہیں کہ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب فقہی انسائیکلو پیڈیا ''فتاویٰ رضویہ شریف'' ۱۲ر مجلدات میں سے بعض بعض مقامات پر صنعت وحرفت کے حوالے سے بحثیں کی ہیں، نذر قارئین ہیں۔

## ☆قرآن کریم میں صنعت وحرفت کا بیان:

☆انسانی تہذیب و ثقافت کو جن صنعتوں اور ہنرمندیوں کی ضرورت ہے، ان کا ذکر کلام الٰہی میں موجود ہے، قرآن مقدس کی تلاوت سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عناد و سرکشی پر اتر آئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس نبی حضرت نوح علیہ السلام کو عظیم طوفان کے خطرات سے آگاہ فرمایا اور نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا، جیسے اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے ''اور ہماری نگرانی میں کشتی بنائے اور ہمارے حکم سے'' (سورہ ہود: ۳۷) اس آیت کے تحت مفسر قرآن حضور صدر الافاضل محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ و السلام نے بحکم الٰہی ''سال'' کے درخت بوئے، ۲۰ر سال میں یہ درخت تیار ہوئے، اس عرصہ میں مطلقاً کوئی بچہ پیدا نہ ہوا، اس سے پہلے جو بچے پیدا ہوچکے تھے وہ بالغ ہوگئے، اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا، اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے میں مشغول ہوگئے۔ اور (قوم نوح) کہتی! اے نوح! کیا کرتے ہو، آپ فرماتے: ایسا مکان بناتا ہوں جو پانی پر چلے، یہ سن کر ہنستے کیونکہ آپ کشتی جنگل میں بنارہے تھے، جہاں دور دور تک پانی نہ تھا اور وہ لوگ تمسخر سے یہ بھی کہتے تھے کہ پہلے تو آپ نبی تھے اور اب بڑھئی ہوگئے، یہ کشتی دو سال میں تیار ہوئی، اس کی لمبائی ۳۰۰ر گز، چوڑائی ۵۰ر گز اور اونچائی ۳۰ر گز تھی، اس کشتی میں ۳ر درجے بنائے گئے تھے، طبقہ زیریں میں وحوش اور درندے اور ہوام اور درمیانی طبقہ میں چوپائے وغیرہ اور طبقہ اعلیٰ میں خود حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اور حضرت

آدم علیہ السلام کا جسد مبارک جو عورتوں اور مردوں کے درمیان حائل تھا، اور کھانے وغیرہ کا سامان تھا، پرندے بھی اوپر ہی کے طبقہ میں تھے'' (تفسیر خزائن العرفان)

''دنیا میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی تھی، اور جس کے بنانے میں سالہا سال صرف ہوئے تھے، اور کشتی کی تشکیل وصنعت کی تکمیل آپ نے اللہ کے حکم سے کی تھی تا کہ مؤمنوں کو طوفان نوح سے بچایا جاسکے، یہ کشتی ایک بہت بڑا جہاز تھا، جس کے الگ الگ درجے اور مختلف احاطے تھے، حیوانات کے جوڑوں یعنی نر و مادہ کے لئے الگ الگ احاطہ تھا، اور کم وبیش اسی ۸۰ مسلمانوں کے کے لئے الگ احاطہ کردیا گیا تھا، فرمان باری تعالیٰ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی بڑھئی کا کام سکھایا گیا، اور اسی پیشہ کی تکمیل واختصاص کی خصوصی تعلیم دی گئی، پھر آپ نے کشتی بنانے میں اپنے اس فن کا خوب خوب مظاہرہ کیا، اور یہ کام بڑی خوبی اور تدبر واحتیاط کے ساتھ سر انجام دیا'' (ارباب کمال اور پیشہ رزق حلال: ۳۰)

☆اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس نبی حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کی صنعت اور اس حرفت کی ضرورت وافادیت بذریعہ وحی تعلیم دی، تا کہ جنگ کے وقت مسلمان سپاہی دشمنوں کی وار سے خود کی حفاظت کرسکیں، اللہ رب العزت کا فرمان عالی شان ہے''ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کی صنعت سکھائی تھی تا کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں، سو کیا تم شکر کرتے ہو'' (سورۃ الانبیاء: ۸۰)

اس آیت کریمہ کے تحت مفسر قرآن سیدنا حضور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اس طرح لوہا آپ (حضرت داؤد علیہ السلام) کے ہاتھ شریف میں نرم ہوجاتا تھا۔ آپ جدھر چاہتے موڑ لیتے، اس سے آپ نے زرہ بنائیں، جو جنگوں میں کام آتی ہیں۔ تمہیں اس نے (اللہ تعالیٰ) حضرت داؤد کے ذریعہ زرہ بخشی، اے داؤد علیہ السلام کی امت کہ اس نے تمہارے پیغمبر کو یہ نعمت بخشی، خیال رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر فروخت فرماتے تھے، اس پر آپ کا گزارہ تھا، بیت المال سے کبھی کچھ نہ لیا، آپ ہی زرہ کے مؤجد ہیں۔ (تفسیر نور العرفان)

”قرآنی شہادت منصوصی طور پر آپ کے سامنے ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ باری تعالیٰ کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعہ دنیا میں ترویج دی، حق تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں لوہا نرم کردیا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام تعلیم وحی کے مطابق اسے موڑ کر نہایت ہلکی، مضبوط و مربوط اور اس زمانے کے اعتبار سے جدید قسم کی عمدہ زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں حفاظت اور دفاع کا خوب کام دیتی تھی“ (ارباب کمال اور پیشہ رزق حلال:۳۱)

## ☆احادیث نبویہ میں صنعت وحرفت کا بیان :

☆حضور اقدس ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ جو کھانا انسان اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کمائے اور کھائے اس سے بہتر کوئی
کھانا نہیں ہے، اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے (بخاری شریف)

☆حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ حرفت والے مؤمن کو دوست رکھتا ہے (معجم الکبیر)

☆حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے (مسلم شریف)

☆حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی صاحب ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے یا زمین کاشت کرے، پھر اسی میں
سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور کھائے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (ترمذی شریف)

☆حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھجور اور دوسرے درخت بونے والے کے موجودہ اہل وعیال کے لئے بھی باعث برکت ہیں، اور بعد میں آنے والی نسل کے لئے بھی، بشرطیکہ وہ شکر الٰہی کرتے رہے (طبرانی شریف)

## ☆صنعت وحرفت کی اہمیت وضرورت:

قرآن مقدس اور احادیث طیبہ سے صنعت وحرفت کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کی طرف اشارہ کردیا گیا تاکہ بندۂ خدا کسب حلال جاری رکھے اور اپنے اور اپنے خانوادہ کی کفالت جائز طریقے سے کرسکے۔ممتاز المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے مختلف پیشوں کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اپنی تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں معلومات سے بھر پور گفتگو کی ہیں،نذر قارئین ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جب (انسان) ان کی ضروریات زندگی بڑھ گئیں ، نیز ہر ایک چیز میں اس کی نفاست کو ملحوظ رکھا جانے لگا تاکہ اس سے آنکھوں کو لطف اور نفوس کو سرور حاصل ہو،تو اس صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ ہر ایک فرد اپنی تمام ضروریات کو اپنے لئے خود پورا کرسکے، پس ضرورت کے تحت (لوگوں نے) اس بات پر اتفاق کیا کہ ہر شخص ایک ہی قسم کی ضرورت کو پورا کرنے پر توجہ دے، اور اس کو اچھی طرح انجام دینے کے لئے تمام ذرائع اختیار کرے اور پھر اس کو مبادلے کے تحت اپنی تمام ضروریات کے حصول کا ذریعہ بنالے(حجۃ اللہ البالغہ:ص ۴۳)

**آگے لکھتے ہیں:**

اکتساب معاش کے اصل پیشے یہ ہیں(۱) کھیتی باڑی کرنا(۲) مویشیوں کو پالنا (۳) وہ چیزیں جو خشکی اور تری میں غیر مملوک پائی جاتی ہیں ،خواہ ان کا تعلق معدنیات سے ہو یا نباتات یا حیوانات سے ان کو اپنے قبضہ میں لے آنا (۴) نیز وہ صنعتیں جن کے ذریعے عام طور پر پائے جانے والے مواد میں تصرف کرکے ان کو اس قابل بنادیا جاتا ہے کہ ان سے مطلوبہ اتفاقی مدد ملے، مثلاً بڑھئی ،لوہار اور کپڑا بننے والے وغیرہ کے پیشے ۔پھر تجارت بھی ایک پیشہ بن گئی اور بعد میں جب تمدن میں کسی قدر وسعت پیدا ہوئی تو یہ بھی ایک پیشہ شمار ہونے لگا کہ آدمی نظام تمدن کو بہتر طریقے پر قائم کرنے میں مدد دے،اور پھر ہر ایسی جدوجہد کو پیشہ کہا جانے لگا جس سے نوع انسان کی کوئی ضرورت پوری ہوتی ہو،نفاست پسندی بڑھتی گئی اور لذت وسرور کی خواہش غالب ہوتی گئی تو مختلف پیشوں کی شاخیں وجود میں آنے لگیں، ہر شخص کسی نہ کسی پیشے کا ماہر اور متخصص ہونے لگا(ایضاً،ص:۴۳)

**مزید لکھتے ہیں:**

یادرکھو! اگر کسی شہر میں مثلاً ۱۰ ؍ہزار نفوس کی آبادی ہو تو سیاست مدنیہ کا تقاضا ہے کہ اہل شہر کے مکاسب پر گہری نظر ڈالی جائے ، کیونکہ اگر ان میں سے اکثر صنعت و حرفت اور سرکاری ملازمتوں میں مشغول ہیں اور معدودے چند افراد ایسے ہیں جو گلہ بانی اور زراعت کا کام کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دنیاوی امور میں فساد برپا ہوجائے گا (ایضاً۔ص: ۱۰۵)

**ایک مقام پر لکھتے ہیں:**

چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور آپس کے تعاون کے بغیر وہ اپنے لوازمات حیات بہم نہیں پہنچاسکتے ہیں ،اس لئے شرائع میں ان کو باہمی تعاون کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ سوسائٹی کا ایک فرد بھی عذر معقول کے بغیر بے کار اور بے روزگار نہ رہے (ایضاً،ص:۴۶)

**تتمہ کے طور پر لکھتے ہیں:**

اگر بھیک کو غیر معیوب سمجھ کر عادت بنا یا لیا جائے اور لوگ اس سے نہ شرمائیں اور اسے مال کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے تو یہ بہت سے ایسے پیشوں کے معدوم ہوجانے کا ذریعہ بن جائے گی جن کا وجود تمدن کی ترقی کے لئے ضروری ہے (ایضاً،ص:۴۶)

اس زمانے میں شہروں کی بربادی کے لئے دو بڑے سبب ہیں ،اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے لوگ نے دوسرے پیشوں کو چھوڑ کر خود کو حکومت کے دامن سے وابستہ کرر کھا ہے اور ان کا تمام بوجھ بیت المال پر ہے کہ وہ غازی ہیں یا علماء ہیں یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو عام طور پر بادشاہ انعام و اکرام سے نوازتے ہیں، جیسے زاویہ نشیں فقراء، اور درباری شعرا یا کسی نئے طریقے سے بھیک مانگنے والے ہیں، ان کے پیش نظر فقط یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنا پیٹ بھریں اور معاشرے کی کوئی خدمت انجام نہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کا مقابلہ کرتی ہے پھر آپس میں یہ ایکدوسرے کے لئے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور یہ لوگ حکومت پر بوجھ بن جاتے ہیں (ایضاً،ص: ۴۵)

## ☆اصحاب فضل و کمال کا مختلف پیشہوں سے منسلک ہونا:۔

## روغن سازی اور روغن فروشی:

☆حضرت علامہ صالح بن درہم عظیم محدث اور اپنے فن کے امام تھے، اہل بصرہ

سے تھے،علم حدیث محدثین عراق سے حاصل کیا تھا،ان کا ذریعہ معاش تیل کا کاروبار،روغن سازی اور روغن فروشی کے ساتھ ساتھ تدریس بھی تھا۔

☆حضرت ابوعلی دھان علیہ الرحمہ امام وقت،عظیم محدث اور فیض کثیر کے مالک تھے،اپنے معاشی کاروبار،روغن سازی اور روغن فروشی کے ساتھ ساتھ تمام عمر علوم نبوت اور تعلیمات رسول کی اشاعت کرتے رہے،ان کی معاشی تگ و دو اور ضروریات کی کفالت کے سلسلہ میں سعی علم دین کی تدریس وتبلیغ کے لئے کسی قسم کی روکاوٹ نہ بن سکی۔

☆حضرت ابواحمد محمد بن عبد اللہ بن احمد بن قاسم بن جامع دھان کا تذکرہ بھی کیا ہے، جو بغداد کے رہنے والے تھے، روغن سازی اور روغن فروشی کی وجہ سے دھان کے لقب سے زیادہ مشہور تھے، حد درجہ متقی، پرہیزگار،صالح ،ثقہ اور معتمد محدث تھے،علم حدیث سے خصوصی شغف تھا۔

## حرفت خیاطی:

☆حضرت علامہ عبد اللہ صالح بن راشد خیاط بصرہ کے رہنے والے تھے،امام مالک اور امام حسن بصری سے علوم نبوت حاصل کیں ،خدمت دین اور اشاعت دین ان کا اصل پیشہ تھا،ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے خیاطی بھی کرلیا کرتے تھے۔

☆علامہ ابوسلمان خیاط حجازی اور تابعی ہیں، اپنے اسلاف کی طرح تحصیل علم اور پھر خدمت علم دین و اشاعت علم کے دوران سرگرم عمل رہے،گرچہ بعض حالات میں معاش کی اور اہل وعیال کی پرورش کی ذمہ داریوں نے انہیں خیاطی کا پیشہ اپنانے میں مصروف رکھا۔

☆علامہ عمران خیاط بھی نسل اور پیشہ کے اعتبار سے خیاط یعنی درزی تھے،مگر فضل و کمال اور علم و ہنر میں معاصرین میں یکتا روزگار تھے،آپ نے علامہ ابراہیم نخعی جیسے عظیم محدث و فقیہ سے تحصیل علم کی اور آپ کا شمار محدثین کے عظیم گروہ میں ہونے لگا۔

## ریشم کی صنعت:

☆دیوکشوں کے خاندان عالی شان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی کی ہے اس میں اپنا خاندانی جاہ ومنصب کو برقرار رکھا،اسی خاندان کے حضرت ابومحمد بن عبد اللہ بن دیوکش ہیں، جنہوں نے علوم وفنون بالخصوص علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل کیا

تھا، اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی سے پیچیدہ فقہی مباحث کی عقدہ کشائی فرمایا کرتے تھے،لیکن آپ کا ذریعہ معاش ریشم سازی تھا۔

## حرفت پارچہ بافون:

☆ابو محمد جرثومہ بن عبد اللہ نساج اپنے وقت کے علمائے راسخین اور اجلہ علمائے ربانیین میں سے تھے، دنیا طلبی سے دل برداشتہ تھے، آپ بہت ہی بڑے متقی اور پرہیز گار تھے، کپڑے کا بننا گزراوقات کے لئے اختیار کیا تھا، ہمیشہ فقر و فاقہ پر قانع رہے، دنیا کی بو بھی اپنے پاس آنے نہیں دیتے تھے۔

☆ علامہ امام ابو القاسم بکر بن یحییٰ نساج شہر واسط کے رہنے والے تھے، آپ کا علمی شہرہ اور محدثانہ جلالت قدر اپنے زمانہ میں مسلم تھی، آپ کا مطالعہ وسیع اور نگاہ عمیق اور ذھن کھلا ہوا تھا،انہوں نے اپنے بچوں کی کفالت اور پرورش کے لئے نساجی کا پیشہ اختیار کیا تھا اور اسی ذریعہ معاش میں خوش رہتے تھے۔

## حرفت قصاب:

☆امام حسن بن عبد اللہ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث گزرے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر کے مولیٰ حضرت نافع سے علم حدیث کی تحصیل کی ،علامہ موصوف تابعی تھے،آپ قصاب کے پیشہ سے تعلق رکھتے تھے، اس کاروبار میں تمام شرعی قیود کا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔

☆علامہ عبد العزیز بن موسیٰ قصاب کی دورویشی زمانہ میں مشہور تھی، اپنے زمانے کے علوم وفنون کے شہنشاہوں سے تحصیل علم کی اور زمانہ میں معروف ہوئے، آپ نے بھی بچوں اور اہل خانہ کی کفالت کے لئے قصابی کا پیشہ اختیار کیا،لیکن حسب ضرورت باقی اوقات میں تدریس اور تبلیغ اسلام میں گزربسر کیا کرتے تھے۔

## ☆چار بنیادی باتیں:

صنعت وحرفت میں لین دین کے معاملات امر یقینی ہے،ضروری ہے کہ اس حوالے سے اسلامی احکامات وتعلیمات کی بنیادی باتیں

درج کردی جائے۔

۱۔خلق اللہ کی نفع رسانی

۲۔عدل وانصاف

۳۔سچائی ودیانت

۴۔سماحت یعنی ہر فریق دوسرے کے ساتھ رعایت اور خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

صنعت وحرفت کے تعلق سے جیسا کہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ اس حوالے سے شرع نے جو کچھ حکم صادر فرمایا ہے اس کی اتباع بہر حال لازم ہے۔فتاوی رضویہ شریف میں بھی مختلف صنعت وحرفت کے تعلق سے سوالات درج ہوئے ہیں اور موضوع بحث بھی یہی ہے کہ حضرت فقیہ اسلام امام احمد محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ان سولات کے تحت کیا جوابات مرحمت فرمائے ہیں،نذر قارئین ہیں۔

## ☆پیشہ گھی:

مصنوعی جعلی گھی کا کسی نے پیشہ اختیار کیا،تو اس پیشہ اور ایسا کاروبار کے بارے میں سوال کیا گیا،تو حضرت فقیہ الاسلام قدس سرہ العزیز نے یہ جواب مرحمت فرمایا کہ ''اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اس بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف،اور گھی میں اس طرح میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے،آخر گھی بیچنا بھی جائز ہے جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی،اور عدم جواز صرف بوجہ غش وفریب تھا، جب جعل ظاہر ہے غش نہیں ہوا،اور جواز رہا''(فتاوی رضویہ مترجم،ج:۱۷،ص:۱۵۰)

## ☆افیون اور بھنگ کا پیشہ:

افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگر چہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں،،جیسے شراب اور خنزیر متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مال متقوم مقدور التسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگر چہ حرام ہو،لہذا صحت تو ان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز بمعنی حل بھی ہوگا اور اگر

مصیبت کے لئے ان کی بیع مطلوب ہوتو جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو (ایضاً، ص: ۱۷۰)

## ☆اینٹ کی صنعت:

حضرت فقیہ اسلام علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یا نہیں، ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کہ اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دوسو روپئے اسے دے دیئے، یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ جائز ہے جب کہ سانچا معین کر دیا گیا ہو، اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں، اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی۔ کیونکہ وہ فی الحال نایاب ہے، جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل، اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے، جیسے کیلی چیز، ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً اخروٹ، انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی یا پکی اینٹیں (ایضاً، ص: ۵۷۶)

## ☆ہنڈی کا پیشہ:

حضرت فقیہ اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہنڈی کی تعریف لکھتے ہیں کہ ”زید وعمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز و گناہ ہے۔ اور اس میں جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نرا سود اور حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمرو کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے، چوری ہو جائے، کسی طرح جاتا رہے، جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھورا لے تو اسی کا نام قرض ہے، اگر چہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو، جمع کرنا کہا ہو، جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپیہ کا دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے، تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ

جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا، معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے، امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا، اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے، لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی'' (ایضاً ص: ۲۱۷، ۲۱۳)

## ☆ پیشہ دھوبی:

عوام ہندوستان نے چھوت کا مسئلہ کفار ہند سے سیکھا ہے، دھوبی ہر قسم کے کپڑے طاہر و نجس سب کچھ دھوتے ہیں، اس لئے ہندو چھوت مانتے ہیں، جاہل مسلمان بھی انہیں کی پیروی کرتے ہیں، اور خود ہندوؤں کے مکانوں اور دوکانوں سے دودھ، دہی، پوری کچوری، مٹھائی سب کچھ خریدتے ہیں، حالانکہ تمام ہندو سخت گندے رہتے ہیں، اور ان کے پانی کا برتن نہایت گھن کے قابل ہیں، مسلمان دھوبیوں سے ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور اپنے کھانے پانی میں طہارت کا خیال رکھتے ہوں گے، اوروں سے اصلاً اس کی امید نہیں، جس قوم کے یہاں گوبر پوتر ہو یعنی پاک کرنے والا، انہیں طہارت سے کیا علاقہ، البتہ جو دھوبی یا کوئی قوم طہارت کا لحاظ نہ رکھے، اس کے کھانے پینے سے احتراز بہتر ہے، اور نہ کیا جائے تو کچھ گناہ نہیں، جب تک کسی خاص کھانے کی نجاست تحقیق نہ ہو، اسی بنا پر ہنود کے یہاں کھانا پینا سوائے گوشت کے جائز رکھا گیا ہے، اگر چہ بہتر بچنا ہے (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۹ ص: ۲۲۴)

## ☆ پیشہ بھنگی:

بھنگی پیشہ سے تعلق رکھنے والے کے تعلق سے حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں عریضہ پیش کیا گیا کہ زید نے بھنگی کے گھر پر جا کر اس کے گھر کے کھانے پکے ہوئے پر جناب شاہ بدیع الدین یعنی مدار صاحب فاتحہ دے کر کچھ دام اور کچھ شیرینی اور خشک آٹا وغیرہ اپنے گھر لا کر استعمال میں لایا اور سالہا سال سے ایسا ہی کرتا ہے یعنی وہ اسے اپنا پیر سمجھتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ عمل شرعاً جائز تھا

یا ناجائز ؟اگر جائز تھا تو احکام شرعیہ کے کون شئے جائز ہے؟اور اس لائے ہوئے کا کھانا دوسرے مسلمان کو چاہیئے یا نہیں؟اور اگر ناجائز تھا تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟مسلمانوں کو اس بچنا بہتر ہے یا نہیں؟

حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے شافی و کافی جواب عنایت فرما یا، لکھتے ہیں: زید بیقید کا یہ فعل بہت ناپاک و بد ہے، یہاں علی العموم بھنگی کفار ہیں، اور کافر کی کوئی نیاز کوئی عمل قبول نہیں، اور نہ ہرگز اس پر ثواب ممکن، جسے پہنچایا جائے ۔اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: اور ہم نے ان کاموں کا ارادہ کیا جو انہوں نے (دنیاوی زندگی میں) کئے، پھر ہم انہیں بکھرا ہوا گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے(القرآن الکریم۔۲۵/ ۲۳)

اس کے کھانے پر فاتحہ دینا اس کا ثواب پہنچنے کا اعتقاد ہے، اور یہ قرآن عظیم کے خلاف ہے، زید پر توبہ فرض ہے، بلکہ تجدید اسلام و نکاح چاہیئے، بھنگی کا صدقہ جو یہ شخص لاتا اور کھاتا ہے ،اسلام کو ذلیل کرتا ہے اور مسلمانوں کو متنفر کرتا ہے،مسلمان اسے نہ کھائیں اور یہ شخص تائب نہ ہو تو اسے بھنگیوں ہی پر چھوڑ دیں (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱،ص: ۱۵۳)

## ☆غیر شرعی پیشہ:

"بعض غیر شرعی پیشہ جس کا تعین سیدی فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے احادیث طیبہ کے حوالے سے رقم کی ہیں" مسند احمد، مسلم، ابوداؤد اور سنن نسائی میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتے کی قیمت، بدکار عورت کا مہر یعنی اس کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی یہ سب خبیث یعنی گندے کام ہیں، تو خنزیر خوروں کی کمائی بطریق اولیٰ خبیث ہے، نیز یہ کام علاقہ کے عرف عام میں مسلمانوں کی نفرت اور انگشت نمائی کا سبب ہے جبکہ ہر ایسا کام شرعاً ممنوع ہے"(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱،ص: ۶۱۷)

## ☆تاڑی کا پیشہ:

جس شئے ماکول کا استعمال کرنا شرعاً حلال و جائز ہے، اس کی بیع و شراء اور پیشہ بھی شرعاً حلال و جائز ہے، تاڑی کے تعلق سے جب حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت عالی میں عریضہ پیش کیا گیا تو آپ علیہ الرحمہ نے واضح طور پر فرمایا کہ کب اس کا

استعمال جائز ہے اور کب ناجائز وحرام ہے،اسی بنا پر یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کب تاڑی کا پیشہ جائز ہے اور کب ناجائز ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

''تاڑی فی نفسہ ایک درخت کا عرق ہے،جب تک اس میں جوش وسکر نہ آئے طیب وحلال ہے۔جیسے شیرۂ انگور، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا، اگر یہ امر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال و طاہر ہوتی ہے، جب جوش لائے تو ناپاک وحرام ہوئی،مگر اس میں تنقیح طلب امر یہ ہے کہ آیا حرارت ہوا بھی چند گھنٹے یا چند ٹھرنے کے بعد اس عرق میں جوش وتغیر لاتی ہے یا نہیں،اگر ثابت ہو تو شام کے وقت تاڑی چند پیڑوں سے بقدر معتد بہ نکال کر کسی ظرف میں بند کر کے صبح تک چھوڑ دیں تو ہرگز متغیر نہ ہوگی، جب تک آفتاب نکل کر دیر تک دھوپ سے اس میں فعل نہ کرے جوش نہیں لاتی تو اس صورت میں وہ بیان مذکور ضرور پایہ ثبوت کو پہنچے گا۔ورنہ صراحۃً معلوم ہے کہ شام کو جو گھڑا لگایا جائے گا تاڑی اس میں صبح تک بتدریج آیا کرے گی تو وہ اجزاء کہ اول شام آئے تھے،طول مدت کے سبب حرارت ہو،اسے ان کا تغیر مظنون ہے اور جوش وتغیر محسوس نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اجزاء جنہیں مدت اس قدر نہ گزرے کہ ہنوز تغیر کی حد تک نہ پہنچے،کثیر وغالب میں اس میں تقدیر پر اس سے احتراز میں سلامتی ہے۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱،ص:۶۳۸)

## ☆پیشہ قمار بازی:

حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے دربار عالی میں یہ سوال پیش کیا گیا کہ ایک شخص قمار باز جس کا پیشہ سوائے جوا کے اور کچھ نہ ہو، یا کوئی طواف ناچنے گانے والی یا کوئی کسی حرام پیشہ یا بارہویں شریف، گیارہویں شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت غوث اعظم قدس سرہ کی نیاز کرے تو اس کھانا کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

حضرت فقیہ الاسلام قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: جس کا پیشہ محض حرام کا ہو اس سے مخالطت ویسے ہی نہ چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ہرگز ظالموں کے پاس نہ بیٹھو(القرآن الکریم۔۶/۶۸)

اس کے یہاں کھانا اور زیادہ معیوب ہے۔مگر صحیح میں نفس طعام حرام نہیں،سوا اس

صراحت کے کہ وہ خود اسے وجہ حرام میں ملا ہو مثلاً اجرت غنایا زنا یا رشوت زانیہ میں ناج دیا گیا، وہ ناج اس کھانے میں ہے یا اس نے اسے زرحرام سے خریداری میں عقد ونقد اسی مال حرام پر جمع ہوئے مثلاً وہ زرحرام دکھا کر کہا اس کے عوض دے دو یہ تو حرام پر عقد ہوا، پھر اس نے دے دیا وہی زرحرام ثمن میں دیا، یہ حرام کا نقد ہوا ان دونوں صورتوں میں وہ کھانا حرام ہے، ورنہ نہیں۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱،ص: ۶۵۴)

## ☆پیشہ تصویر کشی:

حضرت فقیہ اسلام قدس سرہ سے عرض کیا گیا کہ پیشۂ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے؟ تو جواب مرحمت کیا گیا کہ تصویر حرام کے پیشہ سے اکل وشرب جائز نہیں کہ وہ کسب خبیث ہے(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱،ص: ۶۵۸)

## ☆پیشہ موچی:

علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص فاسقانہ وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے (جیسے ہمارے زمانے میں نیچری وردی ) تو درزی اور موچی کو ان کا سینا مکروہ ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، اس سے ثابت ہوا کہ فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتے پہنا گناہ ہے۔

حضرت امام قاضی خاں کے فتاویٰ میں ہے کہ موچی اور درزی اگر بدکار لوگوں کی وضع کے مطابق جوتے اور کپڑے تیار کرنے کی اجرت مانگے اور اسے اس کام پر بہت زیادہ اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا مستحب نہیں رہتا کیونکہ اس میں گناہ پر مدد کرنا پایا جاتا ہے(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۲،ص: ۱۳۷)

حضرت امام قاضی خان قدس سرہ العزیز مزید لکھتے ہیں: اگر موچی یا درزی سے جب فاسقوں کی وضع کے مطابق کوئی چیز بنوانے یا سلوانے کے لئے اجارہ کیا جائے اور اس کام کے لئے اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا بہتر نہیں، اس لئے کہ یہ گناہ کے سلسلے میں امداد ہے(ایضاً ص: ۱۷۲)

## ☆ریشمی کپڑے کا پیشہ:۔

قنیہ میں ہے کہ دلال نے ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے کندھوں پر اٹھایا تو یہ جائز ہے

جب کہ دونوں ہاتھوں آستینوں میں نہ ڈالے، عین الآئمہ کرابیسی نے فرمایا: اس میں مشائخ کرام کی گفتگو ہے، (یعنی اعتراض اور اختلاف ہے) اھ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کندھوں پر لٹکانے سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے نہ کہ پہننا، لہذا یہ پہنے کے مشابہ نہیں جو انتفاع سے مقصود ہے، غور کیجئے (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۲، ص:۱۷۶)

## ☆مختلف پیشے:

حر آدمی کی بیع اور شراب پینا دونوں حرام قطعی ہے، خصوصاً شرب خمر کی مداومت کہ وہ تو گناہ کبیرہ پر اصرار ہوا جو سخت تر کبیرہ عظیمہ ہوگیا اور ذبح بقر وقطع شجر کے پیشے میں مضائقہ نہیں، یہ جو عوام میں بنام حدیث مشہور ہے کہ "ذابح البقر وقاطع الشجر جنت میں نہیں جائے گا" محض غلط ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۳، ص:۵۳۹)

## ☆ناچنے کا پیشہ:

حضرت فقیہ اسلام قدس سرہ کی بارگاہ عالی وقار میں سوال ہوا کہ ہندہ پیشہ کسب اور ناچ گانے کا کرتی تھی، اس کو قدرتی طور پر میلان ہوا کہ پیشہ کسب یعنی زنا چھوڑ دے، چنانچہ اس نے اس سے توبہ کی، پھر وہ ایک بزرگ طریقت زید سے مرید ہوگئی تاہم پیشہ ناچ گانے کا اب تک کرتی ہے، پیر صاحب نے اس کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اس پیشہ کو اس وقت تک جب تک اس کے پاس ایک معقول سرمایہ جمع ہوجائے، کرتی رہے، ایسی حالت میں ہندہ اور اس کے مرشد زید کسی گناہ کا مرتکب ہیں، اگر ہیں تو بروئے احکام شریعت ان کی کیا سزا ہے؟

حضرت فقیہ اسلام قدس سرہ یوں جواب مرحمت فرماتے ہیں: یہ ملعون پیشہ حرام قطعی ہے، اگر اسے حلال جانے کافر ہے، نصوص قرآنیہ کا منکر ہے، ۔۔۔۔۔۔۔ہندہ اس صورت مذکورہ میں فاسقہ فاحشہ ہے اور جس نے اس کی اجازت دی اور اس نے ملعون کام سے سرمایہ جمع کرنے کو کہا، وہ حرام کا دلال فاسق وفاجر ضال ہے، عجب کہ سائل بزرگ طریقت لکھتا ہے، بزرگان طریقت شیطان خصلت نہیں ہوتے، رہی تعزیز، وہ یہاں کون دے سکتا ہے (ایضاً، ص:۵۸۳)

### ☆شعر خوانی و زمزمہ سنجی کا پیشہ:۔

گانا اور اشعار پڑھنا (ایسے اعمال ہیں) ان میں کسی پر مزدوری اور اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ان میں اجرت ہے،امام ابوحنیفہ،امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمھم اللہ تعالیٰ تینوں کا یہ قول اور فتویٰ ہے، چنانچہ غایۃ البیان میں یونہی مذکور ہے۔(ایضاً،ص: ۲۵؍۷)

# امام احمد رضا اور سودی کاروبار کارد بلیغ

{مولانا کمال الدین علیمی ..... دارالعلوم علیمیہ ،جمدا شاہی(بستی)}

چودہویں صدی ہجری جس عظیم شخصیت کے نام ہے وہ مجدد اعظم، اعلی حضرت ،امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے، ہمہ جہت صلاحیت، علمی وفکری صلاحیت، مجددانہ عظمت اور عالمانہ شان وشوکت جیسی خوبیاں بارگاہ خداوندی سے آپ کو بطور خاص عطا ہوئی تھیں،آپ کے تجدیدی کارنامے، آپ کی فقہی خدمات اور آپ کے دعوتی مجاہدات تاریخ علم وادب میں ہمیشہ درخشندہ رہیں گے۔

ایک مجدد کی تجدیدی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے،وقت کے تمام فتنوں کی سرکوبی ،سماج کی تمام برائیوں کا انسداد اور دین حق کے خلاف اٹھنے والی ہر غلط تحریک کی تردید یہ سب ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں، ساتھ ہی لوگوں کو امتثال اوامر اور اجتناب عن النواہی کی طرف راغب کرنا، لوگوں کے اندر محبت رسول کی روح پھونکنی اور اہل حق کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے، گویا وہ اپنے وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات کا سب سے بڑا محافظ ہوتا ہے، ان کے اعمال وافعال کا مصلح اعظم ہوتا ہے۔ اور ان کے دینی ضروریات کا مرجع وملجی ہوتا ہے، اس تناظر میں جب ہم مجدد اعظم کی تجدیدی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ہر لحاظ سے منفرد وممتاز نظر آتے ہیں، آپ نے اپنے دور کے ہر فتنے کا جواب دینے کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائی ہے، ان کو ہر طرح کی بدعات وخرافات سے بچانے کی کامیاب سعی فرمائی ہے،ان کے اندر محبت الٰہی اور عشق رسالت کا جذبہ صادق پیدا کیا ہے، اور ان کو اس دور میں رائج تمام محرمات اور منہیات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔

آپ کے دور میں جو برائیاں عام تھیں ان میں ''سودخوری'' بھی تھی، ہندوستانی سماج میں رائج سودی کاروبار کی جڑیں بہت گہری تھیں، ساہوکار اور بنئے سودی قرض کے ذریعہ غریب کسانوں کا خون چوستے تھے، اسی دور میں انگریزوں کے ذریعہ قائم کردہ سودی

بینک اور ڈاک خانہ سودی کاروبار میں ایک نئے نظام کی بنیاد رکھ رہے تھے، سات سمندر پار سے آنے والے شاطر تاجروں اور ساہوکاروں کی عیارانہ تجارت فروغ پارہی تھی، اس تجارت کا دارومدار کافی حد تک سودی کاروبار پر ہوتا تھا، بغیر سودی لین دین کے میدان تجارت میں بظاہر کسی ترقی کی امیدیں موہوم ہو رہی تھیں، ایسے میں دیگر ہندوستانیوں کی طرح مسلمانوں کے اندر بھی سود کی طرف رغبت کا پیدا ہونا فطری امر تھا، وہ سود کے عاجلانہ منافع دیکھ کر للچاتے تھے، اور سودی نظام کی چمک دمک سے مرعوب ہوتے تھے، ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ منظم طریقے سے اس امر حرام کا رد کیا جائے، صحیح اسلامی تصویر پیش کی جائے، لوگوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ شکوک وشبہات کا جواب دیا جائے، رائج سودی کاروبار پر قدغن لگایا جائے، خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں امام اہل سنت کی قبر اطہر پر، آپ نیا اس امر کی طرف بھرپور توجہ فرمائی، اور اپنے فتاوی کے ذریعہ سودی کاروبار کا رد بلیغ فرمایا، حرمت سود کی شدت وقباحت کا اظہار فرمایا، اس کی حرمت کے اسرار ورموز سمجھائے، اور اپنی تجدیدی خدمات کے ذریعے مسلمانوں کے اندر سے سودی کاروبار کی رغبت کو ختم کرنے میں عظیم کردار ادا کیا۔

ذیل میں موضوع سے متعلق ربا اور سود کا مختصر تعارف پھر مقصود سے متعلق باتیں حاضر خدمت کرتا ہوں۔

## ربا (سود) کی تعریف:

''ربو'' کے لغوی معنی زیادت اور اضافہ کے ہیں، قرآن مقدس میں ہے۔

''**فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت**'' اس میں ''ربت'' ربا سے بنا ہے جس کے معنی بڑھنے کے ہیں، اسی طرح عرب میں بولا جاتا ہے ''**ربا فلان رابیة**'' وہ ٹیلے پر چڑھ گیا، یوں ہی اہل عرب کہتے ہیں۔ ''**أربی فلان علی فلان فی القول او الفعل اذا زاد علیه**'' اسی سے قرآن کریم میں ''ربوا'' کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی زیادتی کے ہیں، حدیث شریف میں ہے: ''**فلا اللہ ما اخذنا من لقمته الا ربا من تحته**'' سودی کاروبار کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ ''**اربی الرجل**''۔

اصطلاح شرع میں ہر زیادتی کو ربا نہیں کہا جاتا ہے بلکہ مالی لین دین میں ایسا مالی

اضافہ جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو ربا کہلاتا ہے، ہندیہ میں ہے:
**"فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضتہ مال بمال"** (ہندیہ ۳/ ۱۱۷ الفصل السادس فی تفسیر الربو واحکامہ)

ہدایہ آخرین میں ہے: **"ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ"**۔

قاضی بیضاوی نے مذہب شافعی کی ترجمانی کرتے ہوئے ربا کی یہ تعریف کی ہے: **"ھو زیادہ فی الاجل بانیباع مطعوم بمطعوم او نقد بنقد الی اجل او فی العوض بان یباع احدھما باکثر منہ من جنسہ"** (بیضاوی، بقرہ، ص ۱۷۲)

امام اہل سنت ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اسکا استحاق قرار پایا ہو سود ہے، مثلاً سو روپئے قرض دیے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سولے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے، لہذا سود حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ جدید ۱۷/ ۳۲۶)

مذکورہ بالا تعریفات سے واضح ہو گیا کہ سود کے دو بنیادی عناصر ہیں، ایک تو عوض سے خالی ہونا، دوسرا شرط لگانا۔

ربا کی قسمیں: فقہاء نے ربا کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

1..... ربا القرض 2......... ربا الفضل

ربا لقرض کو ربا النسیئہ اور ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے، اول الذکر کی تعریف کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

**"ھو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المشقرض"** (احکام القرآن للجصاص، ج ۱/ ۴۶۹)

ربا الفضل کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء میں تفاضل یا ادھاری کے ساتھ لین دین کیا جائے جیسے سونے کی بیع سونے سے زیادتی کے ساتھ یا ادھاری کے ساتھ کی جائے، اول الذکر کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، اسی لئے اسے ربا لقرآن بھی کہا جاتا ہے، ثانی الذکر کی حرمت حدیث متواتر سے ثابت ہے۔

ربا کی حرمت منصوص واجماعی ہے: ربا کی حرمت قطعی ہے، کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "**یا ایھا الذین امنو الا تاکلو اا الربا اضعا فا مضاعفة و اتقو ا اللہ لعلکم تفلحون**" (آل عمران: ۱۳۰)

مزید ارشاد ہے: "**الذین یا کلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذي یتخبطه الشیطان من المس**" (بقرہ: ۲۷۵)

حدیث شریف میں کل ربا اور سودی لین دین پر بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**اربع حق علی اللہ ان لا ید خلھم الجنة ولا یذیقھم نعیمھا، مدمن الخمر، واکل الربا، واکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لو الدیه**" (مستدرک للحاکم حدیث نمبر ۲۲۶۰)

مزید ارشاد ہے: "**لعن رسول اللہ صلی علیه وسلم اکل الربا و موکله وشاھدہ و کاتبه**" یوں ہی متعدد روایات میں ہے کہ سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں، ان میں سے سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔
(مجمع الزوائد ۴/۱۱۷)

**حرمت سود کا راز:** سود کی قسم اول کی حرمت کی علت نمایاں کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"**وقد ذکرنا ان فیه قلبا لموضوع المعاملات، وان الناس کانو امنھمکین فیه في الجاھلیه اشد انھماک وکان حدث لا جله محاربات مستطیرۃ وکان قلیله ید عو الی کثیرہ فوجب ان یسد بابه بالکلیة ولذلک نزل في القران في شانه مانزل**" (**حجة اللہ البالغه، الجزء الثاني**" ص ۱۰۶)

مطلب یہ ہے کہ سود کی حرمت کی وجہ دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کی وجہ سے باہمی نزاعات پیدا ہوتے ہیں، دوسری یہ کہ سود کا آغاز کم مقدار سے ہوتا ہے، مگر اس کی انتہا کثیر پر ہوتی ہے، سود در سود کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اسی لیے شریعت اسلامیہ نے بالکلیہ اس کا دروازہ بند کر دیا۔

ربوالفضل یعنی سود کی قسم ثانی کی حرمت میں راز کیا ہے اس کی تفصیل سے ذکر

کرتے ہوئے شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ان تمام تفصیلات سے واضح ہوا کہ ربائے حقیقی کا دروازہ مکمل طور سے بند نہیں ہوسکتا جب تک کہ ربا الفضل یعنی خرید وفروخت کے معاملات میں جو ربا ہوتا ہے اس پر پابندی عائد نہ کی جائے کیوں کہ اس قسم کے سود سے ربائے حقیقی کی ذہنیت کو بڑھاوا مل سکتا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کی ربائے حقیقی کی طرف جانے کے یہ سب راستے تھے، اس لیے شارع حکیم نے ان سب کو سختی کے ساتھ ممنوع قرار دیا، کیوں کہ شریعت اسلامی کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کو حرام کیا جاتا ہے تو اس کی طرف لے جانے والے تمام راستوں کو بھی ایک ایک کر کے بند کر دیا جاتا ہے، لیکن انسانی حاجت وضرورت کو پورا کرنے کی سبیلیں بھی نکالی جاتی ہیں، اور وہ سبیل اس مسئلہ میں یہی تھی کہ اگر کوئی عمدہ شئی ہو اور اسی کی جنس سے جو کم درجہ کی ہو مبادلہ کیا جائے تو اس گھٹیا چیز کو قیمتوں سے بدل لیا جائے تھوڑی سی زحمت ضرور اٹھانی پڑے گی لیکن شیطان کے داخل ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا''۔(مسائل سود، ص ۷۲)

امام اہل سنت حرمت سود کی علت کے بارے میں سوال کرنے پر ارشاد فرماتے ہیں:

''سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن و احادیث صحیہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کا قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ ہے کہ:

**''لا یسئل عما یفعل و هم یسئلون ان الحکم الا اللہ، له الحکم و الیه ترجعون، و ما کان لمو من و لا مؤ منته اذاقضی اللہ و ر سو له امر اان یکون لهم الخیر ة من امر هم و من یعص اللہ و ر سو له فقد ضل ضلا لا مبینا''** {ترجمہ} اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو، اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انہیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ و رسول کے حکم پر نہ چلے بے شک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔''

(فتاوی رضویہ، ۱۷/۳۵۹،۳۵۸)

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا "انما البیع مثل الربا" بے شک بیع سود کی مثل ہے، تم جو خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے اس کا جواب ارشاد فرمایا:

"واحل اللہ البیع وحرم الربا" {ترجمہ} اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو۔ حکم سب کو دیے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کے کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بے جا ہے، یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہیے، یوں ہونا چاہیے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چوں چرا کی مجال نہیں ہوتی، تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لیے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(فتووی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۵۹۳۵۸)

## امام اہلسنت اور سودی کاروبار کی تردید:

اس موضوع سے متعلق آپ کے فتاویٰ شریف میں متعدد شواہد موجود ہیں، فتاوی رضویہ قدیم کی ساتویں جلد اور جدید کی سترہویں جلد میں "باب الربو" کے تحت متعدد فتاویٰ اور ارشادات ہیں جن سے سودی کاروبار کارد بلیغ ہوتا ہے۔ اور سودی نظام پر کاری ضرب پڑتی ہے، امام اہل سنت نے سود کی قدیم صورتوں کے ساتھ جدید رائج صورتوں کی بھی زبر دست تردید فرمائی ہے، بہت ساری الجھی ہوئی صورتوں کا حل پیش فرمایا ہے۔، سود سے بچنے کے طریقے بتائے ہیں۔ اس کے نقائص وقبائح فرمائے ہیں۔ امت مسلمہ کو اس کے نقصانات سے آگاہ فرمائیہیں۔ ذیل میں کچھ خاص صورتوں سے متعلق امام اہل سنت کے چند فتاویٰ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جن سے سودی کاروبار کی تردید کے ساتھ فقہیات میں آپ کی شان امتیاز ظاہر ہوتی ہے۔

## حرمت سود پر سترہ احادیث:

امام اہل سنت کے پاس ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ میں ایک استفتا آیا، جس کا متن یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود

کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے، اور سود کا ایک روپیہ لینا اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔''

اس کے جواب میں امام اہل سنت ارشاد فرماتے ہیں:

**الجواب:** بے شک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

اس کے بعد آپ نے معجم اوسط للطبرانی، درمنثور، الترغیب والترہیب مجمع الزوائد، مسند امام احمد، کنز العمال، سنن ابن ماجہ، مصنف عبد الرزاق اور مستدرک للحاکم کے حوالے سے سترہ احادیث پیش فرمائی ہیں جن سے سود کی قباحت ظاہر ہوتی ہے۔

## بلا ضرورت شرعیہ سودی کاروبار حرام ہے:

شرعی اعتبار سے جو محتاج ہو اس کے لیے ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے تحت ضرورت بھر سودی لین دین جائز ہے، لیکن بلا ضرورت سودی کاروبار کرنا ناجائز و حرام ہے۔ ۲۷ رجب المرجب ۱۳۰۶ھ میں آپ سے سوال ہوا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے، اب چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے پس یہ امر مباح ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے، مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ ''الضرورات تبیع المحطورات'' اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔

اس کے بعد محتاج حقیقی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**اقول!** محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لیکر بنایا، یا سو، دوسو

کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ سوسودی نکلوا کر لگا دیے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ہذ القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ولہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقۂ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے، جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپئے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۷/ ۲۹۹)

## گورنمنٹ سے پرامیسری نوٹ پر سود لینے کا حکم:

امام اہل سنت کے عہد میں سودی کاروبار کی ایک صورت یہ بھی رائج تھی کہ لوگ حکومت سے ''پرامیسری نوٹ'' (ایک کاغذ جس میں کسی شخص کو دیے گئے قرض کی تفصیل درج ہوتی تھی) خریدتے تھے جس کا قاعدہ یہ تھا کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی تھی بلکہ ساڑھے چار روپئے فیصدی سالانہ سود دیا کرتی تھی، نوٹ لینے والا اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ سکتا تھا، اس کے بعد دوسرا خریدار گورنمنٹ سے سود حاصل کرنے کا مجاز ہوتا تھا، اس تعلق سے امام اہل سنت سے استفتا ہوتو آپ نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا:

''سود لینا حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے، جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا، ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق، نہ بہ نیت ربٰو وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے، اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے۔'' وہذا مسئلۃ جلیلۃ دقیقۃ لا یتنبہ الا بتوفیق اللہ تعالیٰ۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۷/۳۰۷)

## کفار کے خزانے میں جمع شدہ رقم پر سود کا حکم:

امام اہل سنت سے سوال ہوا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟''

آپ نے جواب عنایت فرمایا:

سود لینا قطعا حرام ہے اللہ عز وجل نے مطلقاً فرمایا:

**"واحل اللہ البیع وحرم الربا"** {ترجمہ{اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا،اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہوخواہ مسلم سے۔ہاں اپنا کسی پر آتا ہویا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے۔

## بینک سے سود لینے کا حکم ہے:

عصر حاضر میں یہ مسئلہ بہت حساس ہے کہ بینک سے جو انٹریسٹ (سود) ملتا ہے وہ جائز ہے یا نا جائز،بہت سارے علماء نے اس کے عدم جواز کا فتوی دیا ہے،امام اہل سنت کا بھی یہی فتوی ہے،چنانچہ آپ سے سوال ہوا کہ بینک سے سود لینا جائز یا نا جائز؟

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''سود لینا مطلقا حرام ہے،قال اللہ تعالی: وحرم الربوا۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ایک اشکال اور اس کا جواب:

مذکورہ فتویٰ سے ظاہر ہے کہ امام اہل سنت کے نزدیک بینک سے سود لینا نا جائز و حرام ہے،مگر ایک دوسرے فتویٰ سے ظاہر ہے کہ بینک سے ملنے والا انٹرسٹ حرام نہیں ہے چنانچہ آپ سے سوال ہوا:

''کسی بینک میں روپیہ جمع کر کے اس سے سود وصول کرنا بموجب اس کی شرح کے جا ئز ہے یا نہیں ،یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاک خانے میں جمع کر کے اس سے سود لے سکتا ہے یا نہیں؟''

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سود مطلقاً حرام ہے،مسلمان سے ہو یا کافر سے،بینک سے ہو یا تاجر سے''

مزید آگے فرماتے ہیں:

''ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے،جو واقع میں سود نہ ہو،اگرچہ دینے والا اسے سود سمجھ کر دیوے مثلاً کسی کافر کے پاس کوٹھی یا بینک میں (بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شر

یک نہ ہو) روپیہ جمع کر دیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے مطابق دیا اسے اپنے روپئے کا نفع اور سود خیال کر کے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر کے لیا کہ یہ مال مباح ہے بہ رضائے مالک ملتا ہے تو اس میں حرج نہیں" (مسائل سود ص ۹۹)

اس فتوی سے ظاہر ہے کہ بینک یا ڈاکخانے سے ملنے والی زائد رقم جسے انٹرسٹ کہتے ہیں اس کا لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ کافر حربی کا بینک ہو، اب دونوں طرح کے فتوؤں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کی کیا صورت ہے؟ اس سلسلہ میں محقق بے بدل، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یہیں سے یہ پیچیدگی بھی حل ہوگئی کہ آپ کے کچھ فتاوے میں جو یہ موجود ہے کہ بینک سے سود لینا حرام ہے یا آپ کے ارشادات عالیہ میں جو یہ پایا جاتا ہے کہ ہندوؤں سے سود لینا حرام ہے وہ اس نکتے کے پیش نظر تھا کہ ایک امر مباح کو حرام جان کر لینا چونکہ ناجائز تھا اور استفسار کرنے والے نے اس کو سود کے لفظ سے تعبیر کیا تھا اس لئے آپ نے اپنی پہلی قسم کے فتاویٰ میں اس کو حرام بتایا تھا، اور آپ کا یہ ارشاد بجا تھا اور جب آپ سے یہ دریافت کیا گیا کہ کافروں کو قرض دے کر ان سے زائد رقم لینا سود ہے کہ نہیں؟ یا بینکوں سے زائد رقم لینا سود کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے دوسری قسم کے فتاویٰ میں اس بات کو کھول کر بتایا کہ کافروں کا مال لینا چونکہ مباح ہوا کرتا ہے جب کہ وہ ذمی یا مستامن نہ ہوں اس لیے اس کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، بشرطیکہ اپنی عزت وآبرو محفوظ رہے اور اس کی رضا سے لے رہا ہو، اس سے کوئی غدر یا عہد شکنی نہ ہو رہی ہو، کیونکہ یہ مال سود نہیں ہے جس کی مذمت اسلامی شریعت میں بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہے اور جس کی قباحت کا بیان نہایت موثر اور بلیغ انداز میں ہوا ہے، یہیں سے یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ جو جائز ہوگا وہ سود نہیں ہوگا اور جو سود ہوگا وہ جائز نہیں ہو گا۔

(مسائل سود ص ۱۰۶)

## زیورات کو گروی رکھنے کا حکم:

امام اہلسنت سے سوال ہوا: "ہندو سے قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟"

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''سود جس طرح لینا حرام ہے یوں ہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی ،زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا،اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لئے مانگ لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔( فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۲۷)

## ایک سودی اسکیم کا حکم:

امام اہل سنت کے دور میں لندن واچ کمپنی جولکھنؤ میں واقع تھی اس کی طرف سے ایک اسکیم نکالی گئی تھی،جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص ایک روپیہ خرچ کر کے ایک کوپن خریدتا تھا،اس کوپن کے ساتھ اسے پانچ کوپن اور ملتے تھے جنہیں پانچ لوگوں کوفروخت کر کے حاصل شدہ رقم کمپنی میں جمع کرنا پڑتا تھا،کمپنی بطور انعام اسے تیس روپئے کی مالیت کی سونے کی گھڑی دیتی تھی اس سلسلے میں آپ سے سوال ہوا کہ یہ صورت جائز ہے یہ ناجائز؟

آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

'' معاملہ مذکورہ محض حرام وقمار، ہزار محرمات بے شمار کا تو وہ انبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ نہ پیدا کنار،طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے۔

اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش وٹکٹ خراں ہرگز بیع وشراوغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں ، بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید وفروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شئی کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد،اور وعدہ وعقد میں زمین وآسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ سند تو خود مع ٹکٹ واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں ،علماء نے ''**صبی لا یعقل البیع و الشراء**''( وہ بچہ جو بیع وشرا کی سمجھ نہیں رکھتا ) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے ''**فیعلم انہ لا یعرف معنی المبادلۃ و ما البیع الا مبادلۃ**''( پس معلوم

ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتا دیا کہ یہ مبیع نہیں ایک اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچۂ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجر بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے، بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنے والے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے در پے آیا کریں گے، نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کریں گے، انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ، تو یہ نقد بلا معاوضہ ہے، اب وہ نو گرفتار پانچ میں، ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا، یوں ہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے، پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا، گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں، اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا، جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صدہا مفت بچ رہے، بہرحال اپنا احمق کہیں نہیں گیا، تاجر کے تو یہ منصوبے تھے، ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملنے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں، یہاں نری طمع تھی، اب کہ روپیہ بھیج چکے، مارے جانے کا خوف بھی عارض ہو گیا اور ہر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں، اپنا روپیہ ہرا ہو، دوسرے سوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یوں ہی یہ امید وبیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دو چار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے، آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ:

"**یا ایھا الذین امنو الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل**" {ترجمہ{اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔

یہی غرر وخطر وضرار وضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے، جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے، یہ معاملہ چٹھی سے بدر جہاد بدتر ہے، وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار و گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کے لیے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا، تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار وغش سب کچھ ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۳۰ و ۳۳۱)

**اصلاح حال کے لیے سود لینے کا حکم:** امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب میں ارشاد فرمایا:

''سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں، **''قال اللہ تعالیٰ و حرم الربوٰ''** {ترجمہ{اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا، حدیث صحیح میں ہے:

**''لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکل الربوٰ و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدہ و قال ھم سواء''** {ترجمہ{رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہو گی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

**''یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقٰت''** {ترجمہ} اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد　　　　کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

{اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کر دیا}

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی وخسران ہے، سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انہیں آپ سے

سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں، اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی، تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں، ہزار کا مال دوڈھائی سو میں بہہ جاتا ہے، کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں، جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاویٰ اور بہت کا ہمارے رسالۂ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے، مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا، اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کا ہو قطعاً حرام واستحقاق نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہو جائے تو بلا شبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔
(فتاویٰ رضویہ ۱۷/۳۳۶)

## تجارت میں ترقی کے لیے سودی لین دین کا حکم:

اما اہل سنت سے عبد اللہ احمد سوداگر نامی ایک شخص نے سوال کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ حالات میں بغیر سودی دین کے تجارت کرنی بہت مشکل ہے، اس کے بغیر تجارت میں نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے، تو کیا موجودہ حالت میں سودی لین دین میں کوئی گنجائش ہے؟

جواب میں امام اہل سنت نے فرمایا:

''سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

**''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربو''** {ترجمہ} محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔

ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہیے، مگر حرام وناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہ سود ہے، مثلاً ان گیہوؤں کی روٹی جو اس

نے سود میں لیے تھے، یا سود کے روپئے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد ونقد جمع ہو گئے، یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

"في الهندية عن الذخيرة عن محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حرامابعيه" {

ترجمہ{ فتاویٰ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہٖ کسی شئے کا حرام ہونا معلوم نہ ہو جائے۔

تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے، وہ تو بے شک شرع مطہر نے ہمیشہ کے لئے بند کئے ہیں، جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طرق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے اے مسکین! تجھے کل کا دن سنوارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کی حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا (القرآن)

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرما دیا ہے:

**لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى**" { ترجمہ{ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیاوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں وعورتوں کے برتنے کو دی تا کہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

شیرز کی خرید وفروخت کا حکم: امام اہل سنت سے سوال ہوا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانا ٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر

کے اس کے حصص فروخت کیے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کیے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں، ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے، حصہ دار ان اپنے حصہ کو بھاؤ سے فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور ہے یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شئی طلب کرے تو کمپنی والے وہ شئی اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنا عند الشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکاۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ بینوا توجروا

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربٰو اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے، پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے، حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اسکے کمپنی میں جمع ہیں یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربٰو میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکاۃ لازم آئے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۶۲)

## بیمہ میں پیسہ لگانے کا حکم:

جیون بیمہ کے تعارف کے لیے شیخ القرآن علیہ الرحمہ کی یہ دلچسپ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

"عصر حاضر میں سودی کاروبار کے پھیلاؤ کے لیے سرمایہ پرستوں اور حکومتوں نے نئی نئی اسکیمیں تیار کیں بلکہ نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔ ان میں سب سے ہمہ گیر طریقہ بیمہ کمپنیوں کا قیام ہے، یہ کمپنیاں اپنے اپنے دلالوں اور ایجنٹوں کو بہت اچھے انداز میں ٹریننگ دے کر بھیجتی ہیں، یہ دلال انتہائی چرب زبان، بڑے سخن فروش، شیریں کلام ہوتے ہیں اور اور اپنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں، ان کی سخن سازیوں کے جال میں بڑے سے بڑا دانشمند و دانشور اور انتہائی دیندار و متقی و پرہیز گار پھنس جاتا ہے، یہ مندروں کے پجاریوں، مہنتوں اور کلیساؤں کے راہبوں تک پہنچ جاتے ہیں، ان کی رسائی مساجد کے اماموں اور خانقاہوں کے مشائخ تک ہوتی ہے، یہ اپنی دل موہنی باتوں سے مملکت کے وزراء کو متاثر کرتے اور غریبوں کی جھوپڑیوں میں پہنچ کر ان بیچاروں کو بھی پھنسا لیتے ہیں اور یہ ایسے انوکھے اور نرالے انداز میں اپنی کمپنی کی پالیسیوں کو بیان کرتے ہیں کہ سننے والا نہ صرف حیرت زدہ رہتا ہے بلکہ اس کو آہستہ آہستہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارے بچوں کے شاندار مستقبل کے لیے ان کے خزانے میں بہت سا سرمایہ ہمارے انتظار میں تڑپ رہا ہے، بس ہم کو تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس طرح لاٹری وغیرہ جوئے کی جدید شکل ہیں ٹھیک اسی طرح بیمہ کا کاروبار بھی دولت کے سمیٹنے اور سودی کاروبار میں صرف کرنے کی ایک بدترین اسکیم ہے، اس میں جوا بھی ہے اور سود بھی، اس میں بھی دولت ضائع ہوتی ہے اور دوسروں کو سودی کاروبار پر ابھارا جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے تمام قواعد وضوابط کا جائزہ لیا جائے اور صرف اسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے کہ بڑے نازک وقت پر اس سے فائدہ پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس میں مال ضائع بھی ہوتا ہے۔

بیمہ کمپنیوں کی "ولادت منحوسہ" کا زمانہ بہت قدیم نہیں ہے تاہم اس کا قیام انگریزوں کے عہد حکومت میں ہندوستان میں ہو گیا تھا اور اس کی مختلف پالیسیوں کا رواج بھی تھا

لیکن آزادی ہند کے بعد جس تیزی کے ساتھ اس کا پھیلاؤ ہوا ہے اس وقت نہیں ہوا تھا اب ہر گھر گاؤں گاؤں بیمہ کمپنی کے دلال پہنچ رہے ہیں اس لئے اس کی تنقیح ضروری ہے کہ جیون بیمہ کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ (مسائل سود ص ۱۱۲ تا ۱۱۴)

جیون بیمہ کے بارے میں امام اہل سنت سے سوال ہوا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زندگی کا بیمہ کرانا شرعاً جائزہ ہے یا حرام ،صورت اس کی یہ ہے کہ جو شخص بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاجاتا ہے کہ پچپن سال یا ساٹھ سال یا پچاس سال کی عمر تک دو ہزار روپے، چار روپے یا پانچ روپے ماہوار کے اعتبار سے تنخواہ سے وضع ہوتے رہیں گے، اگر وہ شخص پچپن سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور معیاد مقرر کے اندر مر گیا تو اس کے ورثہ کو دو ہزار روپیہ ایک مشت ملے گا خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری آنے کے بعد فوراً ہی مر جائے اور اگر میعاد مقرر تک زندہ رہا تو بھی اس کو دو ہزار روپیہ ملے گا، یہ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

'' جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر یہ شرط ہے کہ اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی عائد نہ ہوتی ہو جیسے روزہ و حج کی ممانعت، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مسائل سود ص ۱۱۵ و ۱۱۶)

فتاویٰ رضویہ میں جیون بیمہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہذا اجازت نہیں '' **كما حقق المحقق على الا طلاق في فتح القدير**''۔ { ترجمہ } جیسا کہ محقق علی الا طلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۶۵)

## جی پی ایف کا حکم:

سرکاری محکمہ میں ملازمت کرنے والوں کی تنخواہ سے ایک متعینہ مقدار میں حکومت کٹوتی کرتی ہے، جوان کے جی پی ایف کھاتے میں جمع ہوتا ہے، پھر ریٹائرمنٹ پر کچھ رقم اپنی طرف سے بڑھا کر ملازمین کو واپس کر دیتی ہے، بیچ میں بطور لون اس رقم کو نکلوانے کی سہولت بھی ملتی ہے، جسے بعد میں جمع کرنا پڑتا ہے، اسے انگریزی میں جی پی ایف کہتے ہیں اس تعلق سے امام اہل سنت سے سوال ہوا:

''فدوی ریلوے میں بعہدہ پسنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے، ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے، لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیو بند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا، وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتویٰ ہم لوگوں کے واسطے قابل وثوق نہیں ہے، لہذا حضور کی خد مت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔''

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم و کافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے: ''**حرام الربو**'' {ترجمہ} اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ تو اسے سود قرار دے کر لینا جا ئز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کو ئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح، بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے، یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لا ئے چاہے کار خیر میں لگائے ''**کما حققناہ فی فتاوانا**'' جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۴۹)

## کوآپریٹو بینک کے سودی کاروبار کا حکم:

امام اہل سنت سے ایک بینک کے بارے میں سوال ہوا جسے مسلمانوں نے قائم کیا تھا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

''ایک بینک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ پہلی قسط بعد وہ دس روپئے سالانہ داخل کرتا جائے، بعد دس

سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فیصدی فی ماہ بارہ کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب بارہ سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے، قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بینک غریب مسلمانوں کے لیے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا، یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا، ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپئے کا سود نہ لوں گا، مجھ پر حرام ہے، ضرورت کے وقت سود دیا گیا، چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے، ایسا دینا بھی تو حرام ہے، جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت، لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔"

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"وہ بینک حرام ہے اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

**"لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاھدہ و قال ھم سوء"** {ترجمہ{رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

تو امام مذکور کا اس بینک کی ممبری قبول کرنا گناہ حرام ہوا۔

**"قال اللہ تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"** {ترجمہ{اللہ تعالیٰ فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔

حدیث میں ہے:

**"من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام"** {ترجمہ} جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے، ولہذا کاتب پر بھی پر لعنت فرمائی، تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لیے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدر جہازائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام اور اعلانیہ فسق و استکبار ہے اور فاسق معلن کے

پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم۔سودی کاروبار سے متعلق امام اہل سنت کے یہ وہ نظریات ہیں جنہیں میں نے پیش کردیا، یہ امام اہل سنت کے بحر علم کی ایک لہر ہے۔

☆☆☆

# امام احمد رضا کا نظریہ ابطال سود

محمد طاہر نثار (ایم۔اے معاشیات، جامعہ پنجاب، لاہور)

لکھنو سے سید عزیز الرحمن نامی ایک شخص نے ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ کو امام احمد رضا سے ایک سوال پوچھا ''رِبا'' کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ''رِبا'' کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی ایام جاہلیت میں جو رِبا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا لوگ ایک دوسرے سے معیاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور معیاد گزر جانے پر مدیون (Borrower) راس المال (Principal) پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی دونوں میں معاہدہ ہوجاتا تھا۔اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کر کے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جیسے بینک یا لائف انشورنس کمپنی (Life insurence company) یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں۔ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ درحقیقت سود نہیں بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلحاظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقع ہوتا اور قرآن مجید میں کہیں منقع نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوئی ہے اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منقع کر کے لے لیا کرے خصوصا اس زمانے میں کہ جب کہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکاء کی جانب سے ڈائریکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب و کتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور Reserve fund کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان شرکاء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس (save) کرنے ریزرو فنڈ (Reserve fund) کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ایسے کاروبار میں داخل

کرنے کو قرض کہا جاتا ہے علاوہ اس کے ''رِبا'' کی حرمت کی جو علت آیت کریمہ **لا تظلمون ولا تظلمون** میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی ضرورت ہے کہ علماء کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تا کہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

**الجواب**: یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں کام لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض ''شرکت'' دیتا ہے یا بطور ''ہبہ'' یا ''عاریت'' یا ''قرض''۔

صورت ''ہبہ'' تو یہاں بداھۃً نہیں اور ''شرکت'' کا بطلان **اظہر من الشمس**

''شرکت'' ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین ''تعداد زر'' مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ اسی قدر نفع ہو تو کلی نفع کا یہی مالک ہو گیا دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو رنج میں شرکت کب ہوئی۔

جوہرہ نیرہ و تنویر الابصار میں ہے ''**الشرکۃ عبارۃ من عقد بین المشارکین فی الاصل والرحج**'' ترجمہ۔ شرکت اس عقد کا نام ہے جو دو شریکوں کے درمیان اصل اور نفع میں ہو تنویر و شرح مدقق علائی درمختار میں ہے ''**شرطھا ای شرکۃ العقد علم یقطعھا کشرط دراھم مسماۃ من الرحج لا حلھما لا نقد لا یربح غیر المسمی و حکمھا الشرکتد فی الربع**'' اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کے لئے دس روپے نفع کے لینے ٹھرے اور اس سال ایک ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے شرکت کا مقتضی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کے قدر پڑے ردالمختار میں ہے۔

**ثم یقول فما کان من ربح فھو ینھما علی قن رئوس اموالھا وما کان من و ضیغتد تبعتد فکد الک ولا خلاف ان اشتراط الوضیعتد بخلاف قدراس المال باطل و اشتراط الربح فیما سیذکر۔**

یہاں اگر نقصان ہوا جب ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی اور وہ اپنے ہزار لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب اصل مقتضاء شرکت ''عدل و مساوات'' ہے یہی وہ

نقطہ ہے جس کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہے کہ ''سود کا قیام عدل میں رکاوٹ ہونا'' ظاہر کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ نے کس خوبصورت اور آسان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ جو کہ نہ صرف معاشیات کے طالب علموں لے لئے سود کے مضمرات کو سمجھنے میں مددگار ہوگا بلکہ ان افراد کے لئے بھی جو کہ سود کو عامل پیدائش کا معاوضی گردانتے ہیں اور اس کے بغیر پیداواری عمل کو ناممکن ایسے کاروباری ضروریات کے لئے ضروری سمجھتےہیں ۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے تو فتاویٰ رضویہ کی جلد ۷ ص ۱۱۶ دیکھیں لیکن احقر اس عددی مظہر کو جدول میں ظاہر کرنے کی کوشش کررہا ہے تاکہ معاشیات کے طالب علموں کے ساتھ ساتھ دوسرے قارئین کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہو۔

فرض کریں کسی کاروبار میں ایک سو حصہ دار ہیں اور وہ فی کس منافع تقسیم کرنے کے لئے ایک ہزار(۱۰۰۰) روپیہ (Fixed) درکار ہوگا لیکن اگر کاروباری اتار چڑھاؤ (Fluctuation) کچھ ایسے ہوں تو معینہ منافع نقصان کو ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً (**نوٹ**: جدول نمبر 1 ملاحظہ فرمائیں۔)

اگر سرمایہ دار، بینک کا حصہ ان سب حصہ داروں کے سرمایہ سے دوگنا ہو یعنی ۲۰۰۰ روپیہ اور حصہ داروں کا سرمایہ بدستور وہی ہو۔ (**نوٹ**: جدول نمبر 2 ملاحظہ فرمائیں۔)

اگر ۱۰۰ افراد سو سو روپیہ جمع کر کے ۱۰۰۰۰ روپیہ سے تجارت شروع کریں اور شرح منافع ۱۰ روپیہ فی کس مقرر کرلیں تو۔ (**نوٹ**: جدول نمبر 3 ملاحظہ فرمائیں۔)

مندرجہ بالا جدول نمبر ۱ میں پہلا کالم کل سرمایہ (K=Capital) کا ہے جو کہ تبدیل نہیں ہوتا یہاں کل سرمایہ ۱۰۰۰ روپیہ ہے جو کہ سو حصہ داروں کا ہے ہر حصہ دار نے دس روپیہ جمع کروائے ہیں منافع کی تقسیم ۱۰ روپے فی کس رکھی گئی ہے پہلے سال ۱۰۰۰ روپیہ منافع ہوتا ہے جو کہ حصہ داروں میں برابر برابر یعنی ۱۰ روپے فی کس تقسیم کردیا جاتا ہے دوسرے سال منافع ہوتا ہی نہیں یعنی کچھ حاصل نہیں ہوتا تو ایسے حالات چونکہ حصہ داروں میں دس روپیہ فی کس معین (Fixed) ہیں اور وہ ہر حال میں انہیں ادا کرنے ہوں گے اب یہ ۱۰۰۰ روپیہ جو کہ واجب الادا ہیں کہاں سے ادا ہوں گے؟ یہ بھی ایک عدم مساوات ۔

اب اگر ہم کینز کا نظریہ سود دیکھیں کہ معاشی اعتبار سے سود کس طرح نقصان دہ

ثابت ہوتا ہے کینز کے مطابق سرمایہ کا انحصار ایک طرف شرح سود پر ہے اور دوسرے طرف سرمائے کی مختتم استعداد پر یعنی (M.E.C) سرمائے کی مختتم استعداد سے مراد متوقع شرح آمدنی یا متوقع شرح منافع (Expected rate of return) ہے جو کسی سرمایہ کاری کے منصوبے سے حاصل ہوتی ہے (نظریہ عمومی روزگار از کینز' لارڈ) جب کہ سرمائے کی مختتم استعداد (M.E.C) سرمایہ کاری میں اضافے کے ساتھ ساتھ گرتی جاتی ہے تو سرمایہ کاری کا تعین اسی معیاد پر ہوگا جہاں سرمائے کی مختتم استعداد مروجہ شرح سود کے برابر ہو جائے اگر شرح سود کم ہوگی تو سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا اور اگر شرح سود بڑھے گی تو سرمایہ کاری میں کمی ہوگی اس کی وضاحت ایسے کی جاسکتی ہے۔

| سرمایہ کاری کا حجم | سرمایہ کی مختتم استعداد | شرح سود |
|---|---|---|
| 10 کروڑ | 20% | 12% |
| 20 کروڑ | 16% | 12% |
| 30 کروڑ | 12% | 12% |
| 40 کروڑ | 8% | 12% |

گوشوارے سے ظاہر ہے کہ جوں جوں سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے سرمائے کی مختتم استعداد کم ہوتی جاتی ہے اگر شرح سود کو ۱۲ فیصد فرض کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ملک میں ۳۰ کروڑ روپے تک کی سرمایہ کاری ہوگی کیونکہ سرمایہ کاری کے اس معیاد پر سرمایہ کی مختتم استعداد اور شرح سود دونوں برابر ہیں اگر شرح سود کم ہوکر ۸ فیصد ہو جائے تو سرمایہ کاری کا حجم بڑھ کر ۴۰ کروڑ روپے ہو جائے گا اور اگر اس کے برعکس شرح سود بڑھ کر ۱۶ ہو جائے تو سرمایہ کاری کم ہوکر ۲۰ کروڑ روپے رہ جائے گی گویا ۱۲ فیصد شرح سود کے بعد سرمایہ کاری کا بڑھنے کا عمل رک جاتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں سرمایہ کاری صرف اسی وقت ممکن ہے جب سرمایہ کاری کی مختتم استعداد کے ساتھ ساتھ شرح سود بھی کم ہو تو ملک میں سرمایہ کاری کا عمل کامل روزگار Employment Full کے حصول تک جاری رہ سکتا ہے۔

گویا کینز نے سود اور سرمایہ کاری کے تقلیلی تفاعل (Decreasing function) پر زور دیا ہے کہ جب جدید معاشین (Economists) کے خیال میں سرمایہ

کاری صرف شرح سود سے متاثر نہیں بلکہ اور بھی عوامل ہیں جو کہ اس پر اثر انداز ہوتے ہیں ان ماہرین کے مطابق کاروباری لوگوں کی توقعات‘فنون پیدائش یا طریقہ کار پیدائش کی ترقی‘جدت و اختراعات لوگوں کی آمدنیوں کا معیار‘اور مالیاتی پالیسی (Fiscal policy)شامل ہے۔اگر لوگوں کی توقعات منافع زیادہ ہوں تو وہ سرمایہ کاری کا حجم بڑھا دیتے ہیں اور توقعات کم ہونے کی صورت میں سرمایہ کاری کم کردیتے ہیں اسی طرح پیدائش کے جدید طریقے سے بھی سرمایہ کاری کو بڑھاتے ہیں نیز حکومت کی مالیاتی پالیسی بھی سرمایہ کاری پر اثر انداز ہوتی ہیاگر حکومت ٹیکس بڑھا دے تو سرمایہ کاری میں کمی آسکتی ہے اور اگر ٹیکس کم ہوں تو سرمایہ کاری بڑھ جاتی ہے جدید ماہرین معاشیات کینز کے نظریہ سے اپنے مشاہداتی مطالعہ کی بناء اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔

سرمایہ کاری پر شرح سود کے اثر انداز نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صنعتی ممالک میں زیادہ تر صنعتی ادارے مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کی شکل میں ہیں اور ان کے اپنے وسائل اس قدر ہیں کہ وہ دیگر ذرائع سے ادھار لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ان کی اپنی کاروباری بچتیں(Corporate savings)اس قدر ہوتی ہیں کہ وہ انہیں دوبارہ کاروبار یعنی سرمایہ کاری میں لگاتے رہتے ہیں لہٰذا انہیں سرمایہ کاری کے لئے قرض کی ضرورت نہیں اس لئے ان کے نزدیک سود کے (Implicit interest cost) کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی۔

آج کل جدت و اختراعات (Inventions and innovations) کی بدولت ایک مشین جلدی دقیانوسی (Out-dated) ہوجاتی ہے اس لئے سرمایہ کار اپنی سرمایہ کاری کی رقوم کو جلد پورا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں لہٰذا ان کے اس رجحان سے سرمایہ کاری پر شرح سود کوئی اثر نہیں ڈالتی بلکہ وہ نئی نئی ایجادات کی وجہ سے حالف رہتے ہیں۔

امریکی ماہر معاشیات اے۔ایچ۔**ہینسن** (A-H-Hanson) کے خیال میں سرمایہ کاری کی طلب کا خط سود کی پست شرحوں کے تحت تو نسبتاً بلحاظ سود غیر لچکدار ہوتا ہے جب کہ سود کی بلند شرحوں پر کافی لچکدار بلحاظ سود ہوتا ہے۔

(بحوالہ معاشیات کی درسی کتاب برائے ڈگری کلاسیز رہبر معاشیات)

اب اگر مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ کو دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ زیادہ منافع ہونے کی صورت میں اگر معینہ منافع (Fixed profit) یعنی سود کو ہی حصہ داران میں تقسیم کیا جائے تو اس سے نہ صرف (Aggregate Demand) یعنی مجموعی طلب میں کمی ہوتی ہے بلکہ ان کی بچت میں بھی کمی آتی ہے کیونکہ کم آمدنی کی صورت میں بچت بھی کم ہوتی ہے اور مجموعی طلب میں کمی کا نتیجہ بے روزگاری وغیرہ یعنی سرد بازاری کی صورت میں نکلتا ہے جب کہ مجموعی بچت (Saving) میں کمی آنے سے قومی آمدنی (Y) میں کمی آتی ہے کیونکہ یہی بچت (Saving) بعد میں سرمایہ کاری (Investment) میں استعمال ہوتی ہیں اس طرح دونوں پہلوؤں سے مجموعی نقصان ہوتا ہے جو کہ اثر ضارب (Multiplier Effect) کے تحت کئی گناہ زیادہ ہوسکتا ہے۔

لہٰذا مولانا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ کا سودی منافع (Fixed Profit) کو لوٹ و غصب قرار دینا (Macro economic theory) کلی معاشی نظریہ کی رو سے درست ہے کیونکہ یہ قومی آمدنی میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

لہٰذا مولانا کا نظریہ کینز کے نظریہ سے کہیں بہتر ہے کیونکہ اس میں ترقی پزیر یا ترقی یافتہ ممالک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک فطری (اسلامی) معاشیاتی اصول بیان کیا گیا ہے جس کا اطلاق آفاقی ہے۔

(جدول نمبر 1)

| K= Capital | Partners | Fixed p Rs | R= Revenue | p*Liable Profit | Profit = Revenue-p * |
|---|---|---|---|---|---|
| 1000 | 100 | 10 | 1000 | 1000 | 0 |
| 1000 | 100 | 10 | ------ | 1000 | - 1000 |

(جدول نمبر 2)

| Capital | Partners | p | R | p* | | Bank's Profit |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 3000 | 1 +100=101 | 10 | 1500 | 1000 | 1000 | 500 |
| 3000 | 1+100=101 | 10 | 5000 | 1000 | 1000 | 4000 |

(جدول نمبر 3)

| K | Partners | p | R | p* | |
|---|---|---|---|---|---|
| 10,000 | 100 | 10 | 500 | 1000 | 500 |
| 10,000 | 100 | 10 | 2000 | 1000 | 1000 p ** |

K = Capital p = Profit Fixed p*= Liable غیر معمولی منافع

Profit p* =

# خیار رؤیت......خیار عیب...... خیار شرط کا خلاصہ
# (فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں)

مولانا رضوان احمد ساحل برکاتی

{خطیب وامام جناتی مسجد، حاجی پاڑہ، سیالدہ (9433255209)}

فقہ اسلامی قدرت کا وہ عظیم عطیہ ہے جس میں ہر طرح کے نظام پر مدلل بحث کی گئی ہے خواہ وہ معاشرتی وتمدنی نظام ہو یا پھر خاندانی و عائلی دستور۔ عبادات سے متعلق احکام ہوں۔ مثلاً، نماز، روزے، حج وزکوٰۃ یا دیگر معاملات واخلاق وکردار کا پاکیزہ بیان۔ ہر ایک مضمون پر شرح و بسط کے ساتھ مفصل قانون موجود ہے۔ بالخصوص کاروبار یعنی تجارت وخرید وفروخت کے مسائل پر بھی سیر حاصل مواد موجود ہے۔ تاکہ مسلمان بیع وشرأ کے اصول سے واقف ہو کر شرعی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے بیع کو تمام وکمال نافذ کریں۔ زیر بحث تحریر بیع کے مندرجہ بالا زاویئے کو اجاگر کرنے کیلئے ہی معرض وجود میں لائی گئی ہے جس پر عمومی طور پہ توجہ نہیں دی جاتی اسی لئے حضور محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت سے استفادہ کرتے ہوئے خرید وفرخت کے چند مذکورہ مسائل کا خلاصہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم قدیم غیر مترجم سے پیش کیا جارہا ہے، مندرجہ بالا عنوان آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ بیع کی صورت کیا کیا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ذکر کردہ عنوان، خیار رؤیت، خیار عیب، خیار شرط کا مفہوم کیا ہوتا ہے اور عوام الناس کیلئے اس جہت کو آسان کرنے کیلئے ہم نے بہار شریعت جلد دوم قدیم کے اول حصہ سے استفادہ کیا ہے تاکہ پوری وضاحت سامنے آجائے اور آپ بحیثیت مسلمان فقہ حنفی کی روشنی میں، خرید وفروخت کو انجام دینے کا حق ادا کریں۔

اس سے قبل کہ بیع وشرأ کے مذکورہ اقسام اور اس کی صورتوں کو اجمالاً ذکر کیا جائے یہ بتانا ضروری ہے کہ خرید وفروخت شرعی اعتبار سے کب معتبر ہوتی ہے اور بیع وشرأ کے بنیادی ارکان کیا ہیں جو اس باب میں سب سے اہم ہیں۔ ان کا سمجھنا اور بیع وشرأ کے معاملے میں ان کی رعایت کرنا ایک مسلمان کے لئے انتہائی ضروری ہے تاکہ بیع باطل نہ ہو یا اس میں کوئی

نقص نہ رہ جائے۔ ان تمام امور کی آگاہی کے لئے محقق بے بدل، فقیہ بے مثال سیدی اعلیٰ حضرت کے فتاؤوں کا معرکۃ الآرا مجموعہ فتاویٰ رضویہ شریف میں درج شدہ ایک فتویٰ کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔بیع کے ارکان ایجاب وقبول ہیں جب تک یہ متحقق نہ ہوں بیع متحقق نہیں ہوتی۔جیسا کہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ شریف جلد ہفتم میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔اس کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔

زید نے کہا میں اپنا مکان بیچتا ہوں عمرو نے کہا میں خرید کروں گا بعدہٗ دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پاگئی زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے خرید کر لایا اس صورت میں شرعاً بیع تمام ہوگئی یا ناتمام رہی؟

ہر چند صورت مستفسرہ میں الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کیونکہ ''خرید کروں گا'' صیغۂ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار میں یوں ہے کہ بعد گفتگو کے مساومت وقرارداد قیمت بیعانہ دینا اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کر سکتا اگر چہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً اسی لئے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی گو عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو اونہیں کی موجب تمام بیع ہوگا۔

**فی الھدایہ والمعنی ھو المعتبر فی ھٰذہ العقود و لھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ۔** (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم قدیم ص ا)

## خیار رؤیت کی تفصیل حدیث پاک اور مسائل کی روشنی میں:

**خیار رؤیت کی تعریف:** کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دیکھے بھالے خرید لیتے ہیں اور دیکھنے کے بعد وہ چیز ناپسند ہوتی ہے ایسی حالت میں شرع مطہر نے مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر دیکھنے کے بعد چیز کو نہ لینا چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اس کو خیار رؤیت کہتے ہیں۔اس کے تعلق سے ایک حدیث شریف بھی ملاحظہ کریں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرمایا جس میں ایسی چیز خریدی جس نے دیکھا نہ ہو تو دیکھنے کے بعد اسے اختیار ہے لے یا چھوڑ دے۔

**خیار رؤیت کب تک ہے:** خیار رؤیت کیلئے کسی وقت کی تحدید (حد بندی) نہیں ہے کہ اس کے گزرنے کے بعد خیار باقی نہ رہے بلکہ یہ خیار دیکھنے پر ہے جب دیکھے اور دیکھنے کے بعد فسخ کا حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک صراحۃً یا دلالۃً رضا مندی نہ پائی جائے۔

(بہار شریعت جلد دوم ۱۱/رواں حصہ ص ۱۲۸/ ۱۲۹)

**خیار رؤیت کہاں کہاں ثابت ہوتا ہے:** خیار رؤیت چار مواقع میں ثابت ہوتا ہے۔

(۱) کسی شئ معین کی خریداری (۲) اجارہ (۳) تقسیم (۴) مال کا دعوی تھا اورشئ معین پر مصالحت ہوگئی۔ (ایضاً ص ۱۲۹)

خیار رؤیت کے سلسلے میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت ''ہدایہ شریف'' سے ایک جزئیہ نقل فرماتے ہیں کہ بیع ایجاب وقبول سے تمام ہو جاتی ہے اور جب بیع صحیح شرعی واقع ہو لے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے رضا مندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا رو انہیں نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہو چکا ٹوٹ سکتا ہے۔ بائع پر لازم ہے کہ مالِ فروخت شدہ تمام و کمال خریدار کو دے۔ **اذاحصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحدمنهما الا من عیب وعدم رویة۔** اعلیٰ حضرت نے اس دلیل شافی سے واضح کیا کہ کسی عیب کی وجہ سے یا نہ دیکھنے کے سبب بیع فسخ ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ خیار کا حق دیکھنے کے بعد ہی ملتا ہے (فتاوی رضویہ جلد ہفتم قدیم ص ۳)

**خیار رؤیت اور خیار عیب کا حق کسے حاصل ہے:** ایک سوال کے جواب میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں کہ بیع اگر مرضِ موت میں نہیں تو بعدلزوم وتکمیل بائع اور اس کے ورثہ کوکسی طرح اختیار فسخ نہیں اور خیار رؤیت خاص مشتری کیلئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اسکی وجہ سے فسخ بیع کر سکے۔ پس خیار رؤیت مطلقاًاور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کیلئے خاص ہیں۔ **و من باع مالم یرہ فلاخیار له الخ**

اس جواب سے ظاہر ہوا کہ بائع کو عیب یا رؤیت کی بنا پر بیع توڑنے کا حق حاصل نہیں یہ حق صرف مشتری یعنی خریدار کو حاصل ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد ہفتم قدیم ص ۶)

## خیارعیب کی تفصیل:

**حدیث:** ابن ماجہ راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے عیب والی چیز بیع کی اور اس کو ظاہر نہ کیا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں ہے یا فرمایا کہ ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

**حدیث:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور جب مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے جس میں عیب ہو تو جب تک بیان نہ کرے اسے بیچنا حلال نہیں (بہار شریعت ۱۱/واں حصہ،ص ۱۳۴)

**خیار عیب کی تعریف:** عرف شرع میں عیب جس کی وجہ سے مبیع کو واپس کر سکتے ہیں وہ ہے جس سے تاجروں کی نظر میں چیز کی قیمت کم ہوجائے۔

**مسئلہ:** مبیع میں عیب ہو تو اس کا ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے چھپانا حرام و گناہ کبیرہ ہے یوں ہی ثمن کا عیب مشتری پر ظاہر کر دینا واجب ہے اگر بغیر عیب ظاہر کئے چیز بیع کر دی تو معلوم ہونے کے بعد واپس کر سکتے ہیں اس کو خیار عیب کہتے ہیں خیار عیب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وقت عقد یہ کہہ دے کہ عیب ہوگا تو پھیر دیں گے کہا ہو یا نہ کہا ہو بہر حال عیب معلوم ہونے پر مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ (بہار شریعت:۱۱واں حصہ،ص:۱۳۵)

# عیب کی چند صورتیں ملاحظہ کریں جس کے پائے جانے سے بیع توڑنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے

(۱) لونڈی غلام کا مالک کے پاس سے بھاگنا عیب ہے۔

(۲) بیل وغیرہ جانور دو تین دفعہ بھاگے تو عیب نہیں اس سے زیادہ بھاگنا عیب ہے۔

(۳) جنون بھی عیب ہے اور بچپن اور جوانی دونوں میں اس کا سبب ایک ہی ہے۔ یعنی اگر بائع کے یہاں بچپن ہی میں پاگل ہوا تھا اور مشتری کییہاں جوانی میں تو واپس کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ کہ وہی عیب ہے دوسرا نہیں۔ جنون کی مقدار یہ ہے کہ ایک دن رات سے زیادہ پاگل رہے۔ اس سے کم میں عیب نہیں۔ (بہارشریعت :۱۱واں حصہ، ص: ۱۳۶)

(۴) گائے یا بکری نجاست خور ہے۔ اگر یہ اس کی عادت ہے عیب ہے اور اگر ہفتہ میں ایک دو بار ایسا ہوا تو عیب نہیں۔

(۵) گائے، بھینس، بکری دودھ نہیں دیتی یا اپنا دودھ خود پی جاتی یہ عیب ہے اور جانور کا کم کھانا بھی عیب ہے۔ (بہارشریعت:۱۱واں حصہ، ص:۱۳۸)

(۶) مکان یا زمین خریدی لوگ اسے منحوس سمجھتے ہیں واپس کرسکتا ہے کیونکہ اگر چہ اس قسم کے خیالات کا اعتبار نہیں مگر بیچنا چاہے گا تو اس کے لینے والے نہیں ملیں گے اور یہ ایک عیب ہے۔

(۷) پھل یا ترکاری کی ٹوکری خریدی اس میں نیچے گھاس بھری ہوئی نکلی واپس کرسکتا ہے۔

(۸) قرآن مجید یا کتاب خریدی اور اس کے اندر بعض جگہ الفاظ لکھنے سے رہ گئے ہیں واپس کرسکتا ہے۔ (بہارشریعت: ۱۱واں حصہ، ص:۱۳۹)

**خیار عیب کے شرائط:** خیار عیب کیلئے یہ شرط ہے کہ (۱) مبیع میں وہ عیب عقد بیع کے وقت موجود ہو یا بعد عقد مشتری کے قبضہ سے پہلے پیدا ہو لہٰذا مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد جو عیب پیدا ہوا اس کی وجہ سے خیار حاصل نہ ہوگا۔

(۲) مشتری نے قبضہ کرلیا ہو تو اس کے پاس بھی وہ عیب باقی رہے اگر یہاں وہ

عیب نہ رہا تو خیار حاصل نہ ہوگا۔

(۳) مشتری کو عقد یا قبضہ کے وقت عیب پر اطلاع نہ ہو۔

(۴) بائع نے عیب سے برأت نہ کی ہو۔

ان مذکورہ بالا شرطوں کی روشنی میں مشتری کے خیار کا حق چار صورتوں میں ظاہر ہو

ا۔ان شرطوں کی آسان تفصیل نیچے ملاحظہ کریں۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ جو چیز خریدی جائے اس میں عیب عقد بیع یعنی سودا طے ہونے کے وقت موجود ہو یا سودا طے ہونے کے بعد۔خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے اس میں عیب پیدا ہو۔اس صورت میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔

(۲) خریدار نے شئے خرید کو قبضہ کرلیا ہو تو اس کے پاس شئے خرید میں عیب باقی ہو۔ یہ صورت بھی خیار حاصل ہونے کی ہے۔

(۳) خریدار سودا کرتے وقت یا خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے کے وقت اس شئے خرید کے عیب پر مطلع نہ ہو۔

(۴) بیچنے والے نے مبیع کے اندر موجود عیب سے برأت ظاہر نہ کی ہو مطلب یہ کہ اس نے عیب کو بیان نہ کیا ہو اور عیب اس میں موجود ہے تو اس صورت میں بھی مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔(بہار شریعت ۱۱/واں حصہ ص ۱۳۵)

## خیار شرط:

**حدیث:** صحیح بخاری ومسلم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

بائع ومشتری میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہے جب تک جدا نہ ہوں (یعنی جب تک عقد میں مشغول

ہوں عقد تمام نہ ہوا ہو) مگر بیع خیار کہ اس میں بعد عقد بھی اختیار رہتا ہے۔

(بہار شریعت ۱۱/واں حصہ ص ۱۱۹)

**حدیث:** بیہقی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ارشاد فرمایا کہ خیار تین دن تک ہے ۔(ایضاً صفحہ ۱۲۰)

**خیار شرط کی تعریف:** بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں۔( فتاوی رضویہ جلد ہفتم قدیم ص ۵)

مزیداس کی وضاحت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں۔خواہ دونوں اپنے اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دن یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار رہوگا کہ بیع نامنظور کردے وہ فسخ ہوجائے گی اور مدت کردہ گذر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی۔( فتاوی رضویہ جلد ہفتم قدیم ص ۵)

## خیارشرط کہاں کہاں ہوسکتا ہے:

(۱) بیع (۲) اجارہ (۳) قسمت (۴) مال سے صلح (۵) کتابت

(۶) خلع میں جب کہ عورت کیلئے ہو (۷) مال پر غلام آزاد کرنے میں جب کہ غلام کیلئے ہو آقا کیلئے نہیں ہوسکتا۔

(۸) راہن کیلئے ہوسکتا ہے مرتہن کیلئے نہیں کیوں کہ یہ جب چاہے رہن کو چھوڑ سکتا ہے خیار کی کیا ضرورت۔

(۹) کفالت میں مکفول لہ اور کفیل کیلئے ہوسکتا ہے۔

(۱۰) ابرا میں ہوسکتا ہے مثلاً یہ کہا کہ میں نے تجھے بری کیا اور مجھے تین دن تک اختیار ہے۔

(۱۱) شفعہ کی تسلیم میں بعد طلب مواثبت خیار ہوسکتا ہے۔

(۱۲) حوالہ میں ہوسکتا ہے۔ (۱۳) مزارعت میں ہوسکتا ہے۔

(۱۴) معاملہ میں ہوسکتا ہے

## کہاں خیار نہیں ہوسکتا:

(۱) نکاح (۲) طلاق (۳) یمین (۴) نذر (۵) اقرار عقد (۶) بیع صرف (۷) بیع سلم (۸) وکالت (بہار شریعت ۱۱ / رواں حصہ ص ۱۲۰)

خیار شرط کے سلسلے میں حضور محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جو

اب میں یوں تحریر فرمایا کہ:

دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطل محض ہیں دو برس کیلئے بیع بالخیار شریعت مطہرہ میں کہیں نہیں (فتاوی رضویہ جلد ہفتم ص ۴)

مذکورہ جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ دو سال کیلئے بیع خیار نہیں ہوسکتا بلکہ وہ صورت رہن کی بنتی ہے اور اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دو سال یا کم وبیش باہم ایک مدت طے کرلی کہ اس مدت میں اگر زید زرثمن واپس کردے تو عمرو شئے مبیع واپس کردے گا اور اگر اس مدت میں زرثمن نہ دیگا تو بیع قطعی ہو جائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ قبضۂ مشتری میں دے دیتے ہیں مشتری اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے۔ بذریعۂ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح ومعتمد مذہب میں بیع وفا بیع نہیں رہن ہے۔ مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے حدیث میں ہے **کل قرض جر منفعة فھو ربوا** اور پورے بیباک یہ کرتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتی ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا رہن بے قبضہ باطل ہے **قال تعالیٰ فرھٰن مقبوضة**O یہ نفع جو اس پر ٹھہرایا کھلا سود اور نرا حرام و مردود ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد ہفتم قدیم ص۵/۶)

# بیع سلم فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

{مفتی محمد اصغر علی مصباحی (استاذ دار العلوم مجاہد ملت، دھام نگر شریف، بھدرک۔اڑیسہ)}

فتاویٰ رضویہ شریف میں بیع وشراء کے حوالے سے مضبوط دلائل و براھین کی روشنی میں مسائل شرعیہ بیان کئے گئے ہیں، ان میں ایک باب ''بیع سلم'' کا ہے، بیع سلم کے حوالے سے کیسی کیسی نادر تحقیقات سیدی اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں پیش فرمائی ہے،اپنے موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ بیع کی تعریف اس کی شرائط، پھر بیع سلم کی تعریف اوراس کی شرائط بیان کردی جائیں۔

**بیع کی تعریف:** اصطلاح شرع میں بیع کے معنیٰ یہ ہے کہ دوشخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

بیع کب قول سے ہوتی ہے اور کب فعل سے ہوتی ہے،اگر قول سے ہوتو اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں اور اگر فعل سے ہوتو چیز کا لینا اور دے دینا اس کے ارکان ہیں۔

**شرائط بیع:**۔ا۔بائع ومشتری کا عاقل ہونا ۲۔عاقد کا متعدد ہونا یعنی ایک ہی شخص بائع ومشتری نہیں ہوسکتا ۳۔ایجاب وقبول میں موافقت کرنا ۴۔ ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا ۵۔ ہرایک کا دوسرے کے کلام کوسننا ۶۔ بیع کا موجود ہونا ،مال متقوم ہونا ،مقدور التسلیم ہونا ۷۔بیع کا موقت نہ ہونا ۸۔بیع وثمن دونوں اس طرح معلوم ہونا کہ نزاع پیدا نہ ہوسکے۔

**بیع سلم کی تعریف:** بیع سلم وہ بیع ہے جس میں ایک شخص دوسرے شخص کو نقد روپیہ دے اور کہے کہ اتنی مدت کے بعد مجھ کوتم ان روپئے کے بدل میں اتنا غلہ یا چاول فلاں قسم والے دینا۔

**بیع سلم کی اصطلاحات:** ا۔رب السلم (مشتری) ۲۔راس المال (قیمت) ۳۔ مسلم الیہ(بائع)۴۔مسلم فیہ(مبیع)

**بیع سلم کی مشروعیت:** قرآن و حدیث ،تعامل صحابہ اور فقہائے اسلام کے اجماع سے بیع سلم کا جواز ثابت ہے،فقہائے امت نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ سے بیع سلم کے جواز پر استدلال قائم کیا ہے۔

**یاایھاالذین أمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیٰ فاکتبواہ**(سورۃ البقرۃ ۲۸۲:)

ترجمہ: اے ایمان والوں: جب تم آپس میں کسی وقت مقررہ کے لئے آدھا کا معاملہ کروتو اس کولکھ لیا کرو۔

حدیثیں اس سلسلے میں بکثرت وارد ہوئیں ہیں:۔

۱۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:**من اسلف فی شئی فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم** (بخاری شریف ج:اول،ص: ۲۹۸)جوکسی چیز میں بیع سلم کرتے ہیں تومعین کیل ووزن سے متعین مدت کے لئے کرے۔

**۲۔ان النبی ﷺ نھی عن بیع مالیس عندالانسان و رخص فی السلم** (مستدرک: ۲۱۸۵) نبی کریم ﷺ نے ایسی چیزکو بیچنے سے منع فرمایا جوانسان کے پاس موجود نہ مگر بیع سلم میں آپ نے اجازت عطا فرمائی۔

۳۔عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ ارشادفرماتے ہیں:**اناکنا نسلف علی عھدرسول ﷺ وابی بکروعمرفی الحنطۃ والشعیروالتمر والزبیب** (بخاری شریف ج: اول ص: ۲۹۹) ہم لوگ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیہوں، جو، کھجور، اور کشمش میں بیع سلم کیا کرتے تھے۔ ہر چیز کی صحت کے لئے کچھ شرائط ہیں ،مثلاً نماز کی صحت کے لئے چندشرائط ہیں، نفس زکاۃ کے وجوب کے لئے شرائط ہیں، اور وجوب ادا کے لئے چندشرائط ہیں،اسی طرح بیع سلم کی صحت کے لئے بھی چندشرائط ہیں۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمختار میں مخلوط عبارت بطوراختصار یوں ہیں کہ بیع سلم کی صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکرکیاجانا ضروری ہےاور یہ شرطیں اجمالی یہ ہیں۔

۱۔مسلم فیہ کی جنس کا معلوم ہونا ۲۔نوع کا بیان ۳۔مسلم فیہ کی صفت کا بیان ۴۔مسلم فیہ کی مقدار ۵۔مدت کا بیان ۶۔راس المال کی مقدار کا بیان ۷۔اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہچانا منظور ہو(فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۷،ص: ۵۷۱)

مذکورہ بالا کتابوں مین جو شرائط ذکر کی گئی ہیں، وہ اجمالاً ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے جب بیع سلم پر قلم اٹھایا تو سات شرائط کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے آپ نے فتاویٰ رضویہ میں بیع سلم کی صحت کے لئے بارہ شرطوں کا ذکر ضروری قرار دیا، آپ سے کسی نے سوال کیا؟

**سوال**۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹوتی کا روپیہ پیشگی دے دیا اور اناج فصل پر لینا ٹھہرا، کن کن شرطوں کے ساتھ جائز ہے؟

**جواب:**۔سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب تحریر فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیع کے درمیان ایسی کوئی چیز مختص و پوشیدہ نہ رہ جائے جس کی بنیاد پر دونوں پر دونوں کے درمیان نزاع پیدا ہوجائے کیوں کر ہر وہ چیز جو منفی الی
النزاع ہے، وہ مفسد بیع ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں بیع سلم کی کثرت ہے، مگر جو شرائط تفصیلا امام احمد رضا قدس سرہ نے ذکر فرمائی ہے، ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بیع ناجائز ہوجاتی ہے، اور آپسی جھگڑا ہونے کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے، اور بغیر لحاظ شرط کے اس طرح کی بیع دور امام احمد رضا میں ہوتی بھی تھی، جیسا کہ اس سوال سے اور اعلیٰ حضرت کے جواب سے سے ظاہر ہوتا ہے۔

**سوال :**۔ رس کی خریداری اس طور پر کہ ریکھ (گنا) ابھی کھڑی ہے اور رس خرید لیا اور روپیہ دے دیا، جائز ہے یا ناجائز ہے؟

**جواب :** حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: **محض ناجائز ہے** کہ یہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انہیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعاد استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجد رہیں، گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتا، اور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا، ہدایہ میں ہے **لایجوز السلم فی یکون المسلم فیہ موجدا من حین العقد الی حین المحل**۔ترجمہ: جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لے کر وقت استحقاق تک بازار میں موجود نہ رہے، بیع سلم جائز نہیں۔(فتاویٰ رضویہ ج: ۱۷، ص: ۵۷۳)

حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے کس نے اینٹوں کی بیع سلم کے جائز ، ناجائز ہونے کے بارے میں پوچھا، اور اس کی یہ صورتبیان کی کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی

کھود کر اینٹ بنائی جائے گی خالد نے ابھی سے دو ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دوسو روپئے اسے دے دیئے، یہ صورت جائز یا ناجائز ہے؟

**جواب:۔** حضرت فقیہ اسلام محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا: جائز ہے جب کہ سانچا معین کر دیا گیا ہو، اور باقی شرائط بیع مسلم متحقق ہوں اور یہ مشروط کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی، جیسے کہ نئی گندم کی بیع اس کے وجود

سے قبل اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں بیع سلم جائز ہے، جیسے کیلی چیز ایسی وزنی چیز جو بیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً آخروٹ، انڈے، اور معین سانچے کی بنی کچی یا پکی اینٹیں۔

بیع سلم کی بارہ شرطوں میں سے پانچویں شرط یہ ہے کہ میعاد معین ہو اور وہ ایک ماہ سے کم نہ ہو، اب ظاہری بات ہے کہ اگر کوئی ایسی بیع ہو جس میں میعاد معین کا ذکر نہ ہو یا ہو تو ایک ماہ سے کم ہو، تو یہ بیع سلم درست نہ ہو۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا ،ایسی بیع کے بارے جس میں میعاد کا ذکر نہیں ہے، سوال کیا گیا۔

**سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی ۳۳ ٹکہ فروخت ہوتے ہیں، اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ بلا تعین وقت روز یا ماہ کے کٹوتی کرے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**جواب:** سیدی محدث بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: کہ پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) کی یہ صورت ناجائز ہے، کیوں کہ بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ میعاد عقد میں معین کر دی جائے، جب یہاں تعین وقت نہ ہوا، بیع حرام ہوگئی (فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۷، ص: ۵۷۷)

اس طرح کے بہت سارے سوالات موجود ہیں جن کا تعلق بیع سلم ہے سیدی اعلیٰ حضرت نے ہر سوال کا تشفی بخش جواب اپنی مشہور زمانہ کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' میں تحریر فرمایا ہے جس سے چند نظائر آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔

☆☆☆

# امام احمد رضا اور بیع مضاربت : فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

محمد ساجد رضا مصباحی
{ خادم تدریس دار العلوم غریب نواز داہو گنج، کشی نگر یو پی }

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ] برصغیر کی ایسی قابل رشک اور صد افتخار شخصیت کا نام ہے جو علم و دانائی، عبادت و ریاضت، زہد وتقوی، صبر وقناعت، عاجزی و انکساری کے بحر بیکراں تھے، آپ نازش مذہب وملت، مینارہ ؟ نور اور فانوس رشد و ہدایت بھی تھے، آپ کی ذات علم و مشاہدہ، فقہ وتدبر کا ایسا عمیق سمندر ہے جس میں غوطہ لگانے والا آپ کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتا دکھائی دیتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ] کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاے متقدمین ومتاخرین نے تیمم کے جواز کے لیے جن اشیا کا شمار کرایا تھا ان کی مجموعی تعداد چوہتر تک پہنچتی تھی لیکن آپ نے تیمم کے جواز میں ایک سو اکیاسی اشیا بیان فرمائیں۔ یہاں انسان حیرت کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے کہ تنہا ایک فرد نے کس طرح چوہتر اشیا پر مزید ایک سو سات اشیا کا اضافہ کیا اور اپنی خداداد فقہی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اسی طرح عدم جواز تیمم کے باب میں فقہا نے اٹھاون اشیا کا ذکر کیا ہے جب کہ آپ نے یہ تعداد ایک سو بیس بیان فرمائی ہے۔ گو یا آپ نے ان اشیا پر مزید باسٹھ اشیا کا اضافہ کیا ہے۔ دراصل آپ نے کتب فقہ میں موجودہ منتشر مباحث کے ذخیرے کو ایک منظم شکل دیکر امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یقینا آپ کی ذات علم وفضل کی بحر بیکراں تھی، آپ کے اوصاف وکمالات پر لکھنے والے ایک زمانے سے لکھ رہے ہیں لیکن ابھی تک اصحاب فکر وقلم گو یا سمندر کے کنارے سے ہی اس کی موجوں کا نظارہ کررہے ہیں، آپ کی تصنیفات کی تعداد جو بھی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے آج علما ان تصانیف میں پنہاں علمی رموز واسرار کی عقدہ کشائی میں سرگرداں ہیں، فتاویٰ رضویہ آپ کے فتاویٰ کا وہ شاہ کار مجموعہ ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام مراحل

سے متعلق رہنمائی موجود ہے، یہ مجموعہ علم وفن کا خزانہ اور موجودہ عہد کے مفتیانِ عظام کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔فتاویٰ رضویہ کی اہمیت وافادیت کو اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے، آج یہ گراں قدر مجموعہ غیروں کی لائبریریوں کی بھی زینت ہے اور پس پردہ اس سے استفادہ کر کے وہ بھی اپنی ضرورتیں پوری کرر ہے ہیں۔

بقول حضرت مفتی مطیع الرحمن مضطرؔ رضوی دام ظلہ العالی:

''تاریخ کو حیرت ہے کہ اس نے عہد جدید کی اس چھ سو سالہ مدت میں علم وفن کی الگ الگ فلک آسا شخصیتیں تو دیکھی تھیں، مگر ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا کہ خالص اسلامی ماحول میں جنم لے کر اسی ماحول میں تربیت پانے والا بچہ، جس نے بڑے ہو کر بھی محض دین ہی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا ہو، وہ بہ یک وقت جدیدیت کے بھی تمام شعبوں میں ایکسپرٹ ہو۔ اسلامیات کے جملہ شاخوں میں داد تحقیق دینے کے ساتھ ساتھ حیاتیات]biology[حیوانیات ]zoology[نباتات botany[ [ جغرافیہ geography[ [طبقات الارض ]geology[ہیئت astronomy[ [ارثماطیقی ]arithmetic[شماریات statistics[ [ریاضی mathematics[ [لوگارثم ]logariphm[ [اقلیدس geometry[ [مثلث مسطح plane trignometry[ [مثلث کروی spherical[ ]trigonometry[طبعیات physics[ [کیمیا ] chemistry[صوتیات ]sound ]waves[اشعیات radiology[ مناظر ومرایا optics[ توقیت ]timings[ موسمیات meterology[ [موجودات ]natural science[وغیرہ پر بھی ایسی مکمل دسترس رکھتا ہو کہ ان میں ایک ایک فن پر زندگی تج دینے والے افراد اس کے علم کے آگے بونے نظر آئیں۔'' ] سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور شمارہ دسمبر ۲۰۱۸ء تا فروری ۲۰۱۹ء]

فتاویٰ رضویہ شریف کا ایک اہم حصہ بیع وتجارت کے مسائل پر مشتمل ہے، یوں تو پورا فتاوی رضویہ علم وتحقیق کا سمندر ہے، لیکن خاص طور سے کتاب البیوع میں آپ نے علم وتحقیق کے جو جوہر لٹائے ہیں اس کی مثال دیگر مصنفین کی کتب میں دور دور تک نظر نہیں آتی، کتاب البیوع میں آپ نے تجارت سے متعلق متعدد پیچیدہ مسائل کا کافی ووافی حل پیش فر

ما کر اہل علم کو انگشت بدنداں فرما دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ] مسلمانوں کے معاشی واقتصادی صورت حال پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اوران کی معاشی بدحالی پر فکر مند بھی رہا کرتے تھے،دیارِ ہند میں مسلمانوں کے وجود وبقا کے لیے آپ نے اپنے فتاویٰ میں متعدد مقامات پر اظہار خیال فرمایا ہے اور بہت قیمتی ہدایات بھی عطا فرمائے ہیں،اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جس انداز میں مسلمانوں کے معاشیات کے استحکام کے لیے اپنے گراں قدر اصول ونظریات تحریر فرمائے ہیں،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف ایک عبقری فقیہ ومحدث تھے بلکہ آپ کو ماہر معاشیات ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ معاش ہر انسان کی اہم ضرورت ہے۔ معاشی سرگرمیاں ابتدا سے ہی انسانی زندگی کا حصہ ہیں پھر ہر انسان اپنی ہر ضرورت کا کفیل نہیں لہذا اشیا وخدمات کے باہمی تبادلے کا نظام وجود میں آیا۔ تہذیب وتمدن کے ارتقا کے ساتھ معاشی سرگرمیاں پیچیدہ تر ہوتی گئیں۔ اسلام نے بطور عالم گیر مذہب عبادات کے ساتھ معاملات کا بے نظیر نظام پیش کیا ہے۔ قانون اسلام کے ماہرین نے اپنے دور کے جدید معاشی مسائل کو تحقیق کا موضوع بنایا اور شرعی اصولوں کے مطابق معاشی سرگرمیوں کی تعلیمات دیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ] اس وصف میں بھی نمایاں ہیں کہ انہوں نے مسلم امہ کے معاشی مسائل کے حل اسلامی اصولوں کے مطابق پیش کیے۔ اسلام نے متعدد مقامات پر حصول رزق لیے تجارت کی رغبت دلائی ہے اور اس کی برکتوں سے باخبر کیا ہے، خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کر کے اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے، اس لیے تجارت کے احکام ہمیشہ اسلامی قوانین کا حصہ رہے ہیں۔

تجارت کی اہمیت وافادیت ہر قوم کے نزدیک مسلم ہے۔ ملک وقوم کی خوش حالی اور معاشی استحکام میں تجارت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک جیسے برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، اور جرمنی نیز ایشیا میں جاپان تجارت ہی کے سبب دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے صنعت وحرفت، معاشیات یہاں تک کہ سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے میدان میں بھی انقلابات رونما ہورہے ہیں۔ معاشی طور پر مستحکم ممالک

سیاسی اعتبار سے بھی طاقت پکڑ رہے ہیں۔اسلام میں بھی تجارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

سردست ہمارا روے سخن''بیع مضاربت فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں'' ہے۔عہد حاضر میں شرکت کے کاروبار کو بڑی مقبولیت حاصل ہے،مضاربت بھی ایک قسم کی تجارتی شرکت ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہوتی ہے اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعین نسبت سے حصہ ملے۔ اصطلاح شریعت میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال کہتے ہیں اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب کہتے ہیں۔ اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

بہار شریعت میں مضاربت کا تعارف ان الفاظ میں مذکور ہے:

''یہ تجارت میں ایک قسم کی شرکت ہے کہ ایک جانب سے مال ہو اور ایک جانب سے کام،مال دینے والے کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور مالک نے جو دیا اُسے راس المال کہتے ہیں اور اگر تمام نفع رب المال ہی کے لیے دینا قرار پایا تو اُس کو اِبضاع کہتے ہیں اور اگر کل کام کرنے والے کے لیے طے پایا تو قرض ہے،اس عقد کی لوگوں کو حاجت ہے کیوں کہ انسان مختلف قسم کے ہیں بعض مال دار ہیں اور بعض تہی دست،بعض مال والوں کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا تجارت کے اُصول وفروع سے ناواقف ہوتے ہیں اور بعض غریب کام کرنا جانتے ہیں مگر ان کے پاس روپیہ نہیں لہٰذا تجارت کیوں کر کریں اس عقد کی مشروعیت میں یہ مصلحت ہے کہ امیر وغریب دونوں کو فائدہ پہنچے مال والے کو روپیہ دیکر اور غریب آدمی کو اُس کے روپیہ سے کام کر کے۔''[بہار شریعت حصہ چہاردہم،مضاربت کا بیان]

## صحتِ مضاربت کے لیے چند شرائط ہیں:

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ نے بہار شریعت میں شرائط صحت مضاربت روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے:

ا۔راس المال ازقبیل ثمن ہو۔عروض کے قسم سے ہو تو مضاربت صحیح نہیں پیسوں کو راس المال قرار دیا اور وہ چلتے ہوں تو مضاربت صحیح ہے۔ یوہیں نِکل کی اِکنیاں دوانیاں راس

المال ہوسکتی ہیں جب تک اِن کا چلن ہے۔ اگر اپنی کوئی چیز دے دی کہ اسے بیچو اور ثمن پر قبضہ کرو اور اُس سے بطور مضاربت کام کرو اُس نے اُس کو روپیہ یا اشرفی سے بیچ کر کام کرنا شروع کردیا یہ مضاربت صحیح۔

۲۔راس المال معلوم ہو۔ اگر چہ اس طرح معلوم کیا گیا ہو کہ اُس کی طرف اشارہ کردیا۔ پھر اگر نفع کی تقسیم کرتے وقت راس المال کی مقدار میں اختلاف ہوا تو گواہوں سے جو ثابت کردے اُس کی بات معتبر ہے اور دونوں کے گواہ ہوں تو رب المال کے گواہ معتبر ہیں اور اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو قسم کے ساتھ مضارب کی بات معتبر ہوگی۔

۳۔راس المال عین ہو یعنی معیّن ہو دَین نہ ہو جو غیر معیّن واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ مضاربت اگر دَین کے ساتھ ہوئی اور وہ دَین مضاربت پر ہے یعنی اُس سے کہہ دیا کہ تمھارے ذمہ جو میرا روپیہ ہے اُس سے کام کرو یہ مضاربت صحیح نہیں جو کچھ خریدے گا اُس کا مالک مضارِب ہوگا اور جو کچھ دَین ہوگا اُس کے ذمہ ہوگا اور اگر دوسرے پر دَین ہو مثلاً کہہ دیا کہ فلاں کے ذمہ میرا اتنا روپیہ ہے اُس کو وصول کرو اور اُس سے بطورِ مضارَبت تجارت کرو یہ مضاربت جائز ہے اگر چہ اِس طرح کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں پر میرا دَین ہے وصول کرکے پھر اُس سے کام کرو اُس نے کل روپیہ قبضہ کرنے سے پہلے ہی کام کرنا شروع کردیا ضامن ہے یعنی اگر تلف ہوگا ضمان دینا ہوگا اور اگر یہ کہا تھا کہ اُس سے روپیہ وصول کرو اور کام کرو اور اس نے کل روپیہ وصول کرنے سے پہلے کام شروع کردیا ضامن نہیں ہے اور اگر یہ کہا کہ مضاربت پر کام کرنے کے لیے اُس سے روپیہ وصول کرو تو کل وصول کرنے سے پہلے کام کرنے کی اجازت نہیں یعنی ضمان دینا ہوگا۔

۴۔راس المال مضارِب کو دیدیا جائے یعنی اُس کا پورے طور پر قبضہ ہو جائے ،رب المال کا بالکل قبضہ نہ رہے۔

۵۔نفع دونوں کے مابین شائع ہو یعنی مثلاً نصف نصف یا دوتہائی ایک تہائی یا تین چوتھائی ایک چوتھائی، نفع میں اِس طرح حصہ معیّن نہ کیا جائے جس میں شرکت قطع ہوجانے کا احتمال ہو مثلاً یہ کہہ دیا کہ میں سو ۱۰۰/روپیہ نفع لوں گا اِس میں ہوسکتا ہے کہ کل نفع سو ہی ہو یا اس سے بھی کم تو دوسرے کی نفع میں کیوں کر شرکت ہوگی یا کہہ دیا کہ نصف نفع لوں گا اور اُس

کے ساتھ دس۱۰ روپیہ اور لوں گا اِس میں بھی ہوسکتا ہے کہ کل نفع دس ۱۰/ ہی روپے ہوتو دوسرا شخص کیا پائے گا۔

۶۔ ہر ایک کا حصہ معلوم ہو لہٰذا ایسی شرط جس کی وجہ سے نفع میں جہالت پیدا ہو مضاربت کو فاسد کردیتی ہے مثلاً یہ شرط کہ تم کو آدھا یا تہائی نفع دیا جائے گا یعنی دونوں میں سے کسی ایک کو معین نہیں کیا بلکہ تردِید کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اگر اُس شرط سے نفع میں جہالت نہ ہوتو وہ شرط ہی فاسد ہے اور مضارَبت صحیح ہے مثلاً یہ کہ نقصان جو کچھ ہوگا وہ مضارِب کے ذمہ ہوگا یا دونوں کے ذمہ ڈالا جائے گا۔

۷۔مضارِب کے لیے نفع دینا شرط ہو۔اگر راس المال میں سے کچھ دینا شرط کیا گیا یا راس المال اور نفع دونوں سے دینا شرط کیا گیا مضاربت فاسد ہوجائے گی۔ [بحر، در][بہارشریعت حصہ چہاردہم مضاربت کا بیان]

بہارشریعت کی اس تفصیل سے مضاربت کی ماہیت وحقیقت اور اس کے اصول وضوابط سے ایک ح تگ آگاہی ہوگئی،اب ذیل کی سطروں میں ہم مضاربت کے چند اہم مسائل کا تجزیہ فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں پیش کریں گے۔

## عقدمضاربت ہنود کے ساتھ جائز ہے یانہیں:

چوں کہ ہم لوگ ہندوستان کے شہری ہیں اور یہاں کی اکثریت ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے جس طرح خرید وفروخت کے بہت سارے معاملات یہاں کے کفار کے ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح مضاربت بھی یہاں کے ہنود کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اس سلسلے میں حکم شرعی کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی، میران پورکٹرہ،شاہ جہاں پور سے جناب محمد صدیق بیگ صاحب نے ؟۵۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ[۱۲۷۲-۱۳۴۰ھ[ کی بارگاہ میں سوال بھیجا:

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لیے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب: یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے۔مگر اس پر

نقصان کی شرط حرام ہے۔ اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کر لینا جائز۔ **لانہ من عقد فاسد وھم لیسوا باھل ذمۃ ولا مستامنین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔** کیوں کہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہندو نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔[ فتاویٰ رضویہ چلد ۱۹، ص:۱۲۹، مترجم ]

## بیع مضاربت کے چند اہم مسائل کی تنقیح:

عقد مضاربت میں چند اہم مسائل یہ درپیش ہوتے ہیں کہ مضاربت کے معاملات طے ہوتے وقت حصۂ نفع کی تعیین ضروری ہے یا نہیں، یعنی حاصل شدہ نفع میں سے کتنا رب المال لے گا اور کتنا مضارب کا ہوگا، رب المال کا حصۂ نفع طے کیے بغیر مضاربت جائز ہے یا نہیں؟ یوں ہی اگر رب المال نے مضارب کو کسی خاص شہر میں سامان فروخت کرنے کے لیے بھیجا تو مضارب اسی شہر میں مال فروخت کرنے کا پابند ہے یا حسب مصلحت دوسرے شہر میں بھی بیچ سکتا ہے؟ یوں ہی مضارب کے مصارف یعنی سفر وغیرہ کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [ ۱۲۷۲ھ ۔۱۳۴۰ھ ] نے ان تمام مسائل کی بڑی نفیس تنقیح درج ذیل فتوے میں فرمائی، ہم یہاں استفتا اور جواب دونوں ہی نقل کرتے ہیں تا کہ مسائل خوب خوب واضح ہو جائیں اور امام اہل سنت کی فقہی بصیرت اظہر من الشّمس ہو جائے۔

’’کیا ارشاد ہے علماے دین کا اس مسئلہ میں کہ رب المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہیے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کر لیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہیے۔ رب المال کے پاس واپس جائے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے۔ یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے
مال بچ رہا تو ماںقی کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کر دے۔ اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کر دے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے

اختیارات وسیع ہوجائیں گے یا نہیں۔ رب المال کے ذمہ سفر خرچ وخورد ونوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیا بھی مثلا اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شیئ کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلا ٹوپی کافی ہوسکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب: نفع میں جو حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلا تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد وحرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید وعمر میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہوجائے تو جائز ہوجائے [**لان المجلس یجمع الکلمات**] کیوں کہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ ت[ تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہوجائے گا [**والمسائل کلھا معلومۃ من الفقہ**] یہ تمام مسائل فقہ میں واضح ہیں۔ ت]

درمختار میں ہے:

**شرطھا کون الربح بینھا شائعا فلو عین قدرا افسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد**[درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶۔۴۷]

مضاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم بھی شرط ہے۔ [ت]

ہندیہ میں ہے:

**دفع الٰی غیرہ الف درھم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان عَلِمَ رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربۃ وان لم یعلما لاتجوز وکذا اذا علم احدھما وجھل الاخر ھٰکذا فی المحیط، ولو دفع الیہ مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فھذہ مضاربۃ فاسدۃ**

کذافی المبسوط۔[فتاوٰی ہندیہ، کتاب المضاربۃ، الباب الثانی، نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۸۸]

کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طور پر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی۔ محیط میں یوں ہے اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لیے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔[ت]

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذن رب المال کی حاجت نہیں جب کہ رب المال اسے مقید نہ کردے۔ ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہوجائیگا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہو۔ جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔ خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔

درمختار میں ہے:

**یملک المضارب فی المطلقۃ التی لم تقید بمکان او زمان او نوع ]ای او شخص ش[ البیع بنقد و نسیئۃ متعارفۃ و الشراء و التوکیل بھما و السفر برا و بحرا لا تجاوز بلدا و سلعۃ او وقف او شخص عینہ المالک لان المضاربۃ تقبل التقیید المفید و لو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانہ حینئذ لایملک عزلہ فلا یملک تخصیصہ فان فعل ضمن بالمخالفۃ اھ ملتقطا۔**[درمختار، کتاب المضاربۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۲ /۱۴۷]

مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم [یا شخص] سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع وشراء میں وکیل بنانے اور بری وبحری

سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقف یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیوں کہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال
جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیوں کہ اس موقع پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص و پابندی کا مالک بھی نہ ہوگا۔ اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا [ت]

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلاً مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائے گا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔

درمختار میں ہے:

**لایملک المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اِعْمَل برایک اذ الشیء لایتضمن مثله ولا الاقراض والاستدانة وان قیل له اِعْمَل برایک لانهما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالک علیهما فیملکهما ]ملخصا[** [درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۱۴۷]

مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا۔ اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا کیوں کہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر۔ کہہ دینے
کے باوجود مضارب قرض دینا اور ادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیوں کہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تو دی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کردے۔ اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا۔ [ملخصا]۔ [ت]
مضاربۃ صحیحہ میں جب کہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے

اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہوتو ایام سفر کا نفقہ، کھانا۔ پینا۔ پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسب عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔

درمختار میں ہے:

**واذا سافرولو یوماً فطعامه وشرابه و کسوته ورکوبه ولوبکراء وکل مایحتاج فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاهر اما اذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذه دارا فله النفقة ابن ]عه[ ملک ویاخذ المالک قدر ماانفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلاشیء علی المضارب**[ملخصا ] [درمختار فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۱۵۰]

جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہوتو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اورتمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطے کہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیوں کہ فاسد ہوتو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کرے گا جیسا کہ علاج کی صوت میں ظاہر قول کی بنا پر خود کرے گا۔ اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضارب پر ہوگا ]ابن ملک[ اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال ]اصل مال[ سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا۔ ملخصا ]ت[

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے، برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں، یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیئے، مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی، سُرمہ،

پھلیل، دوا مال مضاربت سے نہ کرے گا۔
عالمگیری میں ہے:

**النفقة هي مايصرف الى الحاجة الراتبة وهي الطعام والشراب والكسوة وفراش ينام عليه والركوب وعلف دابته، محيط السرخسي، وغسل ثيابه والدهن في موضع يحتاج اليه واجرة الحمام والحلاق وانما يطلق في جميع ذٰلك بالمعروف حتى يضمن الفضل ان جاوزه هكذا في الكافي، وروى عن ابي يوسف رحمه ا ? تعالٰى انه سئل عن اللحم فقال كما كان ياكل، ذخيرة، واما الدواء والحجامة والكحل ونحو ذٰلك في**
**ماله خاصة دون مال المضاربة، ولو استاجر اجيرا يخدمه في سفره احتسب بذٰلك على المضاربة، مبسوط اللہ تعالٰی اعلم۔**

نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا، پینا، لباس، بستر زیر استعمال، سواری، جانور کی خوراک ہے، محیط سرخسی، اور کپڑوں کی دھلائی، ضرورت کے مقام پر تیل، حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا۔ کافی میں یوں ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو، ذخیرہ، لیکن ذاتی دوائی، سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہوں گی مضاربت سے نہ ہوں گی، اور اگر سفر کے دوران خدمت کے لیے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب سے ہوگا، مبسوط، واللہ تعالٰی اعلم۔[ت][ فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۱۳۔۳۱۲]''[ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۹، ص:۱۲۹، مترجم ]

**مضارِب رب المال سے کون کون سیا خراجات اور کن کن صورتوں میں لینے کا مستحق ہوگا؟**

بیع مضاربت میں مضارب اخراجات سفر کا اسی وقت مستحق ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے شہر سے کسی دوسرے شہر میں مال فروخت کرنے کے لیے جائے، یعنی ایسی جگہ جائے جہاں سے شب گزارنے کے لیے گھر واپس نہ آسکے، لیکن اگر اپنے ہی شہر میں رہا تو اس کے

مصارف کا وہ خود ہی ذمے دار ہوگا،وہ مشترکہ مال سے اپنے مصارف لینے کا حق نہیں رکھتا، یوں ہی مضارب نے اگر اپنا مال راس المال میں ملا دیا پھر اس مخلوط مال سے ہبہ، صدقہ، حج وعمرہ اور دیگر ضروریات زندگی میں صرف کیے تو یہ اس کے ذاتی مال سے ہوگا، راس المال سے وضع نہیں کیا جائے گا۔ اس حوالے سے پاٹن شمالی گجرات سے جناب عبد القادر محمد فضل صاحب نے ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ کو عربی زبان میں ایک سوال بھیجا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے عربی زبان ہی میں اس مسئلے کی شان دار تحقیق فرمائی اور عبارات فقہا سے اسے مزین فرما کر منقح فرمایا، بلکہ اس مسئلے میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر نقد فرماتے ہوئے ان کی عبارت کا سقم بھی ظاہر فرمایا، ذیل میں سوال وجواب نقل کیے جاتے ہیں۔

**”ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارة بالربح اولا عقب الحساب بینهما اقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابه من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکة علی نفسه ماکله ومشربه وکسوته ویھب ویتصدق ویزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویحج کل ذٰلک بغیر اذن شریکه وله یظھر الربح بل لحق راس المال خسارة فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوه المذکورة حیث کان ذٰلک بغیر اذن الشریک یکون الضمان فی ماله خاصة ام یکون دینا اذا بقی، افتونا ماجورین۔**

آپ کا کیا ارشاد ہے [اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے] اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا، اور عمرو نے کام شروع کر دیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا، پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال ]راس المال[ میں شامل کر دیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کیے جب کہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ

ہوگیا، تو کیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا، اجر پاتے ہوئے ہمیں فتوٰی دیں۔[ت]

**الجواب: کل ماانفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارۃ الشریفۃ یحسب علیہ من مال نفسہ لاشیئ منہ علی صاحبہ وکذا ما انفق علی نفسہ وھو مقیم بمصر المضاربۃ ای البلد الذی اخذ فیہ المال مضاربۃ او بوطنہ سواء کان مولدہ او اتخذہ دارا، وکذا ماانفق فی الخروج الی موضع یغدو الیہ ثم یروح ویبیت باھلہ وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربۃ فاسدۃ فانہ لیس فیھا للمضارب الااجر مثل عملہ نعم اذا کانت صحیحۃ وخرج المضارب للتجارۃ الی حیث لایؤویہ اللیل بمنزلہ وان قفل فنفقتہ بالمعروف طعامہ وشرابہ ولباسہ وفراشہ ورکوبہ وخادمہ ونفقۃ خادمہ کل ذلک فی مال المضاربۃ حتی یؤب لاالزائد علی المعروف فانہ مضمون علیہ غیر ان عمرا اضاف الیہ شیئا من مال نفسہ فینقسم النفقات المعروفۃ علی کلاالمالین بحسبھما**

**فما اصاب مال المضاربۃ فذٰلک وما اصاب مال عمرو حسب علیہ من مال نفسہ وکل ماذکرنا انہ یحسب علیہ ان کفاہ مالہ فبھا وما فضل وتعدی الی مال المضاربۃ یضمنہ وھو دین علیہ یوخذ منہ حیث لاربح، ھذا کلہ اذا لم یخلط او خلط وکان زید قال لہ ان اعمل فیہ کما تری او کان الخلط ھناک معروفا بین التجار اما اذا عرٰی عن ھذہ الوجود ضمن مال زید تماما لانہ استھلکہ بالخلط بغیر اذن ولاعرف فعاد غاصبا بعد ماکان مضاربا فعلیہ وضیعۃ ولہ ربحہ ولایطھر لہ ربح مال المضاربۃ عندالامام ومحمد رضی ا؟ تعالٰی عنھما فیتصدق بہ الا اذا اختلف الجنس فان الربح لایظھر الاعند اتحادہ۔**

**فی الدر المختار اذا سافر ولو یوماً ]المراد ان لایمکنہ المبیت فی منزلہ فان امکن ان یعود الیہ فی لیلۃ فھو کالمصر لانفقۃ لہ بحر اھ شامی[ فطعامہ وشرابہ، وکسوتہ ورکوبہ ولو بکراء وکل مایحتاجہ فی عادۃ التجار بالمعروف فی مالھا لو**

**صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له و ان عمل فی المصر سواء ولد فیه او اتخذه دار افنفقته فی ماله کدوائه، اما اذا نوی الا قامة بمصر ولم یتخذه دار افله النفقة مالم یاخذ مالا ] یعنی اما اذا کان قد اخذ مال المضاربة فی ذلک المصر فلا نفقة له مادام فیه ولا یخفی مافیه من الایجاز الملحق بالغاز اھ شامی۔**

ترجمہ: عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا، اس میں سے کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس نے مضاربہ کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات پر خرچ کیا اور یونہی تمام اخراجات علی الاطلاق اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیوں کہ فساد کی صورت میں مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا، ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تو اس کا معروف نفقہ بطور خوراک ولباس، بستر، سواری، خادم، خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ واپس گھر پہنچ جائے، معروف سے زائد نفقہ نہ ہو کیوں کہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چوں کہ تجارت میں شامل کرلیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات اس کے مال پر، اگر اس کا مال ان اخراجات کو کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین پر ہوں گے اور اس سے وصول کیے جائیں گے جب کہ نفع کا مال نہ ہو، یہ تمام بیان اس صورت میں ہے جب کہ اس نے اپنا ذاتی مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیا ہو یا اس نے خلط کردیا اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے ورنہ اس کے بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیوں کہ اجازت اور عرف کے بغیر خلط کرکے اس نے مضاربت کے مال کو ہلاک کردیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کے لیے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ

تعالٰی عنہما کے نزدیک مال مضاربت کا نفع اس کے لیے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیوں کہ نفع اتحادِ جنس میں ظاہر ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے جب مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے [اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا سفر ہو کہ واپس آکر رات گزارنا ممکن نہ ہو اگر رات گھر آنا ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا بحر، اھ شامی] تو کھانا، پینا، لباس سواری، اگر کرایہ کی ہو اور تجار میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطے کہ مضاربت صحیح ہوگا فاسد نہ ہو کیوں کہ فاسد ہونے کی صورت میں مضارب اجیر بن جاتا ہے اس کا نفقہ نہیں اور اگر اس نے اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنالیا وہاں کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج معالجہ ذاتی ہوتا ہے، اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطے کہ اس شہر میں اس نے مال مضاربت وصول نہ کیا ہو یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا، اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی۔

**اقول: مثله ليس من الايجاز فی شیء بل وقع من القلم اقتصار امخلا [ ولو سافر بماله و مالها او خلط باذن انفق بالحصة و اذاقدم رد مابقی "مجمع" ويضمن الزائد علی المعروف، ويأخذ المالک قدر ما انفقه المضارب من راس المال ]متعلق بانفق اھ ش] ان كان ثمة ربح فان استوفاه و فضل شیء اقتسماه علی الشرط لان ماانفقه يجعل كالهالک و الهالک يصرف الی الربح و ان لم يظهر ربح فلاشیء علی المضارب اھ [باختصارين] وفيه لا يملک الخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برأيک اھ [باختصار]** [درمختار، کتاب المضاربۃ، فصل فی المتفرقات، مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۷]

اقول: میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا [ اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے، مجمع اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا ]راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی ] اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے

پورا کر لینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کر لیں کیوں کہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں اھ ][باختصارین [ ]وراسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الا یہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو ''اپنی رائے سے عمل کر'' اھ[باختصار]۔[درمختار، کتاب المضاربۃ، فصل فی المتفرقات، مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۱۵۰]

## بیع مضاربت میں نقصان کا تاوان کون ادا کرے گا؟

بیع وشرا میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے، کبھی بازار کا اتار چڑھاؤ اثر انداز ہوتا ہے، کبھی مال ضائع ہو جانے کی وجہ سے تاجر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے، مضاربت میں بھی اس طرح کے حالات اکثر پیدا ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ نقصان کی تلافی کس کے ذمے ہو گی، اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ شریف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے کتاب المضاربۃ میں بڑی نفیس گفتگو فرمائی ہے اور مسئلہ کو مدلل انداز میں واضح فرمایا ہے، ذیل کی سطروں میں اس حوالے سے اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا بریلوی کا ایک اہم فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھا اور زید وبکر کے درمیان یہ اقرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گا اور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چوں کہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا۔اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیا ہے تو اس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہوسکے تو زید بکر سے تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا ازروئے شریعت کے مستحق ہے یانہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہورہا ہے۔ کچھ اس کا بدلہ زید پر ہے یانہیں؟ تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی۔ روپیہ وصول نہ ہوا تو جو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اس خرچہ کے بھی تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدی ودست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دارنہیں جونقصان واقع ہوسب صاحب مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے اس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہوتو حسب قرار داد اس میں شریک ہوگا۔ پس صورت مستفسرہ میں جوروپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جوخرچہ ہوا زید اس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا۔ اور جومحنت بکر پر پڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں لے پاسکتا۔

ہندیہ میں ہے:

**اما الشروط الفاسدة فمنها ماتبطل المضاربة ومنها مالا تبطلها و تبطل بنفسها کذا فی النهایة قال القدوری فی کتابه کل شرط یوجب جهالة الربح او قطع الشرکة فی الربح یوجب فساد المضاربة ومالا یوجب شیئا من ذٰلک لایوجب فسادها نحوان یشترطا ان تکون الوضیعة علیهما کذا فی الذخیرة** [فتاوٰی ہندیہ، کتاب المضاربہ، باب الاول، نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۸۔۲۸۷]

فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہوجاتی ہیں۔ نہایہ میں یوں ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جونفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔ تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہوتو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلا دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ [ت]

ہدایہ میں ہے:

**کل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لاختلال مقصوده وغیر ذٰلک من الشروط الفاسدة لایفسدها ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب**[الہدایہ، کتاب المضاربہ، مطبع یوسفی لکھنو ۳ /۲۵۶]

ہر ایسی شرط جونفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیوں کہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جوشرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہوجائیں گی مثلا یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔ ]ت[

عقود دریہ میں ہے:

**سئل فیما اذا اخسر المضارب فھل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم۔**[العقود الدریۃ کتاب المضاربہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۷۲]

ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں![ت]

درمختار میں ہے:

**المضاربۃ ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفۃ بامرہ وشرکۃ ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعدہ واجارۃ فاسدۃ ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل لہ اجر مثل عملہ۔**[ درمختار، کتاب المضاربہ، مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۱]واللہ تعالیٰ اعلم۔

مضاربت ابتدا میں امانت کی کارروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیوں کہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کردے۔ اور مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں مضارب نفع کا حق دار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[ت]"[فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۱۹، کتاب المضاربۃ]

## مضاربت کی یہ صورت جائز نہیں:

بیع مضاربت میں اگر رب المال مضارِب سے یہ طے کرلے کہ یہ متعین رقم تجارت کے لیے تمہیں دے رہا ہوں، اس میں تمھیں جس قدر بھی نفع ہو اس مجھے مطلب نہیں، تم مجھے ماہانہ اتنی رقم دے دینا، مضاربت کی یہ صورت ناجائز ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اس حوالے سے یہ سوال وجواب موجود ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دیے کیوں کہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار

دیتا رہا۔ اس عرصہ میں بیت بکر نے کبھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی۔ ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکورہ اپنے ذمے لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہوار جائز نہیں۔ لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں چوں کہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ بینوا توجروا

الجواب: ایک رقم تعین کر دینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے۔ نفع ہو تو جس قدر ہوا تنا ہی زید کو دیا جائے اس سے زیادہ اصلا نہ لے۔ یہ بھی اس صورت میں جب کہ وارث بکر محض احسانا اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرارداد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے واللہ تعالیٰ اعلم۔" [فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد ۹۱، کتاب المضاربۃ]

فتاویٰ رضویہ مترجم کی انیسویں جلد کی کتاب المضاربۃ میں کل گیارہ فتاوے شامل ہیں، یہ تمام فتاوے بڑے اہم قیمتی اور تحقیقی ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے تحقیقی مزاج کے مطابق بڑی گہرائی کے ساتھ یہ فتاوے تحریر فرمائے ہیں جن سے مضاربت کی حقیقت، مضاربت کے جواز وعدم جواز کی صورتیں اور مضاربت کے شرائط کا بخوبی علم ہو جاتا ہے، بطور نمونہ چند فتاوے اوپر نقل کیے گئے اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا، یقیناً یہ فقہی بصیرت اور محققانہ شان وشوکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا وہ امتیاز ہے جو آپ کے عہد میں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ اسی لیے آج ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کی علمی شہرت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے، ان کی تصانیف عالم اسلام کے محققین کے لیے موضوع تحقیق بنی ہوئی ہیں، ہر طرف ان کی عظمتوں کے ترانے گائے جا رہے ہیں اور قیامت تک ان کے ذکر سے اہل سنت کی مشام جاں معطر رہا کریں گی۔ اللہ جل شانہ ہمیں ان علمی صدقہ عطا فرمائے اور ان کا فیضان عالم اسلام میں عام وتام فرمائے، آمین۔

☆☆☆